مقالہ برائے پی ایچ ڈی

# کوئن فرآسو۔ حیات و خدمات

## بحوالہ خصوصی قصۂ عشق افزا (نسخۂ باقر)

از


ذوالقرنین احمد



زیرِ نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال

رئیسِ کلیہ فنون و تجارت و قانون

اُردو یونیورسٹی، کراچی

# CERTIFICATE

This is to Certify that this Ph-D thesis entitled "Koine Farasu (Life & Works) special study with reference of Qissa-e-Ishq Afza (Nuskha-e-Baqar)" being submitted by Mr. Zulqarnain Ahmed is an original research work done under my supervision.

Prof. Dr. Zafar Iqbal

(Supervisor)
Dean Faculty of Arts, Commerce and Law
Federal Urdu University of Arts, Science & Technology
Pakistan, Karachi.

# فہرست

اورنگزیب کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کا احوال کسے معلوم نہیں کہ بادشاہت مذاق ہو کر رہ گئی تھی! جنوب کے علاقوں میں نوابین کی سرگرمیوں سے یورپینز نے فائدہ اٹھایا اور پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ولندیزیوں کو کنارے لگا کر فرانسیسیوں کو بھی اپنے زیرِ نگیں کرلیا۔ یہ مناقشہ پرتگالیوں کا زور ٹوٹ جانے کے بعد انگریزوں، ولندیزیوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جاری رہا۔ اس کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں ہوا۔ فرانسیسی مرہٹوں کے حلیف ہوگئے۔ بعدازاں انگریزوں نے مرہٹوں سے بھی جنگ کی اور یوں جمنا کے اطراف فرانسیسیوں کے اقتدار کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ اور تمام اقوامِ ہندوستان بالخصوص یورپینز اور بالعموم دیسیوں اور ملکیوں کو بھی انگریزوں سے بہتر تعلقات رکھنے میں ہی راہِ نجات نظر آئی۔ انگریزوں کے اقتدار کا آغاز ۱۷۶۵ء سے ہوا کہ جب لارڈ کلائیو نے مغل بادشاہ سے رعایت حاصل کر کے بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی بنیاد رکھ دی[۱]۔

یورپینز اہلِ قلم کی ادبی خدمات سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک پھیلی ہوئی ہیں[۲]۔ ۱۷۶۵ء سے قبل فرانسیسی، ولندیزی، پرتگالی بحیثیت مستشرقین فعال نظر آئے۔ اور اس کی مثال مسٹر کورج کے جو، جان جوشوا کیٹلر، بینجمن شلزے وغیرہ ہیں۔ مذکورہ مستشرقین لغات میں لاطینی اور کیتھولک روایات کے امین کہے جاسکتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ولیم جونز ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بانی کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ ۱۸۰۰ء کے بعد فورٹ ولیم کالج کے مستشرقین میں جان گلکرسٹ نمایاں نظر آتا ہے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق[۳] مقدمہ بر تذکرہ گلشنِ ہند میں رقم طراز ہیں: ''ہندو اُردو کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باوا ہیں اور انگریز اس کے گاڈ فادر۔'' مولوی صاحب کی رائے سے اتفاق یا اختلاف سے قبل ڈاکٹر گستاؤلی بان فرانسیسی محقق کی ۱۸۶۲ء کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

ہم ذیل[۴] میں ان زبانوں کا اور ان کے بولنے والوں کی تعداد کا ایک تخمینہ درج کرتے ہیں:

---

۱۔ اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۳۰۔

۲۔ اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۳۰۔

۳۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو''، سال اشاعت ۱۹۸۱ء۔

۴۔ تمدنِ ہند از فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان (۱۸۶۲ء)، ترجمہ سید علی بلگرامی ۱۹۱۲ء، صہ ۳۴۳۔

# یورپی اہلِ قلم کی اَدبی خدمات

واسکوڈے گاما ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ (کلکتہ) کے ساحل پر پہنچا اور پرتگالیوں کے لئے ایک نئی دنیا کی دریافت کا باعث ہوا۔ ۱۵۴۰ء تک مدراس، بمبئی اور کلکتہ جیسی اہم بندرگاہوں پر ان کے قدم تیزی سے جمتے چلے گئے۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی تک پرتگالیوں کی اثر پذیری اس درجہ بڑھی کہ پرتگالی زبان ہندستان کی اکثر بندرگاہوں میں مشترک زبان کی حیثیت اختیار کرگئی۔ پرتگالیوں نے نہ صرف ہندوستان کی تجارت پر توجہ کی بلکہ عیسائی مشنریز کے ذریعے یہاں کی تہذیب وثقافت میں بھی دلچسپی لینا شروع کردی۔ جنوبی ہند کی زبانوں پر پرتگالی زبان کے خصوصی اثرات مرتب ہوئے۔ پرتگالیوں کے ہندوستانی اثر ونفوذ اوران کی منفعت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی دیگر اقوام بھی ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی اور ۱۶۰۲ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی۔ اس کے بعد فرانسیسیوں کی آمد شروع ہوئی۔ کالریٹ ۱۶۶۴ء میں سورت پہنچا۔ اور ۱۶۷۴ء میں پانڈیچری فرانسیسیوں کا شہر قرار پایا[۱]۔ فرانسیسیوں کا ہندوستان میں ہونا ۱۵۶۰ء سے ثابت ہے کہ ۱۵۶۰ء میں جان فلپ بوربن (John Philip Bour Bon) جو فرانس کے بادشاہ ہنری چہارم کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا انڈیا آیا اور یہیں کا ہوگیا۔ اس کے آنے کا بنیادی سبب اسکے ہاتھوں ایک سربرآوردہ شخصیت کا قتل تھا۔ وہ مدراس پہنچا جہاں اس کا ایک پادری دوست تھا۔ اس کے بعد وہ دہلی آیا اور اکبر اعظم سے ملا۔ اکبر نے اُسے ''نواب'' کا خطاب عطا کیا اور اس کی رہائش کا عمدہ انتظام کیا۔ اکبر نے اس کی بیوی کی بہن جولیانا سے شادی کی جو ایک لیڈی ڈاکٹر تھی اور اسے حرم کی خواتین کی صحت کا نگران بنادیا گیا۔ آئینِ اکبری کے مطابق حرم میں پانچ ہزار خواتین تھیں۔ اس خاندان کا انیسویں صدی میں بھوپال میں ہونا ثابت ہے[۲]۔

اکبرِ اعظم تا اورنگزیب عالمگیر ہندوستان میں یورپین اقوام کی آمد کا سلسلہ تجارت وتبلیغ کی ذیل میں بدستور جاری رہا۔ اورنگزیب کی زندگی میں ہی ۱۶۶۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو حکومتِ برطانیہ نے اختیار دے دیا تھا کہ وہ امن اور جنگ کے لئے غیر عیسائی لوگوں کے ساتھ ہر قسم کا رویہ رکھ سکتے ہیں[۳]۔

---

۱۔ اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اورتنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۹۶ تا ۱۹۹۔

۳۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۵۔

اورنگزیب کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کا احوال کسے معلوم نہیں کہ بادشاہت مذاق ہو کر رہ گئی تھی! جنوب کے علاقوں میں نوابین کی سرگرمیوں سے یورپینز نے فائدہ اٹھایا اور پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ولندیزیوں کو کنارے لگا کر فرانسیسیوں کو بھی اپنے زیرِ نگیں کرلیا۔ یہ مناقشہ پرتگالیوں کا زور ٹوٹ جانے کے بعد انگریزوں ،ولندیزیوں اور فرانسیسیوں کے درمیان جاری رہا۔ اس کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں ہوا۔ فرانسیسی مرہٹوں کے حلیف ہو گئے۔ بعدازاں انگریزوں نے مرہٹوں سے بھی جنگ کی اور یوں جمنا کے اطراف فرانسیسیوں کے اقتدار کا چراغ بھی گل ہو گیا۔ اور تمام اقوامِ ہندوستان بالخصوص یورپینز اور بالعموم دیسیوں اور ملکیوں کو بھی انگریزوں سے بہتر تعلقات رکھنے میں ہی راہِ نجات نظر آئی۔ انگریزوں کے اقتدار کا آغاز ۱۷۶۵ء سے ہوا کہ جب لارڈ کلائیو نے مغل بادشاہ سے رعایت حاصل کر کے بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی بنیاد رکھ دی[۱]۔

یورپینز اہلِ قلم کی ادبی خدمات سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی تک پھیلی ہوئی ہیں[۲]۔ ۱۷۶۵ء سے قبل فرانسیسی، ولندیزی، پرتگالی بحیثیت مستشرقین فعال نظر آئے۔ اور اس کی مثال مسٹر کورج کے جو، جان جوشوا کیٹلر، بینجمن شلزے وغیرہ ہیں۔ مذکورہ مستشرقینِ لغات میں لاطینی اور کیتھولک روایات کے امین کہے جاسکتے ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ولیم جونز ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بانی کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ ۱۸۰۰ء کے بعد فورٹ ولیم کالج کے مستشرقین میں جان گلکرسٹ نمایاں نظر آتا ہے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق[۳] مقدمہ بر تذکرۂ گلشنِ ہند میں رقم طراز ہیں: ''ہندو اُردو کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باوا ہیں اور انگریز اس کے گاڈ فادر۔'' مولوی صاحب کی رائے سے اتفاق یا اختلاف سے قبل ڈاکٹر گستاؤلی بان فرانسیسی محقق کی ۱۸۶۲ء کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

ہم ذیل[۴] میں ان زبانوں کا اور ان کے بولنے والوں کی تعداد کا ایک تخمینہ درج کرتے ہیں:

---

[۱] اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۳۰۔

[۲] اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۳۰۔

[۳] اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' ،سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء۔

[۴] تمدنِ ہند از فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان (۱۸۶۲ء)، ترجمہ سید علی بلگرامی ۱۹۱۲ء، صہ ۳۴۳۔

| زبان کا نام | بولنے والوں کی تعداد | زبان کا نام | بولنے والوں کی تعداد |
|---|---|---|---|
| ہندوستانی | آٹھ کروڑ پچیس لاکھ | گجراتی | پچانوے لاکھ |
| بنگالی | تین کروڑ نوے لاکھ | کنڑی | پچاس لاکھ |
| تلنگی | ایک کروڑ ستر لاکھ | اوریا | ستر لاکھ |
| مرہٹی | ایک کروڑ ستر لاکھ | مالیالم | پچاس لاکھ |
| پنجابی | ایک کروڑ ساٹھ لاکھ | سندھی | چالیس لاکھ |
| تامل | ایک کروڑ تیس لاکھ | ہندی | تیس لاکھ |

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا فرمان ڈاکٹر گستاؤلی بان کی نقل کردہ فہرستِ زبان سے بھی مستند نظر آتا ہے کہ تقریباً پچیس کروڑ کی آبادی میں سوا آٹھ کروڑ اُردو بولنے والے بلا رنگ و نسل پائے جاتے ہیں تو پھر انگریز ایسی زبان کو کس طرح نظر انداز کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پرتگالی، فرانسیسی، ولندیزی اپنی جگہ مگر انگریزوں نے اُردو کے لئے جو بنیادی کام کئے وہ یقیناً اُردو کے گاڈ فادر کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ گلکرسٹ کے بعد میجر ڈیوڈ تھامسن رچرڈسن سپرنٹینڈنٹ کمانڈنٹ نے[1] اُردو لغت لکھنا شروع کی۔ ٹیلر نے ہندوستانی انگریزی لغت شائع کرائی۔ ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے اسی لغت کو مقامی ادیبوں کی معاونت سے نظرِ ثانی کر کے چھپوایا۔ گلیڈ وِن نے ایک لغت فارسی اور ہندوستانی زبان کی دو جلدوں میں لکھی۔ جو کلکتہ سے ۱۸۰۹ء میں شائع ہوئی۔ جان شیکسپیئر کی لغت ٹیلر کی لغت سے ماخوذ ہے۔ فوربس کی لغت، پلیٹ کی لغت اور ڈاکٹر فیلن نے بھی اُردو کے کئی لغات مرتب کئے۔ بقول بابائے اُردو فیلن کی ہندوستانی انگریزی لغت سب سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ زبان نے بھی زیادہ تر فیلن کا تتبع کیا۔[2]

انگریزوں کے ان معیاری لغات کے سبب اہلِ زبان سائنٹیفک فہم سے آشنا ہوئے۔ اور یوں فورٹ ولیم کالج کے بعد اُردو نثر نے ایک نیا موڑ لیا اور اس موڑ کو تہذیب الاخلاق نے شاہراہ میں تبدیل کر دیا۔

---

[1] اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء۔

[2] اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء۔

فرانسیسیوں میں نمایاں ترین شخصیت گارساں دتاسی[1] کی ہے۔ اس کا ذکر بعد میں یوں کیا جا رہا ہے کہ گارساں نے جملہ کام فرانس میں بیٹھ کر فرانسیسی زبان میں کیا۔ حیرانگیز بات یہ ہے کہ اس نے شعراء کے تذکروں کی مدد سے تاریخِ ادب ہندوستانی ۱۸۳۹ء میں تالیف کی اور شاید ''خُم خانۂ جاوید'' کے بعد اتنے شعراء کا ذکر اُسی کی تاریخِ ادبِ ہندوستانی میں ملتا ہے۔ پھر یہ کہ اس کے خطبات و مقالات اُردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں پڑھ کر بھی حیرت ہوتی ہے کہ فرانس میں بیٹھ کر ایک شخص ہندوستان کی اُردو ثقافت سے کتنا جُڑا ہوا اور کتنا باخبر ہے۔ گارساں دتاسی کے بارے میں مزید جاننا ہو تو پروفیسر ثریا حسین کی کتاب ''گارساں دتاسی'' (ناشر: اتر پردیش اُردو اکادمی) دیکھی جا سکتی ہے۔ اور اس کی فضیلت پر مرحبا کہا جا سکتا ہے۔ اگلے ابواب میں گارساں سے اخذ کردہ معلومات بھی اس مقالے میں دی گئیں ہیں۔ اس سے بھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُردو کی ادبی تاریخ کے ضمن میں گارساں کتنا ناگزیر ہے۔

یورپینز نے ہندوستانیوں کے ساتھ شادیاں یا اس طرح کا اختلاط روا رکھا جس کے نتیجے میں اینگلو انڈینز کا ظہور ممکن ہو سکا۔ یورپینز اور اینگلو انڈینز نے ملکر اُردو ادب کی نئی تاریخ مرتب کی جسکو باضابطہ اور باقاعدہ رقم کرنے

---

[1] Garcin De Tassy, a professor of Paris Uviversity was a profound scholar of Urdu, a great critic and the foremost to publish a history of Urdu literature. His critiques and addresses on Urdu literature are a mine of useful information and his numerous publications gave wide publicity to Urdu literature in Europe. It is impossible to mention all names and achievements in all branches of Urdu literature. They have been poets, prose writers, critics, grammarians, lexicograhers, translators, journalists, pressmen and patrons of Urdu men-of-letters. Urdu literature owes a great debt of gratitude to them and their contribution which is in no measure small will ever shine resplendent.

[European & Indo-European poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena, page no. 297]

کا سہرا رام بابو سکسینہ[۱] کے سر جاتا ہے۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی میں یورپین شعرا کے ذیل میں چھ[۶] شعراء کا ذکر کیا گیا ہے، آرمینیا کے چار[۴] شعراء، انڈو برٹش ستائیس[۲۷] شعراء، پرتگالی بارہ[۱۲] شعراء، فرانسیسی تیرہ[۱۳]، انڈو جرمن تین[۳] شعراء، انڈو اٹالین تین[۳] شعراء، متفرق نو[۹] شعراء اور کل ملا کر ستتر[۷۷] شعراء کا ذکر سکسینہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

یورپینز نے اُردو ادب کے فروغ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اور ان میں سے بعض بجا طور پر مستشرقین کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ کرنل پامر، ولکنس کولبروک، سر ولیم جونز اور میکس مُلر وہ شخصیات ہیں کہ جنھوں نے انڈین ادب وثقافت کا خصوصی مطالعہ کیا۔ یورپینز کو ہم اُردو قواعد ولغات کا بانی بھی کہہ سکتے ہیں۔

ہر چند کہ یورپین شعراء کا کلام میرؔ، غالبؔ، مومنؔ، آتشؔ، ذوقؔ اور انیسؔ سے کمتر ہے لیکن مذکورہ شعراء کے علاوہ کسی بھی اہلِ زبان شاعر کے کلام سے فراسوؔ، ہیڈر لے آزادؔ، بینیسلے فناؔ، شورؔ، مطلوبؔ، فطرتؔ، گارڈنر فناؔ اور پرتگالی مفتوںؔ کا کلام موازنہ کیے جانے کے لائق ہے۔ یہ موازنہ اس اعتبار سے بھی دلچسپ ہے کہ یورپین شعراء کے ہاں زبان وبیان کے ساتھ ساتھ فنِ عروض پر بھی عبور نظر آتا ہے۔ نیز مشکل زمینوں میں یورپین شعراء کی طبع آزمائی شاہ نصیرؔ، مصحفیؔ، انشاؔ اور ناسخؔ کی یاد دلاتی ہے۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں یورپین شعراء باضابطہ طور پر منظرِ عام پر آنا شروع ہوئے۔ جبکہ آرمینین شعراء کی صورتِ حال استثنائی ہے۔ یورپین شعراء کے اہم ناموں میں حکیم مفتوںؔ، شہزاد مسیح، نواب ظفریاب خان صاحبؔ، بینیسلے فناؔ، گارڈنر فناؔ، الیگزینڈر ہیڈر لے آزادؔ، شورؔ میرٹھی، جان طوماسؔ، اسیرؔ اور فراسوکوئن وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ یورپین شعراء ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ریاستوں میں گوالیار، الور، بھرت پور اور بھوپال وغیرہ جبکہ دہلی، آگرہ، لکھنؤ، کلکتہ اور علیگڑھ میں بھی یورپیں شعراء کا ادبی پڑاؤ نظر آتا ہے۔ غالباً مذکورہ بکھراؤ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیار واقتدار کے بعد عمل میں آیا چونکہ ابتداً دیگر یورپین کمپنیاں بنگال اور جنوب میں مصروفِ عمل تھیں۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیگر یورپین کمپنیوں کو کنارے لگا دیا۔ نیز مغلیہ چراغِ اقتدار بھی گل ہو گیا اور یورپ کے دیگر صاحبانِ کمال مرہٹہ حکمرانوں کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں

---

[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

نے اپنے نام تک تبدیل کر لیے۔ راین ہارڈٹ، ڈائس سومبر میں تبدیل ہو گیا۔ یورپین اور اینگلو انڈین شعراء مرہٹہ سروس کے دوران تہنیتی قصائد لکھنے میں مصروف رہے۔ نیز شاعر کہلانے میں اس لئے بھی فخر محسوس کیا کہ وہ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے بچ سکیں۔ یہی احوال (جیسا کہ اگلے ابواب میں آپ پڑھیں گے) فرانسو گوٹن کا بھی تھا۔

مجموعی اعتبار سے یورپین اہلِ قلم کی ادبی خدمات کا جائزہ مختلف[1] محققین پیش کر چکے ہیں۔ ان جائزوں سے اُبھر کر واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ یورپی اہلِ قلم کی ادبی خدمات میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، تہذیبی اور تمدّنی منظرنامے کو بہت دخل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

---


[1] ۱۔ اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد

۲۔ خطباتِ گارساں دتاسی (جلد اول و دوم) از گارساں دتاسی

۳۔ مقالاتِ گارساں دتاسی از گارساں دتاسی

۴۔ اربابِ نثرِ اُردو از مولوی سید محمد صاحب

۵۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ

۶۔ تمدنِ ہند از ڈاکٹر گستاولی بان، ترجمہ سید علی بلگرامی

۷۔ تاریخِ ادبِ اُردو از رام بابو سکسینہ

۸۔ تاریخِ ادبِ اُردو از ڈاکٹر جمیل جالبی

۹۔ تاریخِ ادبِ اُردو از ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر سیدہ جعفر

۱۰۔ داستانِ تاریخِ اُردو از حامد حسن قادری

۱۱۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ از عبداللہ یوسف علی

۱۲۔ رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت اپریل ۱۹۸۱ء

۱۳۔ Anglo-Marhatta Relations by Sailendra Nath Sen calcutta 1961

# کوئن فرآسو کی سوانح

فرانسو گاٹلیب [1] کوئن فراسو ولد جان آگسٹائن گاٹلیب کوئن کی بنیادی وجہ شہرت شاعری ہے جبکہ نثر سے بھی اسے دلچسپی تھی۔ بالخصوص [2] قصہ نگاری اس کا میدان تھا۔ وہ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ فراسو کے والد کا تعلق جرمنی سے تھا جبکہ والدہ فرانسیسی تھیں۔ تذکرہ نویس فراسو کی زندگی سے متعلق خاطر خواہ معلومات فراہم نہیں کرتے۔ مختلف تذکروں میں فراسو کا ذکر حسب ذیل ہے:

۱) [3] فراسو نام بھی یہی ہے۔ نصاریٰ میں سے ایک صاحب تھے۔ یہ زینت النساء بیگم سمرو فرانسیس کے ہاں ذخیرے کے متعلق خدمات پر ملازم تھے۔ اپنا کلام خیراتی خاں دلسوز کو دکھاتے تھے۔ ان کا شعر ہے (اس شعر کو ان کے استاد کے نام سے بھی لکھا گیا ہے) ۔

ہے خواب میں دیکھا تو بہ ظاہر میں ملیں گے　　　قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

۲) [4] فراسو تخلص بہ اسم می کند۔ از طائفہ نصاریٰ است بہ سرکار زیب النساء بیگم زنِ سمرو فرانسیس بہ خدماتِ متعلقہ ذخیرہ اندوز کامرانی ماندہ سخن بر خیراتی خاں دلسوز عرض کردہ است ۔

ہے خواب میں دیکھا تو بہ ظاہر میں ملیں گے　　　قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

---

[1] نام کے حوالے سے: فرانسو کوئن، فرانزو، فرانکوئس گاٹلیب کوئن، فرانس کوہن، فراسو کوئن مختلف تذکرہ نویسوں اور مضامین نگاروں نے فراسو کے مذکورہ نام درج کیے ہیں۔ جبکہ وہ اپنی مختصر لغت کی کتاب ''مسرت افزا'' میں فرانسو کوئن نام اور تخلص فرانسو لکھتا ہے۔ جبکہ اکثر مقطعوں میں اس نے فراسو تخلص اختیار کیا ہے۔ وہ ننھیال کی طرف سے فرانسیسی تھا لہٰذا فرانسو فرانسیسی لہجہ لئے ہوئے ہے جبکہ فراسو زبان زدِ خاص و عام ہوا۔ (مؤلف)

[2] قصہ عشق افزا، سلسلہ نمبر ۵۰۸، قومی عجائب گھر پاکستان کراچی۔

[3] گلشنِ بے خار (اُردو ترجمہ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی، شمارہ دسمبر ۱۹۶۳ء، صہ ۲۰۸۔

[4] گلشنِ بے خار از نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ، مرتبہ کلب علی فائق مجلسِ ترقیٔ اُردو لاہور، طبعِ اول، اکتوبر ۱۹۷۳ء، صہ ۳۸۴، مرتب کلب علی فائق مذکورہ تذکرہ میں فراسو کے باب میں حاشیہ (صہ ۳۸۴) میں رقم طراز ہیں:

''شیفتہ نے سرور کے تتبع میں فراسو کو تخلص اور نام قرار دیا ہے۔ لیکن سرور نے پورا نام ''فراسو آ کدین'' لکھا ہے۔ قاسم نے تخلص ''صاحب'' لکھا ہے اور اسے شمرو فرنگی کا بیٹا قرار دیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۳) [۱] فراسو تخلص، فراسو صاحب، قوم انگریز، بیگم شمرو کا متبنیٰ، آزادانہ زیست کرتا تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔

ع قمری کے مانند وہ پہنے محبت کا طوق — باغ میں گر قد ترا سرو کو دکھلایئے

۴) [۲] فراسو (۹۸۰) کپتان فرانسو اکدین (FRANCOIS AKDIN) ابنِ کوست (کوستین [۳]، بے خزاں) گوبی نیٹ (GOBINET) فرانسیسی ہیں اور شعر اچھا کہتے ہیں (ذکا)۔ بیگم سمرو کے نوکر تھے۔ [۳] (گلشنِ بے خار)

---

(بقیہ حاشیہ)

خطاب مظفر الدولہ مختار الملک ظفریاب خاں بہادر نصرت جنگ بتایا ہے۔ سرور سے فراسو کی ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ مگر اس نے تفصیلی حالات نہیں لکھے۔ جس وقت سرور نے اپنے تذکرے میں فراسو کا حال لکھا وہ زندہ تھا۔ اور قاسم نے جب ''صاحب'' کا حال تذکرے میں درج کیا اس وقت وہ دنیا میں نہ تھا۔ فراسو نے ایک شعر میں اپنا نام خود بھی ظاہر کیا ہے۔

ع فراسو آہ کے شعلے تمہارے جب بھڑکتے ہیں — کہا کرتے ہیں شب کو لوگ یہ کیسا اجالا ہے

اب سرور کا بیان پڑھیئے:

''فراسو تخلص، فراسو آکدین صاحب فرنگی ست۔ جوانے خلیق و یار باش و متواضع بہ نظر رسیدہ۔ اشعار خوب می گوید۔ معلوم نیست کہ اصلاحِ شعر از کہ گرفتہ بہ تقریرے از راقم ملاقات شدہ بسیار و ہوشیار مفہوم گشت۔'' [تذکرۂ سرور، طبعِ اوّل، صہ ۴۵۷]

قاسم کہتے ہیں:

''صاحب تخلص، پسرِ شمرو فرنگی ست کہ از حضور والا بہ خطاب مستطاب 'مظفر الدولہ مختار الملک ظفریاب خاں بہادر نصرت جنگ' سرافراز بود۔ نظم و نسق سردھنہ وغیرہ چند پرگنہ آب روئے دریائے جمن ........ بہ وے تعلق درشت۔ اما چوں عیش دوست افتادہ بود، حل و عقد پرگنات بہ زوجۂ پدرش کہ عورتے است بس ہوشیار و بسیار پختہ کار تا الیوم وابستہ است۔ چندے طرح مشاعرہ بہ خانۂ خود انداختہ بود۔ در موسیقی و مصوری دستے داشتہ، نستعلیق ہم می نگاشت و شعر نیز می گفت، گویند بسیار صاحبِ سلیقہ بود۔ اما خیلے ستم گار مردم آزار، از چندے بہ دار القرار قرار گرفتہ۔'' [مجموعۂ نغز، جلد اوّل، صہ ۳۶۰]

(راقم کا خیال ہے کہ قاسم نے نواب ظفریاب خان صاحب کا ذکر کیا ہے مگر ترتیب کے فرق نے یہ صورت پیدا کر دی ہے۔)

[۱] تذکرۂ گلستانِ سخن (جلد دوّم) از مرزا قادر بخش صابر دہلوی، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، مجلسِ ترقیٔ اُردو، طبعِ اوّل، جون ۱۹۶۶ء۔

[۲] یادگارِ شعراء اشپرنگر۔ مترجم طفیل احمد، اتر پردیش، اُردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۵ء۔

[۳] فراسو کے باپ کا نام نہ گلستانِ بےخزاں میں ہے نہ گلشنِ بے خار میں۔

۵) [1] تخلص فراسو صاحب، قومِ انگریز متبنائے بیگم شمرو مقیم دہلی، شاگرد خیراتی خاں دلسوز۔

۶) [2] فراسو تخلص، نام ہے اوس کا فراسو۔ وہ نصاریٰ تھا۔ سرکار زیب النساء بیگم زوجہ شمرو فرانسیس کی میں اچھے عہدے پر مامور تھا۔ بالفعل میرٹھ میں عہدہ تحصیلداری پر موجود ہے۔ خیراتی خاں دلسوز سے اصلاح شعر کی لیتا تھا اور یہ شعر اوس کا ہی ہے۔

ہے خواب میں دیکھا تو بہ ظاہر میں ملیں گے — قسمت سے اگر خواب کی تعبیر اولٹ جائے

۷) [3] فراسو صاحب انگریز، شمرو بیگم کے متبنیٰ مقیم دہلی خیراتی خاں دلسوز کے شاگرد ہیں۔

۸) [4] صاحب تخلص پسر شمرو فرنگی است کہ از حضور والا بخطاب مستطاب مظفر الدولہ مختار الملک ظفر یاب۔

۹) [5] بعض تذکرہ نویسوں نے فراسو کو خیراتی خاں دلسوز کا شاگرد بتایا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے انہیں شاہ نصیر سے تلمذ تھا۔ چنانچہ شور میرٹھی نے اپنی مثنوی میں ''دہلی مرحوم'' کے بیان میں شاہ نصیر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں لکھا ہے۔

فراسو بھی شاگرد ان کے ہوئے — تھے قومِ فرنگی میں شاعر بڑے

فراسو کے والد کا نام آگسٹین کوئنس تھا۔ وہ جرمن تھے اور بیگم شمرو کے ہاں فوج میں ملازم تھے۔ ان کی اہلیہ ایک فرانسیسی خاتون تھیں۔ فراسو سردھنہ ہی میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام فرانسس گاڈلیو کوئنس تھا۔ اپنے وقت پر یہ بھی فوج میں ملازم ہوگئے اور بہت جلد ترقی کر کے کپتان کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ابتدا میں ان کی ماموری علیگڑھ میں قلعدار (شور میرٹھی) کی حیثیت سے ہوئی۔

فراسو کوئیں تھے جو عالی وقار — مرہٹہ کی جانب سے تھے قلعدار

---

[1] سخن الشعراء از عبدالغفور نساخ، اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۹ء، صہ ۳۶۰۔

[2] طبقاتِ شعرائے ہند تالیف کریم الدین مقدمہ محمود الہٰی، اتر پردیش، اُردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۳ء، صہ ۳۴۵۔

[3] تذکرۂ ارمغانِ گوکل پرشاد۔ شیخ نبی بخش پرنٹرز کانپور، صہ ۷۸۔

[4] سلسلۂ نشریات کلیۂ پنجاب، مجموعۂ نغز،

تذکرۂ شعرائے اُردو از حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم محمود شیرانی لیکچرر پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۳۳ء، صہ ۳۶۰۔

[5] جرمن نسل کا ایک اُردو شاعر از شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۷۳۔

(۱۰) [۱] فرسو یا فرنسو:

وہ گوست (August) یا گوستین (Augustine) کے بیٹے تھے۔ وہ یورپین تھے اور اُردو میں نازک اشعار کہتے تھے۔ فرسو بیگم سمرو ملکہ سردھنہ معروف بہ زینت بیگم یا زیب النساء کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ خیرت[الف] خاں دلسوز کے جو ایک مشہور شاعر تھے شاگرد تھے۔ وہ پہلے (؟) میں تھے بعد میں مہارت[ب] کے علاقے میں تحصیل دار ہو گئے۔ سرور[ج] نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

---

[۱] تاریخِ ادب ہندوستانی از گارستاں دتاسی ترجمہ وتنقید وحاشیہ ازلیلیان سکستن پوسٹ گریجویٹ آف سوربن یونیورسٹی و ادارۂ السنہ شرقیہ پیرس ۱۹۶۰ء (جلد دوم)۔ فرنسو پر لیلیان نے نمبر الف کر حاشیے میں اشپرنگر کا نام لکھ کر حوالہ نہیں دیا۔

(الف) خیراتی خاں دلسوز (ب) میرٹھ (ج) تذکرۂ عمدہ منتخبہ

لیلیان سکستین کے ترجمے وتنقید و حاشیہ تاریخِ ادبِ ہندوستانی از گارساں دتاسی کے بارے میں سب سے پہلے غالباً ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنی کتاب ''اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' میں تبصرہ کیا ہے۔ نیز مذکورہ ترجمہ زیورِ طبع سے تا حال آراستہ نہ ہو سکا۔ بعد ازاں بھی اس کی اشاعت کا امکان کم ہے۔ راقم نے لیلیان کا یہ کارنامہ ذخیرۂ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (ڈاکٹر محمد حسین لائبریری جامعہ کراچی) میں خود دیکھا ہے۔ پہلی جلد غائب ہے جبکہ دوسری جلد میں فراسو کا ذکر موجود ہے جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ راقم کے فرانسیسی سے نابلد ہونے کے باوجود لیلیان کے اُردو ترجمہ کو پڑھ کر یہ بات بآسانی کہی جا سکتی ہے کہ اگر لیلیان کے پیشِ نظر گارساں کی دیگر تصانیف بالخصوص خطبات اور مقالات بھی ہوتے تو یقیناً لیلیان کا مذکورہ کارنامہ انتہائی قابلِ قدر ہوتا۔ اس کے باوجود لیلیان کے ترجمہ سے گارساں پر اُردو تحقیق کا نیا در وا ضرور ہوا ہے۔ فراسو سے متعلق گارساں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''سردھنے کے چھوٹے سے دربار میں ایک تیسرا یورپین ہندوستانی شاعر بھی تھا۔ جو مزید برآں فرانسیسی تھا اور لوگ اسے فرانسو کہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ سردھنے کی بیگم کا ایک عہدیدار آگسٹ Auguste یا آگسٹین Augustine کا بیٹا تھا اس کی نظمیں بہت اچھی ہیں اور وہ بھی صاحب (ظفریاب خان) کی طرح دہلی کے مشہور شاعر دل سوز کا شاگرد تھا''۔

[خطباتِ گارساں دتاسی حصہ اول مع مقدمہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق، نظرِ ثانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ، شائع کردہ انجمن ترقی اُردو، سالِ اشاعت ۱۹۷۹ء، صہ ۱۳۵]

۱۱) [۱] "جان آگسٹین گاٹلیب کوئین کے ہاں ۱۷۷۷ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام فرانسو گاٹلیب کوین رکھا گیا۔ اس لڑکے نے بڑے ہوکر اپنے نام کے پہلے حصے کی مناسبت سے فرانسو تخلص اختیار کیا۔

۱۲) نام فرانکوئس گاٹلیب تھا۔ (Francois Gottlieb Koine Farasoo) ولد جان آگسٹائن گاٹلیب کوئن (John Augustine Gottlieb Koine) قوم الیمان (جرمن)، ۱۵/ جولائی ۱۸۶۱ء کو ہرچند پور ڈسٹرکٹ میرٹھ میں انتقال فرما گئے۔[۲]

۱۳) [۳] فرانسو دہلوی:

ولادت بمقام دہلی اندرون چاندی چوک کٹرہ بیگم ۱۵/ مارچ ۱۷۷۷ء، وفات جولائی ۱۸۶۱ء۔ نام فرانسو گاڈلیو یا گاڈلیپ ولد جان گاڈلیپ کوئیس یا آگسٹن کوئیس۔ آبائی وطن ولایت پولینڈ قوم فرنگ جارمن۔ آپ کے والد بیس سال کی عمر میں شاہ جہان آباد میں آکر آباد ہوگئے۔ یہیں شوالیر دختر لفیور سے شادی کی اس کے بطن سے فرانسو پیدا ہوئے۔ والد اور والدہ فرانسیسی تھے۔ شاہ جہان آباد سے سردھنہ میں بیگم شمرو (م-۱۸۳۶ء) کی ملازمت میں چلے گئے۔ ترقی کر کے کپتان کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۸۲۵ء میں وفات پائی۔ والد کی وفات کے بعد فرانسو بھی ملکہ کی ملازمت میں آگئے اور ملکہ کے درباری شعراء میں شمار ہوئے۔ شاعری میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ ملکہ کی وفات کے بعد فرانسو ہرچند پور میں مقیم ہوگئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں فرانسو کو بڑے مصائب جھیلنے پڑے۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ آگئے اور یہیں رہ کر جولائی ۱۸۶۱ء میں وفات پائی۔

۱۴) خود اپنی کتاب [۴] "مسرت افزا" کے دیباچے میں اپنے کو شاہ نصیر کا شاگرد لکھتے ہیں۔

---

[۱] ا۔ جرمن شاعر فرانسو کا قصۂ عشق افزا از ڈاکٹر محمد باقر، مطبوعہ ادبی دنیا، مئی ۱۹۵۰ء، صہ ۷۳۔

۲۔ اُردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں از ڈاکٹر محمد باقر، صہ ۹۸۔

[۲] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ صہ ۲۶۶

[۳] تذکرۂ تلامذۂ شاہ حاتم از عبدالرشید عصیم، صہ ۲۹۶۔

[۴] مسرت افزا (مختصر لغت) از فراسو کوئن کا حوالہ عبدالرشید عصیم صاحب نے یقیناً دیا ہے لیکن اس کی وضاحت نہیں ہوتی کہ آیا ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی سے استفادہ کرنے والوں میں انھیں شمار کیا جائے یا نہیں۔

چنانچہ ان کے ایک شعر سے بھی یہ بات عیاں ہے ۔

تجھ کو ہے شاید فرانسوؔ فیضِ اصلاحِ نصیؔر  شاعران شہر میں تو اہلِ دیواں ہوگیا

نمونہ کلام:

؎ یوں دل اپنا اے فرانسو گم ہوا
مرغ وحشی جیسے ہووے آشیانے سے جدا

؎ ہاتھوں نے نہ اک تار گریباں میں چھوڑا
پاؤں نے نہ اک خار بیاباں میں چھوڑا

؎ قاصد! یہ کہیو اس بتِ مغرور سے الگ
کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ

؎ کہوں میں دل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ!
خدا کسی کو دکھائے نہ اضطراب کے دن!

مسرت افزا کے دیباچے کی عبارت (اقتباس[۱]):

''باسم پاک اللہ تعالیٰ ......(مجروح)

حمد و سپاس حضرتِ رب العالمین خالق ارض وسما...... مجروح ...... برگزیدہ خدا و اشرف الانبیاء و راہ نمائے اولیاء واتقیاء و پارسا و برائے صواب رضائے سخن شنوا انصاف آشنا پوشیدہ و مستور نہ رہے۔ من بعد مصنف کتاب مسرت افزا عمز دا فرانسو کوین ولد جان کارلیو کوین قوم جارمن ولایت پولند تخت گاہ شاہ الیمان، مؤلف کتاب متولّد

---

[۱] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۶۹۔

شاہ جہاں آباد کٹڑہ بیگم اندرون چاندنی چوک، تولّد پانزدہم ماہ مارچ ۱۷۷۷عیسوی در حیات سلطنت شاہ عالم باد شاہ ہند بروز شنبہ کہ درعین عالم شروع شباب رغبت ومیل تمام کہ شوق بملاحظہ اشعار قدما بزبان دری واُردوئے معلّٰی از دواوین ریختہ مثل شاہ حاتم ومیرزا رفیع السوداو میر تقی میر وشاہ نصیر وانشاءاللہ خاں و مصحفی ومیر سوز وغیرہ کے ہوا۔ شاہ نصیرالدین کو استاد اس فن کا تعین کیا۔''

[۱] فراسو اپنے بارے میں کتاب مرأۃ حسن وعشق کے خاتمے میں رقم طراز ہے کہ

'' خاتمۂ کتاب مرآت حسن وعشق تصنیف وتالیف فرانسو کوین صاحب قوم فرنگ جارمن یعنی بزبان فرانسزی (کذا) الیمان، ساکن ولایت پولند، نام والد جان کا دلیپ کوین صاحب ولایت پولند سے بسن شانزدہ ہفتدہ سالہ ہندوستان میں وارد ہوکر دختر لفیور (؟) شوالیر صاحب قوم فرانسیسی اہلِ ولایت سے شادی کی، جو یہ مصنف کتاب فرانسو تخلص فرانسوکوین صاحب شہر شاہجہان آباد میں عہد سلطان شاہ عالم بصیر کے زمان میں پیدا ہوا۔ اور بیگم شمرو صاحب کے پاس نشو ونما پاکر تاسن شباب کے اب پہنچا۔ اور اس کتاب کو تصنیف و بہ شعرائے فارسی گویان شاعران ماضی وحال کے تالیف کر کے واسطے ملاحظہ صاحبان اس فن کے لکھا''۔

[دیوان فرانسو، قلمی ورق ۱۴۹-الف]

[۲]''ہیچمدان ناتوان فراسو کوئین ولد جان گاڈلیب کوئین قوم الیمان اگر چہ لیاقت واستعداد اس قدر نہیں رکھتا کہ آپ کو بزمرۂ اہلِ علم نظم ونثر جانے مگر باتفاق ہنگامِ ایّامِ بے دلی و پریشان حالی بعشقِ لیلیٰ وشی جورِ زمانہ بوقلمو سے چندے عالمِ تنہائی وگوشہ گیری میسر ہوا۔''

[مخطوطہ قصۂ عشق افزا، صہ ۱۱-ب]

---

[۱] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۲۶۔

[۲] سلسلہ نمبر ۵۰۸ قومی عجائب گھر پاکستان کراچی، فہرستِ مخطوطات از ڈاکٹر ظفر اقبال۔

فراسو کوئن کا اپنا بیان سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اس روشنی میں نام فرانسو گاٹلیب[1] کوئن فراسو ولد جان[2] آگسٹائن گاٹلیب کوئن۔ آبائی وطن پولینڈ قوم جرمن۔ جان آگسٹائن گاٹلیب کوئن ۲۰ ر برس[3] کی عمر میں دہلی میں آباد ہوا۔ اور یہیں ایک فرانسیسی لفیور کی بیٹی ......این سے شادی کی۔ جس کے بطن سے فرانسو ۱۵ ر مارچ سن ۱۷۷۷ء بمقام دہلی، کٹرہ بیگم اندرونِ چاندنی چوک پیدا ہوا۔ بچپن اور لڑکپن دلّی کے کوچوں میں گزرا اور شاید دلّی کی عموی طرزِ معاشرت کے ساتھ فطری مناسبت فراسو کو اپنے خالو نواب ظفریاب خان[4] کے زیرِ اثر لے آئی۔

---

[1] گاڈلیو، گاڈلیپ وغیرہ، دراصل جرمن اور فرانسیسی زبانوں کے لہجے کے امتیازات کی مختلف اشکال ہیں۔ لہٰذا مؤلف نے فرانسو گاٹلیب کوئن فراسو کو اُردو زبان میں زیادہ مرّوج پایا۔ جبکہ قصہ عشق افزا کے قلمی نسخے یا مختلف انتخابات میں درج مقطعوں میں فراسو ہی رقم ہوا۔

[2] فراسو کے والد کا نام بھی مذکورہ نمبر ا معاملات کے ذیل میں آتا ہے۔

[3] خاتمہ کتاب مرآۃ حسن وعشق میں فراسو نے اپنے والد کی عمر پولینڈ سے ہندوستان آمد کے وقت ۱۶ یا ۱۷ ر برس تحریر کی ہے۔ راقم کے خیال میں دہلی آمد کے وقت اس کی عمر ۲۰ ر برس کے لگ بھگ ہونی چاہیے۔ خاتمہ کتاب مرآۃِ حسن وعشق کا ذکر ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے کیا ہے۔ [اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۲۶]

[4] Zafaryab khan married a lady who is referred as Bahu Begum. He was survived by daughter Julia Anne who married Colonel George Dyce of which union the famous Dyce Sombre was born. Begum Sumru was very kind and generous to the daughter of Zafaryab khan. Though baptised a christian Zafaryab Khan was political to muslim beliefs as in one of his poems he invokes Ali.

انساں تو چیز کیا ہے نہیں پاتے قدسیاں    صاحب غلام حیدرِ کرّار کا دماغ

[یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۲]

نواب ظفریاب خان نے کپتان لوئس انتھونی لفیور (Captain Louis Anthony Lefevre) کی بیٹی سے شادی کی۔ لفیور گھڑ سواروں کی رجمنٹ کا کمانڈر تھا۔ ۱۸۱۸ء سے قبل اسے قتل کر دیا گیا۔ کپتان لفیور کی بیگم این کا انتقال ۱۸۱۸ء میں ۷۶ ر برس کی عمر میں ہوا۔ [یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ صہ ۸۷]

گارساں دتاسی نے مختلف تذکروں کے حوالوں سے ظفریاب خان کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے ملاحظہ ہو:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نواب ظفریاب خان صاحبؔ راین ہارڈٹ[1] کے بیٹے تھے۔

فراسو کے بارے میں بنگال پاسٹ اینڈ پریزینٹ کی سیریل نمبر ۸۰/شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۳۰ء میں ایڈیٹر کی نوٹ بک میں درج ذیل پیراگراف مرقوم ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

''انھیں تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی شاعروں میں یورپین عیسائی یا کم سے کم یورپین نسل کے لوگ بھی ہیں۔مثلاً فرنگی سومبر اور مشہور بیگم سمرو ملکہ سردھنہ المخاطب بہ زینت النسا کا بیٹا جس کا تخلص صاحبؔ اور خطاب ظفریاب ہے۔ یہ دلسوزؔ کا شاگرد تھا۔اس کی نظمیں موجود ہیں اور اچھی خاصی ہیں۔دھلی میں اس کے ہاں مشاعرے ہوتے تھے۔جن میں وہاں کے مشہور شاعر شریک ہوتے تھے۔منجملہ ان کے ایک شاعر سرور بھی تھا جس نے ان مشاعروں کا ذکر لکھا ہے۔کہتے ہیں کہ خوش خطی میں بھی اسے کمال حاصل تھا (اس فن کی مشرق میں بڑی قدر ہوتی ہے )۔نیز نقاشی اور موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا وہ عالمِ نوجوانی میں انتقال کر گیا۔''

[ خطباتِ گارساں دتاسی حصہ اول مع مقدمہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق ،نظرِ ثانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ،شائع کردہ انجمن ترقی اُردو،سالِ اشاعت ۱۹۷۹ء،صہ ۱۳۴ ]

[1] راین ہارڈٹ جو ۱۷۲۰ء میں زالسبرگ (جرمنی) میں پیدا ہوا تھا۔اور نوجوانی کے زمانہ ہی میں مہم جوئی کے شوق میں ایک فرانسیسی جہاز میں سوار ہو کر پانڈیچری چلا آیا تھا۔جو اس وقت فرانسیسیوں کے قبضہ میں تھا۔لیکن اس کی طبیعت میں جو بے کلی تھی اس نے اسے وہاں زیادہ نہیں ٹھہرنے دیا اور وہ وہاں سے فرار ہو کر جنوبی ہندوستان میں آ گیا اور اپنا نام سومرس رکھ کر فرانسیسی فوج میں شامل ہو گیا۔اس کا نام بعد میں کثرت استعمال سے سومرو ہو گیا۔یہ کچھ عرصہ کرناٹک میں رہا اور پھر بنگال میں چلا آیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔لیکن یہاں بھی اس کا دل نہیں لگا اور یہ چندر نگر چلا گیا،بعد میں سراج الدولہ کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔اس دوران میں بنگال میں تبدیلیاں آئیں۔جنگِ پلاسی میں انگریزوں کو فتح ہوئی اور ہندوستان کے حالات بدلتے رہے۔سومرو اس دوران ملازمتیں تبدیل کرتا رہا۔یہاں تک کہ یہ میر قاسم کی فوج میں شامل ہو گیا اور ۱۷۶۳ء میں جو انگریزوں کا قتل ہوا تو اس میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔جس کی وجہ سے انگریز اس کے جانی دشمن ہو گئے۔اس لئے جب انگریزوں نے میر قاسم پر حملہ کیا تو اس نے بھاگ کر اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے ہاں پناہ لی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

''جب وہ (میجر جنرل ٹی ڈبلیو ہالینڈ) ابھی میرٹھ سے پینتیس (۳۵) میل کے فاصلے پر تھا کہ راہ میں ایک گاؤں آیا جسے ''کھیکڑا'' کہا جاتا تھا اور وہاں اس کی ملاقات فرانز وصاحب سے ہوئی جو پہلے ہی دہلی سے پناہ کی تلاش میں آنے والی ایک پارٹی کا خیر مقدم کر کے انہیں میرٹھ کی طرف روانہ کر چکا تھا۔ اس کا میزبان جو انگریزی کے بجائے ترجیحاً ہندوستانی (اُردو) میں بات کرتا تھا۔ اس کا نام فرانسس کوہن (فراسوکوئن) تھا۔ جو ایک ہندوستانی عورت اور ایک مہم جو جرمن کا بیٹا تھا۔ وہ اٹھارہویں صدی میں ہندوستان آیا تھا اور مرہٹہ سروس سے وابستہ ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی پیروی کی اور اسی ملازمت میں آ گیا۔ اور ۱۸۰۶ء میں اس نے برطانوی حکومت سے پنشن حاصل کر لی اور اس کے بعد اس نے بیگم سمرو کی ملازمت اختیار کر لی اور کئی برس تک سردھنے میں رہا۔ ۱۸۳۶ء میں بیگم سمرو کے انتقال کے بعد وہ برطانوی حکومت کی ملازمت میں آ گیا اور ۱۶ برس ریونیو کلکٹر کی آسامی پر فائز رہا۔ جس وقت لیفٹیننٹ ہالینڈ وہاں پہنچا اس کی عمر پچاسی (۸۵) برس تھی اور وہ کئی ایک گاؤں کا مالک تھا اور اس کے دونواسے اس کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔''[۱]

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

بکسر کی جنگ ۱۷۶۳ء میں جب شجاع الدولہ اور میر قاسم کو شکست ہوئی تو صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سومرو کو انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ سومرو کو جب یہ خبر ملی تو وہ میر قاسم کے کیمپ کو لوٹتا ہوا روھیل کھنڈ چلا گیا اور حافظ رحمت خان کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس کے بعد اس نے ۱۳ سے ۱۴ ملازمتیں مختلف جگہوں پر کیں۔ آخر میں مغل منصب دار نجف خان کی ملازمت میں آ گیا جہاں یہ مرتے دم تک رہا۔ اس ملازمت کے دوران اسے سردھنہ کی جاگیر ملی۔ جہاں اس نے مستقل رہائش اختیار کر لی۔ سومرو نے ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے طور طریقے اور عادات کو اختیار کر لیا تھا۔ ہندوستانی امراء کی طرح وہ بھی حرم رکھتا تھا، اور اس کی کئی بیگمات تھیں۔ ان میں سے اس کی ایک بیگم جو مشہور ہوئی اور اس نے وفات کے بعد خاص شہرت حاصل کی وہ بیگم سومرو تھی۔ [بیگم سمرو، ص ۶۳-۶۴، شاہی محل از ڈاکٹر مبارک علی]

مشہور جرمن راین ہارڈٹ المعروف بہ ڈائس سمرو جرمن میر قاسم کے پاس تھا۔ جس نے کسی دیسی بیگم سے شادی کر کے بعد میں میرٹھ کے پاس (سردھنہ) جاگیر لے کر رہائش کر لی۔ اسی کے ہاتھوں انگریز اور آرمینی قتل ہوئے۔

[۱۸۵۷ء پہلی جنگِ آزادی واقعات وحقائق از میاں محمد شفیع سال اشاعت ۱۹۵۷ء، صہ ۵۰]

[۱] In the "Bengal Past and Present" serial no. 80, October to December 1930, in the editor's Note Book occurs the following passges, "When still about 35 miles from

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

فراسو کی والدہ کے بارے میں ابہام کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ چونکہ وہ خود خاتمۂ مراۃِ حسن و عشق میں اپنی والدہ کو فرانسیسی قرار دے چکا ہے۔ البتہ (G.W. Holland) کے مذکورہ بیان سے بات انتہائی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی اُس والدہ کا بیٹا تھا جس کی نسل یقیناً ابتدائی فرانسیسی طالع آزماؤں سے تعلق رکھتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ فراسو حیران کن حد تک اُردو، فارسی اور قدرے عربی کے صرف ونحو پر عبور رکھتا تھا۔ آگسٹائن (پدرِ فراسو) کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اٹھارہویں صدی میں ہندوستان وارد ہوا اور بنگال کے نتائج انگریزوں کے حق میں ہو جانے کے بعد اس نے مرہٹہ سروس اختیار کی۔ نیز اسی دوران اس کی ملاقات ڈائس سومبر (راین ہارڈٹ) سے ہوگئی چونکہ فرانسیسی مرہٹوں کے حلیف تھے اور مرہٹے انگریزوں کے حریف۔ اس لئے بہت کم اس بات کا امکان تھا کہ برطانوی ان فرانس زدہ جرمنوں پر اعتماد کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ راین ہارڈٹ کو شاہ عالم بادشاہ کا اعتماد نصیب ہوا اور اس نے مغل منصب دار نجف خان کی ملازمت اختیار کی۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے زیب النساء سے شادی کر لی جو بیگم سمرو کے نام سے مشہور ہوئی۔

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

Merrut he (Major-General T.W.Holland) came to a village which he calls Khekra and there found Franzoo Sahab who had already received a party of fugitives from Delhi and sent them up to Meerut. His post, who spoke Hindustani, in preference to English was name Francis Cohen, the son of an Indian woman and " some German Adventurer who came to india in the 18th century and was in the Marhatta service." He followed his father in the same service and received a pension from the British Government in 1806. He had then joined the Begum Sumru and spent many years at Sardhana. After the Begums death in 1836 he entered the British service and was a revenue collector for sixteen years. At the time of Lt. Holland's visit he was 85 years of age and was the owner of several villages. His two grandsons were with him.

[Page no. 265, European & Indo-European Poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena]

ڈائس سمرو کے انتقال (۱۷۷۸ء) کے تین سال بعد بیگم سمرو[1] نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

---

[1] شوہر کے مرنے کے بعد شاہ عالم ثانی، مغل بادشاہ نے اسے سردھنہ کی جاگیر دے دی اور ساتھ ہی میں اسے شوہر کی فوج بھی مل گئی۔ اس کو جو بریگیڈ ملی اس میں ۵ بٹالینیں تھیں اور ایک مغل گھڑسواروں کی رجمنٹ تھی اس کے پاس ۴۰ توپیں تھیں۔ فوج میں یورپی فوجیوں کی تعداد تین سو تھی۔ جن میں انگریز، فرانسیسی، جرمن، سوئس، پرتگیزی، آرمینین اور دوغلے شامل تھے۔ ابتدا میں اس کی فوج کا کمانڈر پاؤلی تھا۔ لیکن جلد ہی یہ آپس کے جھگڑوں میں مارا گیا۔ اس کی فوج کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی کرایہ کا سپاہی ہندوستان میں آتا تھا تو فوراً ہی اسے بیگم سمرو کی فوج میں ملازمت مل جایا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ دوسری جگہوں پر جایا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی فوج میں مشہور کرایہ کے فوجی شامل رہے جن میں جارج ٹامس، میجر یارور، میجر آگسٹائن برنیر، کرنل لوئی بورژیں، ڈورینس ایوانس اور کرنل سالیر وغیرہ۔ بیگم سمرو کی فوج کے ان یورپی افسروں کی اکثریت جاہل، اَن پڑھ اور غیر مہذب لوگوں کی تھی، ان میں ڈسپلن کی کمی تھی اور آپس میں رقابت، لڑائی جھگڑے اور سازشیں عام تھیں، اس لئے جب بیگم سمرو نے ایک فرانسیسی افسر میجر لوواسول سے شادی کر لی تو اس کو اکثریت نے پسند نہیں کیا۔ کیونکہ واسول میں تکبر اور غرور تھا۔ شادی کے بعد اس نے دوسرے یورپی افسروں کے ساتھ برا سلوک کیا اور انہیں کھانے کی میز پر شریک کرنے سے انکار کر دیا، جس کو انہیں نے اپنی توہین سمجھا اور اس کے نتیجہ میں انھوں نے دونوں کے خلاف ایک سازش تیار کی کہ اسے معزول کر کے اس کے سوتیلے لڑکے کو جو نواب ظفریاب کے نام سے مشہور تھا، اس کا جانشین بنایا جائے اس پر بیگم سمرو اور اس کے شوہر نے بھاگ کر کمپنی کے علاقہ میں پناہ لینی چاہی اس کی اطلاع فوج کو ہوگئی اور انھوں نے فوراً ظفریاب کو دہلی سے بلایا تا کہ وہ سردھنہ کی جاگیر سنبھالے۔ جب بیگم سمرو اور اس کے شوہر بھاگے تو ان کا تعاقب کیا گیا، اس پر دونوں نے یہ عہد کیا کہ اگر وہ باغیوں کے ہاتھوں پکڑ لیے گئے تو خودکشی کر لیں گے۔ اتفاق سے دونوں پکڑ لیے گئے تو بیگم سمرو نے اپنے سینے میں خنجر مارا مگر زخم گہرا نہیں ہوا مگر جب اس کے شوہر کو یہ خبر ملی کہ بیگم سمرو نے خودکشی کر لی ہے تو اس نے پستول سے خود کو ہلاک کر ڈالا اگرچہ وہ بھاگ کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔ باغیوں نے اس کی لاش کی بے حرمتی کی اور اسے بغیر دفن کیے وہیں چھوڑ دیا۔

بیگم سمرو جو معمولی زخمی ہوئی تھی سردھنہ لے جایا گیا جہاں اسے سات دن تک توپ سے باندھے رکھا اور اس کا کھانا پینا بند کر دیا، سوائے اس کے کہ اس کی خادمائیں چپکے سے اسے کچھ کھانے کو دے دیا کرتی تھیں۔ اس کا سوتیلا لڑکا ظفریاب جو بری عادتوں میں مبتلا تھا، اپنے کردار کی وجہ سے جلد ہی بدنام ہو گیا، اس وجہ سے کچھ لوگوں نے اس کی مدد کی اور فوجیوں سے کہا کہ اگر بیگم قید میں مرگئی تو مغل بادشاہ جاگیر ضبط کر لے گا اور تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی اس پر اسے قید سے چھوڑ دیا گیا اور اس کے اور تمیں فوجیوں کے درمیان ایک عہد نامہ تیار ہوا۔ اور یہ عہد کیا گیا کہ وہ بیگم کے وفادار رہیں گے۔ اس پر انھوں نے اپنی مہریں ثبت کیں (ان تمیں میں سے صرف ایک افسر دستخط کر سکتا تھا) یہ معاہدہ ایک مسلمان منشی نے لکھا تھا، چونکہ وہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں لکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے لکھا کہ ''خدا اور اعلیٰ حضرت عیسیٰ رض کے نام سے''۔

اس بغاوت کے بعد بیگم نے اپنی فوج کی تعداد بڑھائی اور ہندوستان میں جو سیاسی تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان میں اس نے اپنی حیثیت کو برقرار رکھا۔ ۱۷۸۸ء میں اس نے نجف خان کی بغاوت کے خلاف شاہ عالم ثانی کا ساتھ دیا اور اسے شکست سے بچایا اس نے غلام قادر روھیلہ کی بغاوت کے دوران بھی شاہ عالم کی مدد کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

فراسو کی برطانوی ملازمت سے متعلق G.W.Holland کا بیان بعید از قیاس اس لئے بھی ہے کہ

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اگر چہ اس نے اپنی فوج کو تو بچا لیا، مگر مغل بادشاہ کو ذلت سے نہیں بچا سکی، اس نے مرہٹوں مغلوں اور انگریزوں کے درمیان اقتدار کی کش مکش میں خود کو اس طاقت کے ساتھ رکھا کہ جس سے اسے تحفظ کی امید تھی۔ اسی لئے جب اس نے مغلوں اور مرہٹوں کی شکست کے آثار دیکھے تو فوری طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت کر لی۔ ۱۸۰۳ء میں جب انگریز کمانڈر لیک اور مرہٹوں میں آخری فیصلہ کن مقابلہ ہوا۔ تو اس نے لیک سے مصالحت کی گفتگو کی اور جنرل سے ملنے کے لئے گئی جب یہ اس کے خیمہ میں پہنچی تو جنرل اس وقت شراب کے نشہ میں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بیگم کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اس کا بوسہ لیا، اس پر بیگم نے حاضر جوابی کا ثبوت دیتے ہوئے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''ایک پادری اپنی بیٹی کا استقبال اس طرح سے کرتا ہے''۔

انگریزوں سے مصالحت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی جاگیر اسے زندگی بھر کے لئے دے دی گئی۔ جاگیر دار کی حیثیت سے اس کا رویہ کسانوں اور ملازموں کے ساتھ مطلق العنانیت کا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخری عہد مغلیہ میں جاگیر دار اپنی رعیت پر مکمل قادر تھا اور جو سزا دہ چاہتا تھا بغیر کسی قانون اور عدالت کے انہیں دیتا تھا۔ بیگم سمرو کا دستور تھا کہ وہ حکم عدولی کرنے والوں کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتی تھی۔ اس کا ایک مشہور واقعہ ہے جس میں اس نے دو کنیزوں کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی غیر موجودگی میں محل کو آگ لگا کر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ بھاگ گئی تھیں۔ بعد میں ان کو آگرہ سے گرفتار کر کے لایا گیا اور سزا کے طور پر پہلے اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ بے ہوش ہو گئیں اس کے بعد انہیں زندہ دفن کر دیا گیا۔ اور بیگم ان کی قبر پر اپنا خیمہ لگا کر صبح ہونے تک وہاں رہی تا کہ انہیں کوئی بچا نہ سکے۔

اپنی جاگیر کے کسانوں کے ساتھ اس کا رویہ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ تھا۔ وہ ان کے پاس صرف اس قدر رہنے دیتی تھی کہ جو ان کی ضروریات کو پورا کرے۔ باقی جو بچتا وہ ٹیکس کی صورت میں ان سے لے لیتی تھی چونکہ اس کی فوج زیادہ تھی اور اس کے اخراجات آمدن سے زیادہ تھے اس لئے اس کمی کو کسانوں کی آمدن سے پورا کیا جاتا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں اس کے مرنے کے بعد آگرہ ریونیو بورڈ کے ایک افسر نے اس کی جاگیر کے حالات کی تحقیق کی اور رپورٹ میں لکھا کہ وہ کسانوں سے ٹیکس کے ذریعہ جو وصول کرتی تھی وہ برطانوی علاقوں سے کہیں زیادہ تھا۔ یہ کسانوں سے فوجوں کی موجودگی میں کاشت کراتی تھی کیونکہ کسانوں کو آمدنی نہ ہونے کی صورت میں کاشت کاری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اپنی جوانی کے زمانے میں اس نے ہندوستان کے طور طریق اختیار کر رکھے تھے اور کبھی بغیر نقاب کے باہر نہیں آتی تھی۔ احکامات پردے کے پیچھے بیٹھ کر دیتی تھی۔ صرف یورپی آفیسروں کے ساتھ کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھتی تھی۔ انگریزی عمل داروں میں آنے کے بعد اس نے اپنی عادتیں یورپی اختیار کر لی تھیں، ہاتھی گھوڑے یا گاڑی پر سواری کرتی تھی۔ وہ یورپی افسروں کی دعوت کرنے کی شوقین تھی، گورنر جنرل، کمانڈر انچیف اور دوسرے یورپی افسروں کی شاندار دعوتیں کیا کرتی تھی، ان دعوتوں میں مقامی لوگوں کو شریک نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف ملازم عورتیں ہوتی تھیں۔ وہ خود اس موقع پر بغیر نقاب کے آتی اور مشرقی لباس پہنے ہوئے ہوتی تھی۔ دعوت میں فرانس اور اسپین کی بہترین شرابیں مہمانوں کو پیش کی جاتی تھیں اس موقع پر موسیقی کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ ۱۸۳۱ء میں اسے فرانسیسی سیاح پاک مون نے دیکھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مرہٹہ سرداروں اور مغلوں کی وفاداریاں برطانوی آقاؤں کے لئے کس طرح قابلِ قبول ہوسکتی تھیں جبکہ غدر کے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اس کے بارے میں لکھتا ہوا وہ کہتا ہے کہ اس وقت اس کی عمر تقریباً سو برس کی ہوگی اس کی کمر اتنی جھک گئی ہے کہ وہ کمان کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر اسقدر جھریاں ہیں کہ جیسے کشمش پر ہوتی ہیں۔ اور وہ بالکل مصری ممی کی طرح لگتی ہے۔ لیکن اس وقت بھی وہ اپنے معاملات کی خود جانچ پڑتال کرتی ہے اور ۲ یا ۳ سیکریٹریوں کو بیک وقت احکامات دیتی ہے۔

[شاہی محل از ڈاکٹر مبارک علی، بعنوان بیگم سمرو، صہ ۶۵ تا ۶۹]

شمرو کی بیگم: یہ بیگم میرٹھ ضلع کے ایک مسلمان کی لڑکی تھیں جو ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئی تھیں۔ بیگم نے ایک سیاح والٹر رین ہارڈٹ (Reinhardt) سے شادی کر لی تھی۔ جو شمرو کے نام سے مشہور تھا۔ شمرو صاحب نے جو فوج کھڑی کی تھی اسے ۱۷۷۸ء میں انھوں نے بادشاہ دہلی کی خدمت میں پیش کردی اور خود میرٹھ کے قریب سردھنے میں رہنے لگے۔ اسی سال شمرو صاحب نے آگرے میں انتقال کیا جن کی قبر وہاں اب تک موجود ہے اور بیگم صاحب ان کی جگہ اسٹیٹ کی مالک بنیں۔ ۱۷۸۱ء میں بیگم صاحب نے رومن کیتھولک فرقۂ عیسائیان کا مذہب قبول کیا۔ ان کی فوج کے سردار یورپین تھے اور ۱۷۸۷ء تا ۱۷۹۲ء میں جارج طامس ان کی ملازمت میں تھے۔ ۱۷۹۳ء میں بیگم صاحب نے پوشیدہ طور پر اپنے ایک عہدہ دار لی ویسو یا ویسولٹ (Le Vaiseau or Vaisoult) سے شادی کر لی۔ یہ بڑا اتنذ خواور سخت گیر تھا۔ جس کے طرزِ عمل سے بلوہ ہوگیا۔ لی ویسو جان بچا کر بیگم کو لے کر بھاگا لیکن دونوں گرفتار ہوگئے بیگم نے خنجر بھونک لیا اور ان کے شوہر نے سمجھا کہ ان کا خاتمہ ہوگیا ہے تو اس نے گولی مار کر اپنے سر کو پاش پاش کر دیا۔ بیگم کا زخم کاری نہ تھا وہ بچ گئیں۔ ان کو گرفتار کر کے نہ صرف معزول کیا بلکہ کئی دن تک توپ کے ساتھ ان کو باندھ رکھا۔ طامس صاحب جن سے غدر میں یہ لڑنے تیاریاں کر رہی تھیں انھوں ہی نے بیگم کی جان بچائی اور پھر ان کو اپنے مرتبہ سابق پر قائم کرا دیا۔ ۱۸۰۳ء میں ان کی فوج نے اسائی مقام پر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن سیندھیا کی بربادی کے ساتھ انھوں کے بھی اطاعت قبول کر لی۔ بیگم صاحب نے ۸۰/ سال کی عمر میں ۴/ شوال ۱۸۳۶ء (بمطابق ۱۲۵۶ھ) کو انتقال کیا۔ جن کی ایک عمدہ یادگار سردھنے کا بے نظیر گرجا ہے جس میں وہ مدفون ہیں۔ بشپ ہیبر بیگم صاحب سے ۱۸۲۵ء میں ملے تھے وہ لکھتے ہیں کہ ''ایک بہت چھوٹی سی عجیب وضع قطع کی بڑھیا عورت تھی جس کی چمک دار آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ با ایں ہمہ حسن جمال کی جھلک اب بھی شکل وشمائل میں موجود تھی''۔ یہ ایک بڑے حوصلے اور جرأت اور ہمت کی عورت تھی اور کئی بار اس نے بہ نفسِ نفیس فوج کی سرکردگی کی ہے۔ اس کی خیرات ومیراث کی طول طویل فہرست سے اس کی دین داری کا ثبوت ملتا ہے لیکن مزاج آگ بگولا تھا ایک مرتبہ دو باندیوں کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بے ہوش ہوگئیں اور اسی حالت میں ان کو زندہ گڑوا دیا۔ بیگم صاحب کے مرنے کے بعد جاگیرات ضبط ہو کر کمپنی بہادر کے قبضے میں آگئیں اور متروکہ واثاث البیت جو تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کی مالیت کا تھا وہ ان کی وصیت کے بموجب بیگم صاحب کی آغوشی لڑکی کے شوہر کو دیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دوران انگریزوں کی جان بچانے کے صلے میں فراسو کے حقیقی نواسے شور میرٹھی کی ملازمت ممکن ہو سکی تھی یا یہ کہ انعام واکرام کی راہ نکل سکی تھی۔

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

تاریخ وفات

| | |
|---|---|
| شمرو بیگم عفیفۂ نیک سرشت | جنت بگزید کرد آں جا منزل |
| آمد ز سماندا بگوشم ناگاہ | تاریخ وفات اوست داغے بر دل |

۱۲۵۱ھ

[واقعاتِ دارالحکومت دہلی (حصہ دوم) مصنف بشیر الدین احمد، اُردو اکادمی دہلی، سنِ اشاعت فروری ۱۹۹۰ء، صہ ۲۰۹-۲۱۰]

بیگم سمرو: بیگم سمرو اینگلو انڈین نہیں تھیں۔اور نہ ہی ان کا تذکرہ شاعر کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن وہ ان شعراء کی سرپرست تھیں جو ان کے دربار سے وابستہ تھے اور جن کی ان (بیگم سمرو) کے انعام واکرام سے حوصلہ افزائی ہوا کرتی تھی۔ عظیم ہند یورپی شاعر فراسو بھی ان ہی کے دربار سے وابستہ تھا۔اور جس پر وہ نہایت فراخ دلی سے انعام واکرام کی بارش کیا کرتی تھیں۔فراسو کئی اُردو دواوین کا مصنف اور نثر نگار تھا اور جسے دہلی کے مشاعروں میں ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی۔۔ اس کا تعلق بھی بیگم سمرو کے دربار سے تھا۔جان تھامس (جان) لوئیس لیز دیوتو قیر، فراسو اور کئی دوسرے شعراء دہلی ہی میں پھلے پھولے۔بیگم سمرو نہ صرف شعراء اور اہلِ ادب کی سرپرست تھیں بلکہ خود بھی اُردو اور فارسی میں خاصی درک رکھتی تھیں۔جس کی ان کے عہد کے کئی ادباء نے تصدیق بھی کی ہے۔ان کے نامور جنرل تھامس ان کے بارے میں ۱۷۹۶ء میں بیان کرتے ہیں:

''بیگم سمرو کی عمر تقریباً ۴۵ر برس ہے۔وہ اپنی قد و قامت میں مختصر لیکن مائل بہ فربہی ہیں۔ان کی رنگت صاف، آنکھیں سیاہ، کشادہ اور زندگی سے معمور ہیں۔ان کا ملبوس پورے طور ہندوستانی ہوتا ہے لیکن اسے نہایت گراں قیمت پارچہ جات سے تیار کیا جاتا ہے۔بیگم سمرو روانی سے فارسی اور ہندوستانی زبانیں بولتی ہیں اور ان کی گفتگو متاثر کن، ذہانت آمیز اور پر جوش ہوتی ہے''۔ بریجند راناتھ نے اپنی تحریر ''بیگم سمرو کی زندگی'' میں ان کی فارسی اور اُردو زبان میں ان کی مہارت کے حوالے سے کئی ادیبوں کی گواہیاں نقل کی ہیں۔فراسو نے بہت بڑی تعداد میں فارسی قصائد تحریر کر کے مختلف تہواروں اور دیگر اہم مواقع پر بیگم سمرو کو نذر کیے اور انہیں فارسی میں کئی ایک منظوم مکتوب لکھے جن کا مقصد ان کی حمایت حاصل کرنا یا کچھ امداد یا انعام کی درخواست کرنا تھا۔

[یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۵۸]

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

A 15-year old Muslim girl captivated a dashing French commander and accompanied him on all succeddding to his wealth and position. She beca me a catholic at the height of her power, fought troops, and erected monuments to ensure she was nto forgotten.

Twenty two kilometers north-west of Meerut lies SARDHANA, with a ramantic ahnd historically significant part. SARDHANA is as famous ıor its beautiful chruch-basilica as ti is for Begum Sumru. In the late 18th century, the German-Frendh adventurer, Walter Reinhardt, who later acquired the name, Sombre, came to India and soon became popular as Sumru.

They married according to all the ceremonies considered necessary by MUSLIMS, but were not blessed with any children. Reinhardt now found permanant employment in the service of the Emperor. It was while holding the post of Civil and Military Governor of Agra that he died in 1778. Reinhardt, or Sumru, had a son from his first wife, renamed Zafar Khan. As Zafar was mirror at the time of his father's death, Emperor Shah Alam II nominated the Begum as Sumru's Successor, initiating the long and colourful reign of Begam Sumru.

Three years after her husband's death, the begäm was received into the catholic church, at Agra, from Bombay. She took the name of Joanna and embraced the catholic faith at the zenith of her power.

In 1793 she remarried Frenchman, Le Vaisseau. But this marriage proved unpopular. Beside rejected lover was inciting the Begam's battalion, which was on duty in Dehli with the Emperor, under Zafar Khan. The resulting unrest led to her and Le Vasseau's capture. Fearing arrest, Le Vaisseau shooting himself. The begam was captured and ill-treated by her captors. Finally, George Thomas succeeded in having her released.

[TEXT BY RAJEN MAKHARIA, SEITE 1, VOL 3,
http:\\www.jetairways.com\jetwings_des_02\travel\link.htm]

جارج تھامس (طوماس دہلوی) نے بیگم سمرو کا سراپا بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"The Begam as small and plump; her complexion fair, her eyes large and animated. She wore the Hindustani costume, made of the most costly materials. She spoke Persian and Urdu fluently, and attended personally to business, giving audience to her native employee behind a screen.

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

At darbars she appeared veiled; but in European society she took her place at table, waited on exclusively by maid-servants. Her statue, surmounting a group in lini, stands over her tomb in the church at sardhana."

[The FALL OF THE MUGHAL EMPIRE OF HINDUSTAN-CHAPTER-II BY H.G. KEENE]

ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے اپنے مضمون ''اینگلوانڈین ادب کا پس منظر'' میں مسز جی اے بیل () کے ناول ڈی کارنر کے حوالے سے بیگم سمرو کے بارے میں بیل کا بیان تحریر کیا ہے۔ نیز فراسو کے حوالے سے ایک سطر پائی جاتی ہے۔ ''اُردو ادب میں جرمن شاعر فراسو کے ضمن میں بیگم شمرو کا ذکر ملتا ہے۔''

[نشانات (تنقیدی مضامین) از ڈاکٹر محمد علی صدیقی، سال اشاعت مارچ ۱۹۸۱ء، صہ ۵۳]

میرٹھ سے ۲۲ کلومیٹر شمال مغرب میں سردھنہ واقع ہے۔ سردھنہ کا ماضی رومان اور تاریخی واقعات سے معمور ہے۔ سردھنہ کی شہرت میں خوبصورت کلیسا 'بیسیلیکا' (BASILICA) کو دخل ہے کہ جو بیگم سمرو کے ذوقِ تعمیر کا آئینہ دار ہے۔ انگریزوں کے ساتھ ۱۸۰۵ء میں بیگم سمرو نے باضابطہ معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی رو سے سردھنہ جاگیر میں ۹۵۵ رگاؤں اور شہر شامل تھے۔ ۱۸۳۶ء کے دستیاب سردھنہ کے نقشے سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ مذکورہ سن میں سردھنہ کی آبادی سات لاکھ پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ نقشہ چونکہ ویب سائٹ سے حاصل کردہ ہے اور اس نقشے کی صراحت جرمن زبان میں کی گئی ہے لہٰذا راقم نے ترجمے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے گوئٹے انسٹیٹیوٹ کے جرمن لینگویج ٹیچر شمیم منظر سے رجوع کیا۔ مذکورہ جرمن تحریر کا ترجمہ شمیم منظر کا کیا ہوا ہے۔ راقم ان کا ممنون ہے۔ ترجمہ:

''مختلف معاہدوں کے مطابق بیگم سمرو کی جاگیر مشرق میں جمنا کے کنارے پر گنے، سردھنہ، بڈھانہ، کوٹانہ، برناوا، برانت، جیوار، ٹوپ دال، ڈنکانر اور پہاسر سے لیکر مغرب میں جمنا کے کنارے سے باجاپور، ہاسی اور رنایہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا رقبہ تقریباً دو ہزار پانچسو اسکوائر کلومیٹر تھا۔ اس میں ۹۹۵ رچھوٹے بڑے گاؤں اور شہر پائے جاتے تھے۔ اس وقت سردھنہ کی آبادی تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس جغرافیائی حدود میں سردھنہ انگریزوں کے لئے ۱۸۳۶ء تک بچاؤ کی ریاست بنی رہی۔''

(Picture: Map of the principality of Sardhana,

Source: Shreeve, Nicholas G. Dark Legacy)

نقشہ ملاحظہ ہو:

# Map
# of the
# Principality of Sardhana

Picture: Map of the Principality of Sardhana
Source: Shreeve, Nicholas G.: Dark Legacy

Extract of: Noti, Severin J.: Das Fürstentum Sardhana, S. 102:
"Laut den Verträgen umfaßte ihr [Begum Sombre] Gebiet auf dem östlichen Dschamnaufer die Parganahs (Bezirke) Sardhana, Budhana, Kotana, Barnawa, Barant, Dschewar, Topval, Dankaner und Pahasa; auf dem westlichen Dschamnaufer die Parghanas Badschapur, Hausi und Ranya, zusammen ein Gebiet von ungefähr 2500 qkm mit 955 Weilern, Dörfern und Städten und einer Bevölkerung von etwa 750000 Seelen. In dieser geographischen Abgrenzung bestand Sardhana als eine Art Schutzstaat der Engländer bis zum Jahre 1836."

Map of India
Back to Homepage

اگر G.W.Holland کا بیان مان لیا جائے تو صاحبانِ عالیشان اسے ہر چند پور میں گوشہ گیری کی زندگی کسی طور بسر نہیں کرنے دیتے۔[1]

فراسو کی ننھیال فرانسیسی جبکہ ددھیال جرمن تھی۔ مختلف شواہد کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ فراسو کی ننھیال کئی نسلوں سے ہندوستان میں آباد تھی جبکہ فراسو کی ددھیال اٹھارہویں صدی میں ہندوستان وارد ہوئی تھی۔ رائن ہارڈٹ بھی جرمن سے ڈائس سمرو فرانسیسی چولا بدل چکا تھا۔ اس صورتحال میں جان آگسٹائن کا خاندان بھی جرمن کم فرانسیسی زیادہ ہو چکا تھا۔ اس بات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ فراسو کی ننھیال عرصہ دراز سے سردھنہ میں مقیم تھی۔ فراسو کے خالو ظفریاب خان کی شادی فراسو کی خالہ جولیانا این عرف ''بہو بیگم'' سے سردھنہ میں ہی ہوئی تھی۔ جبکہ فراسو کی اس خالہ کا انتقال ۴۵ برس کی عمر میں ۱۸۱۵ء میں ہوا۔ جبکہ اس کے خالو ظفریاب خان کا انتقال ۱۸۰۳ء میں ہو گیا تھا۔ جی ڈبلیو ہالینڈ (G.W.Holland) کے بیان کے مطابق فراسو اس وقت ۸۵ برس کا تھا اور کسی اور زبان سے زیادہ اُردو بولنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس بات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ فراسو کی ننھیال کئی نسلوں سے ہندوستان میں آباد تھی۔ یقیناً اس کی ماں بھی اُردو روانی سے بول سکتی ہوگی۔ ''کٹڑہ بیگم اندرونِ چاندنی چوک'' میں رہنا بھی مذکورہ بات کی دلیل ہے کہ دہلی کے اسی علاقے کے حوالے سے میر امن نے فخریہ کہا تھا کہ ''میں نے چاندنی[2] چوک کی زبان لکھی ہے۔''

---

[1] ۱۸۰۳ء میں سیندھیا سے جو لڑائی ہوئی وہ لارڈ ولزلی کے ایما سے ہوئی تھی تا کہ فرانسیسیوں کے جنرل ایم پرون (M. Perron) نے جو دریائے جمنا کے کنارے ایک اسٹیٹ قائم کیا تھا اس کا قلع قمع ہو۔ ایم پرون ایک فرانسیسی سیاح تھا۔ جو بڑے مشہور ڈی بوئن (De Bolgne) کی جگہ سیندھیا کی باقاعدہ فوج میں مقرر ہوا تھا۔ اس نے ملک دوآبہ پر قبضہ کر کے اپنا مستقر علی گڑھ مقرر کیا تھا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کی مدد سے ایک خود مختار رئیس بن گیا تھا۔ اور خفیہ طور پر بونا پارٹ سے مراسلت بھی رکھتا تھا۔ لہٰذا لارڈ ولزلی نے چاہا کہ اس کانٹے کو نکال دیا جائے۔ علی گڑھ میں شکست پانے کے بعد ایم پرون نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ تب بورگو اِن (Bourguin) نے کمان لی لیکن ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو لارڈ لیک نے اسے دلی کی لڑائی میں شکست دی جو ہمایوں کے مقبرے کے محاذ کے میدان میں ہوئی تھی۔

[ واقعاتِ دارالحکومت دہلی (جلد دوم) از مولوی بشیر الدین، اُردو اکادمی دہلی، صہ ۳۸۵ سن اشاعت فروری ۱۹۹۱ ]

[2] ''باغ و بہار'' از میر امن دہلوی۔

فراسو کا بچپن چاندنی چوک میں گزرا اور اسی چاندنی چوک میں بیگم شمرو کی کوٹھی[1] نواب ظفریاب خان کے تصرف میں تھی اور نواب ظفریاب خان دہلی میں اسی کوٹھی میں مقیم تھے اور یہیں مشاعرے منعقد کیے جاتے۔

ظفریاب خان نے دہلی کی ادبی فضا کو مزید بہتر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اس زمانے کے اہم شعراء کی سرپرستی کی۔ شاہ نصیر جیسے استادِ فن نے بھی ظفریاب خان کی توصیف میں ایک قصیدہ لکھا اور خلعت کی درخواست کی۔ اس نظم کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں ؎

صلے میں اس کے نواب آج تجھ کو خلعت و زر — جو بخش دے تو نہیں ہمت و کرم سے دور
نصیؔر ختم دعا پر کر اس قصیدے کو — کہ وصفِ جاہ و حشم کس سے ہو سکے محصور
جہاں ہو اور ظفریاب خاں بہادر کو — نشاطِ عیش رہے دست بستہ اس کے حضور[2]

---

[1] شمرو کی بیگم کی کوٹھی: یہ کوٹھی ہے نہایت دلکش اور فرحت بخش بہت عمدہ کہ چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اس کوٹھی کو کرسی دے کر بنایا ہے اور کرسی میں کمرے گودام کے اور شاگرد پیشہ کے لئے بنائے ہیں۔

[آثار الصنادید (عماراتِ دہلی کی مستند تاریخ، صہ ۱۸۶، تالیف سر سید احمد خان ترتیب و حواشی سید معین الحق پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۶ء مطبوعہ انٹرنیشنل پریس]

شمرو کی بیگم کی کوٹھی: یہ کوٹھی چاندنی چوک کے شمال میں ہے جو پہلے شمرو کی بیگم کی کوٹھی تھی۔ یہ ایک کوٹھی نہایت دلکشا اور فرحت بخش بڑی عالیشان بہت عمدہ بہت اونچی کرسی دے کر بنائی ہے اور اس کرسی میں کمرے اور گودام اور شاگرد پیشہ کے لئے بیوتات بنوائے ہیں۔ اس پر یہ کوٹھی ہے کہ ایک درجہ اس کا رشک ارم ہے جس میں بڑے بڑے ہال اور برآمدے ہیں علاوہ خوبی عمارت کے ایک وسیع اور پر فضا باغ ہے جس میں سرو کے درختوں کی خوشنمائی اور نہر کے زور شور سے بہنے کا عجیب لطف ہے۔ اب نہر تو نہیں رہی باغ البتہ موجود ہے۔ اس کوٹھی میں قدیم سے دلی لندن بنک ہے۔ اسی کوٹھی کے ایک مکان متعلقہ میں سے بنک کے مینیجر مسٹر برسفرڈ ان کی میم صاحب اور لڑکیوں نے ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو باغیوں سے تخت کا مقابلہ کیا جس میں سارے کا سارا خاندان مارا گیا جو سب کے سب کشمیری دروازے کے پاس والے گرجا میں مدفون ہیں۔ اب حال میں اس میں شملہ الائینس بنک اور پنجاب بینکنگ کمپنی بھی شامل ہو گئے ہیں۔

[واقعاتِ دارالحکومت دہلی (حصہ دوم) از مولوی بشیر الدین، اُردو اکادمی دہلی، فروری ۱۹۹۱ء، صہ ۲۱۰]

[2] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۲۔

فراسو کے متعلق تمام شواہد یہ بتاتے ہیں کہ اس نے ابتدائی تعلیم و تربیت (جو اس زمانے کے امراء و شرفاء میں مروج تھی) اس عہد کے چلن کے مطابق حاصل کی اور امراء و شرفاء کی روش اختیار کرتے ہوئے ادب و شعر کا ذوق اپنایا۔ موروثی فنِ سپاہ گری کو[1] مرہٹوں کی ملازمت اختیار کر کے نبھایا۔ ورنہ کہاں شاعر اور کہاں سپاہیانہ زندگی۔

فراسو خود کو شاہ نصیر کا شاگرد بتاتا ہے۔ جیسا کہ شاہ نصیر کے ظفریاب خان کی مدح میں لکھے جانے والے قصیدے سے ظاہر ہے کہ شاہ نصیر ظفریاب خان سے ایک نسبتِ خاص رکھتے تھے۔ اس تناظر میں دیکھئے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ فراسو کی ادبی اور علمی تربیت میں ظفریاب خان کا خاصا ہاتھ ہے۔ لہٰذا شاہ نصیر کا فراسو کے لئے شاگرد ہونا مشکل امر نہ ہوگا۔ اس بات کی مزید وضاحت فراسو کے نواسے کی مثنوی ''دہلی مرحوم'' سے بھی ہوتی ہے کہ فراسو شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔

فراسو بھی شاگردان کے ہوئے　　تھے قومِ فرنگی میں شاعر بڑے

''بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں خیراتی خاں دلسوز کا شاگرد بتایا ہے مگر یہ غلط ہے اسے شاہ نصیر سے تلمذ تھا[2]۔ فراسو ظفریاب خاں کا بھانجا تھا۔ اس نے اپنے خالو کی شان میں قطعات تحریر کئے اقتباس حسب ذیل ہے۔ جس سے فراسو اور ظفریاب صاحب کے تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

میری عرض سن لیجے نواب صاحب　　عزیز آپ کا ہوں ہر باب صاحب

برا ہے زمانے میں دردِ جدائی　　نہیں مجھ کو دوری کا اب تاب صاحب

نہ دن کو مجھے چین خفقان سے ہے　　نہ آنکھوں میں ہے رات کو خواب صاحب

میں نازاں ہوں فضل و کرم پر تمہارے　　دعا یہ مری ہووے ایجاب صاحب

مجھے دیجیے قیدِ غم سے رہائی　　خدا تم کو رکھے ظفر یاب صاحب[3]

---

[1] شور میرٹھی نے اپنی مثنوی ''دہلی مرحوم'' کے بیان میں بتایا ہے کہ یہ بھی فوج میں ملازم تھے اور ابتداء میں ان کی ماموری علیگڑھ میں قلعدار کی حیثیت سے ہوئی۔

فراسو کو ئیں تھے جو عالی وقار　　مرہٹہ کی جانب سے تھے قلعدار

[جرمن نسل کا ایک اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، صہ ۷۳]

[2] جرمن نسل کا ایک اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۷۳۔

[3] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو اور فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۳۔

ظفریاب خان کے مشاعروں میں دہلی کے اہم شعراء شرکت کیا کرتے تھے۔ غالبًا انہی مشاعروں کے ذریعے فراسو کی ادبی تربیت ہوئی۔ اور انہی مشاعروں میں خیراتی خاں دلسوز کی شرکت بھی ہوا کرتی تھی۔ جن کے بارے میں تقریباً ہر تذکرہ نویس اس گمان میں رہا کہ وہ فراسو کے استاد تھے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ نصیر ۱۸۰۴ء میں حیدرآباد دکن[1] تشریف لے گئے تھے۔ یقیناً ان کی روانگی کے بعد فراسو کے لئے استادانہ خلا خیراتی خاں دلسوز نے پر کیا ہوگا۔ چونکہ خود خیراتی خاں دلسوز بھی شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ خانوادہ وہی تھا تو پھر مشورۂ سخن میں کوئی عار نہ رہی ہوگی۔

رام بابو سکسینہ کے مطابق فراسو نے ۱۸ برس کی عمر میں ''شمس الذکاء'' کے عنوان سے مختلف شعراء کا انتخاب ترتیب دے دیا تھا[2]۔

فراسو نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں گزارا اور یہ کہ وہ بیگم سمرو کے پنشنر تھے جو تقریباً دو سو روپے تھی۔ رام بابو سکسینہ کے مطابق اس کے والد اور دادا سمرو کی ملازمت میں رہے تھے۔ اپنے ایک قطعے میں وہ درخواست گذار ہیں کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ جب چاہے بیگم کی خدمت میں بلا روک ٹوک آسکے اور کچھ اور تفصیلات اس کے منظوم مکتوبات (نظمِ انشاء یا دلکشا) سے اخذ کردہ ہیں۔ میجر لوئس ڈیریڈن[3] (Major Louis Derridon) کے نام انھوں نے کئی ایک مکتوبات لکھے ہیں۔

---

[1] کلیاتِ شاہ نصیر (جلد اوّل) از ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔

[2] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو اور فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۶۔

[3] Major Louis Derridon is described a half-bred Frenchman and brother-in-law to General Perron who married his sister. Major Derridon commanded a battalion in Hessings corps and was present at the battle of Ujjain when Holkar defeated four of Seindhia's battalions and killed nearly all their officers. In this action Derridon was taken prisoner and Colonel Hessing paid Rs. 40,000 to ransom him from Holkar. Derridon then left Maratha Service and reveived a high appointment in the army of Perron in 1802. He was at Agra When the fort was captured by General Lake in 1803 Lady Fanny Parkes mentions that Major Louis Derridon was living in Koil in 1838 in a house formerly the property of General Perron. HIs grandsons were the owners of the same property as late a 1871. Major Derridon died in 1845 and his estates were divided amongst his heirs most of home were in 1875 in compartive poor circumstances in Agra.

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ان میں سے ایک میں وہ اپنے بیٹے کی پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے۔

گھر کے بندے کے ہوا ہے نونہال　　　نجم سعد و کوکب فرخندہ فال

ہو مبارک آپ کو بھی یہ پسر　　　ہے تمہارا بھی تو یہ لختِ جگر

ایک اور خط میں وہ میجر لوئیس ڈیریڈن کو لکھتا ہے۔

بندہ کو دیا ہے حق نے فرزند　　　ہے آپ کا بھانجا و دلپسند

آخری حوالے سے ایسا لگتا ہے کہ میجر لوئیس ڈیریڈن کی بہن فراسو سے بیاہی گئی تھی۔

شواہد کی روشنی میں ۱۷۷۸ء میں ڈائس سمرو کا انتقال ہوا تو فراسو صرف ایک برس کا تھا۔ اور شاہ عالم کی مدد سے بیگم سمرو کو سردھنہ کی جاگیر مستحکم کرنے میں نمایاں مدد ملی اور یہی وہ زمانہ ہے کہ جب علی گڑھ (کول) کے اطراف و اکناف میں فرانسیسیوں کا غلبہ ہے۔ جاٹ ریاست بھرت پور کی بھی یہی کیفیت ہے۔ لہٰذا ڈائس سمرو کے انتقال کے بعد جہاں اور بیگم سمرو کے باعتماد کارپرداز ہوں گے۔ انہی میں جان آگسٹائن کا نام بھی ہوگا۔ چونکہ آگسٹائن مرہٹہ سروس میں تھا اور ڈائس سمرو کی ہمدردیاں شاہ عالم بادشاہ کے ساتھ ساتھ ان فرانسیسوں یا غیر ملکیوں کے ساتھ بھی ہوں گی جن کا تعلق برطانیہ سے نہیں تھا۔ اس توضیح کے بعد یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ فراسو کا تعلق ظفریاب سے اپنی جگہ لیکن اس کے والد کی خدمات بھی بیگم سمرو نظر انداز نہ کرسکتی ہوگی۔ چونکہ جس وقت (۱۸۳۶ء) بیگم سمرو کا انتقال ہوا اس وقت فراسو کی عمر ۵۹ برس تھی۔ اُس نے عالمِ ہوش میں جرنل لیک کی سردھنہ کی طرف پیش قدمی دیکھی ہوگی۔ دلی کے ریذیڈنٹ کمیشنرز اس کے سامنے مقرر ہوئے ہوں گے۔ بیگم سمرو ایک انتہائی ذہین خاتون تھی اس نے حریفوں کو بھی حلیف بنالیا۔ یوں ۱۸۰۳ء کے بعد جاگیرِ سردھنہ سے منسلک تمام اربابِ اختیار نئے تقاضوں کی زد پر آگئے۔ ۱۸۰۳ء میں فراسو کی عمر ۲۶ برس تھی۔

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

There are now two representatives, one in Koil who selis in ks and the other in Merrut who lives on charity of the church. The Derridon's family was closely related to the family of Farasu and shore.

[Eruopean & Indo-European Poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena pg. no. 269]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی گڑھ کی قلعداری کا زمانہ اس سے قبل ہوگا چونکہ اسی زمانے میں بیگم سمرو کی فوج نے اسائی مقام پر انگریزوں کا مقابلہ کیا لیکن سندھیا کی شکست کے ساتھ بیگم نے بھی انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی۔(اس کی صراحت گذشتہ حواشی میں ہوچکی ہے۔)

غالباً علی گڑھ کی قلعداری کے دوران ہی فراسو کی شادی ہوگئی تھی۔ چونکہ میجر ڈیریڈن نے مرہٹہ سروس چھوڑ کر ۱۸۰۲ء میں پیرن کی فوج میں اعلیٰ عہدہ حاصل کرلیا تھا۔شاید پیرن کے لئے اپنے بہنوئی کو یہ عہدہ پیش کرنے میں کوئی عار نہ رہی ہوگی۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ڈیریڈن نے ۱۸۰۲ء میں مرہٹہ سروس چھوڑ دی اور بیگم سمرو ۱۸۰۳ء میں مرہٹہ دوستی سے تائب ہوگئی پھر یہ کہنا کہ فراسو ۱۸۰۶ء تک مرہٹہ سروس میں رہا بعید از قیاس نظر آتا ہے۔(تفصیل پچھلے حواشی میں دے دی گئی ہے۔)

فراسو کا برادرِ نسبتی میجر ڈیریڈن موقعہ شناس تھا کہ قلعۂ آگرہ کی فتح (۱۸۰۳ء) سے قبل ہی مرہٹوں سے کنارہ کش ہوگیا۔فراسو کی شادی اس ( میجر ڈیریڈن ) کی بہن سے ہوئی۔اگر فراسو مرہٹہ سروس میں اس وقت بھی ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ میجر ڈیریڈن یعنی اس کا سالا اس شادی سے کوئی ممکنہ خطرہ مول لے سکتا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ فراسو کی شادی ۱۸۰۲ء سے قبل ہوئی۔اور اس نے ڈیریڈن کے مرہٹہ سروس چھوڑنے کے بعد ہی مذکورہ ملازمت ترک کردی۔اور واپس دلی آیا، ظفریاب سے ملا، سردھنہ کا رخ کیا اور اپنے آپ کو مۓ شعر و سخن کے نشے میں غرق کرلیا۔فراسو کو شعر و سخن سے فطری مناسبت تو تھی ہی لیکن ہندوستان بالخصوص دہلی اور اس کے اطراف کا سیاسی منظر نامہ تبدیل ہو چکا تھا۔اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنی گذشتہ زندگی پر عائد وفاداریوں کو ردائے شعر و سخن میں چھپالے۔

فراسو کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی دو بیٹیاں[1] تھیں اور ایک بیٹا[2]۔ بیٹے اور ایک بیٹی کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں جبکہ میڈلین فراسو[3] (Madeline Farasoo) کی شادی جان پیش[4] سے ہوئی جو علی گڑھ میں قیام پذیر تھا اور وہاں اس کی خاصی جائیداد تھی۔

---

[1] ممولہ جان (Mamola Jan) کے نام تحریر کردہ خط میں فراسو نے اسے اپنی بیوی کی بہن بتایا ہے اور اسی خط میں اپنی دو بیٹیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| عزیز از جاں عزیزہ اور پیاری | ہمیشہ ہے تمہاری یادگاری |
| وہ دہلی میں ہمیں پہنچا تھا نامہ | ثناء اس کی نہیں لکھ سکتا خامہ |
| ضرورت کا بہت ہم کو جو تھا کام | گئے تھے بھول ہم گڑیوں کا پیغام |
| تمہاری بہن بھی لکھتی دعا ہے | تمہاری دید اس کا مدعا ہے |
| جو یاں دونوں تمہاری بھانجی ہیں | تو وہ لکھتی ہزاروں بندگی ہیں |

[یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو اور فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۹-۲۷۰۔]

[2] ڈیریڈن کے نام ایک خط میں فراسو نے اپنے بیٹے کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا (صہ ۲۶۹):

| | |
|---|---|
| بندے کو دیا ہے حق نے فرزند | ہے آپ کا بھانجا دہ دلپسند |

اور شور میرٹھی کے نانا فراسو صاحب نے بصد اصرار اسے میرٹھ آنے کی دعوت دی (۱۸۵۰ء کے آس پاس) کیونکہ فراسو کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بیٹے کا اوائلِ عمری میں ہی انتقال ہو گیا ہوگا۔

[ اور انڈو یورپین شعرائے اُردو اور فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۳۰۔]

[3] میڈلین پیش دختر کوئن فراسو نے بسبب cholera بمقام علیگڑھ ۱۸۷۲ء میں وفات پائی۔ وہ اپنے بیٹے اور شوہر کی وفات کے فوراً بعد انتقال کر گئی تھی۔ اور اپنے شوہر کے پہلو میں دفن ہوئی۔ ان کے مقبرے شور نے تعمیر کروائے۔

[4] ا۔ جان پیش کے بزرگ فرانس سے آ کر ریاست گوالیار میں ملازم ہو گئے تھے ریاستِ گوالیار اسٹیٹ گزیٹیر کے مطابق کیپٹن پیش (جان پیش اسی کیپٹن پیش کا بیٹا تھا) ریاست گوالیار کا ملازم تھا۔ (صہ ۲۳۰)

۲۔ جان پیش (والد شور میرٹھی) اپنی زندگی میں بمقام علیگڑھ سود پر رقم کا کاروبار کرتے تھے۔ (صہ ۲۴۳)

۳۔ جان پیش (شوہر میڈلین فراسو) آنکھوں کی بیماری کے سبب ۱۸۷۲ء میں بمقام علیگڑھ وفات پا گئے۔ ان کی وفات سے قبل ہی ان کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ (صہ ۲۳۳)

سکسینہ نے ممولہ جان کو فراسو کی سالی بتایا ہے وہ شاید حاشیے میں دیئے گئے ممولہ جان کے منظوم مکتوب سے غلط فہمی کا شکار نظر آتے ہیں۔ ہر چند کہ اس کی بیوی کا نام ہمیں نہیں معلوم لیکن ڈریڈن کی بہن کا نام مقامی نہیں ہوسکتا ورنہ فراسو کی بیٹی شور میرٹھی کی ماں کا نام میڈلین کے بجائے مقصودہ وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔ البتہ ممولہ پیار کا نام ہوسکتا ہے۔ یا پھر یہ کہ ممولہ جان اور اس کے خاندان سے فراسو کے خاندان کے قریبی روابط ممکن ہو سکتے ہیں۔

اب ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ فراسو کی شادی دورانِ قیام علی گڑھ بمنصب قلعداری ہمشیرۂ میجر ڈریڈن سے عمل میں آئی۔ ڈریڈن کی ترکِ ملازمت مرہٹہ سروس کے بعد فراسو کی واپسی ہوئی اور وہ تبدیل ہوتے ہوئے سیاسی منظرنامے میں بحیثیت شاعر خود کو منوانے کے لئے کوشاں ہوگیا۔ فراسو کی بیوی (جس کے متعلق ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں) تین بچوں کی پیدائش کے فوری بعد انتقال کر گئی ہوگی۔ عین ممکن ہے کہ یہ سانحہ علی گڑھ کی قلعداری کے دوران ہی رونما ہو چکا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مذکورہ منصب پر ڈریڈن کی مساعی سے پہنچا ہو اور ڈریڈن کی دلچسپی فراسو میں بہن کی شادی کے حوالے سے رہی ہو۔ اس اعتبار سے فراسو کی شادی ۱۸۰۰ء سے قبل ہی ہوئی ہوگی اور ۱۸۰۲ء کے دوران فراسو کے تینوں بچوں کی پیدائش انجام پذیر ہوگئی ہوگی۔ جبکہ بیٹا اور بیٹی اوائل عمری میں ہی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے ہوں گے اور اُسے کسی ایسے سہارے کی تلاش رہی ہوگی کہ جو اس کی بیٹی کی نگہداشت کر سکے ایسی شخصیت اُسے بختی بائی کی صورت میں میسر آ گئی۔ بختی بائی کے بارے میں شور میرٹھی (نواسۂ فراسو) نے اپنی مثنوی[۱] میں فراسو کے ساتھ اس کی ۶۰/برس کی رفاقت کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۸۰۱ء تا ۱۸۰۳ء تک بختی بائی اس کی رفاقت میں آ چکی تھی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ میڈلین فراسو کے لئے ایک آیا درکار ہوگی۔

---

Farasu had in his keeping a Hindu Lady known as Bakhti Bai who is described as [۱] his unmarried wife, and as having lived with him for sixty years in Shore's Masnavi. It was she to whom he bequeathed all his property. It would appear that Farasu's son died early for there is no trace of him and his sister. From the masnavis in his Kulliyat it is learnt that Farasu accompanied the Begum in her shooting expeditions.

[Eruopean & Indo-European Poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena pg. 269]

بختی بائی آیا کے ساتھ ساتھ اس کے خوابوں کی تعبیر بھی نکلی یعنی بختی بائی نے گھریلو عورت کے ساتھ ساتھ اس کی دلبستگی کا سامان بھی کیا اور یوں وہ اس کی غیر شادی شدہ بیوی قرار دی گئی اور وہ ایک ملازمہ سے حاکمہ بن بیٹھی۔

۱۸۰۳ء سردھنہ برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا اور فراسو بھی بختی بائی اور میڈلین فراسو کے ساتھ سردھنہ میں سکونت پذیر ہو گیا۔[۱] یہیں فراسو کی ننھیال بھی قیام پذیر تھی۔ خالو کا انتقال ہو چکا تھا جبکہ خالہ ''بہو بیگم''، والد، نانی (این) اور نانا (لفیور) حیات تھے مگر والدہ کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ یقیناً میڈلین فراسو کے لئے بہترین ماحول مذکورہ رشتے ناطوں کی صورت میں میسر آ گیا ہوگا۔ اور اسی زمانے سے اس کے درباری شاعر ہونے کا آغاز ہوا۔ فراسو نے فارسی میں بھی منظوم خطوط لکھے ہیں جن میں جان صاحب جو غالباً John Thomas ہیں، سگنر نیولی Signier Neville، جناب فرانسس Mr. Francis اور ایک منشی صاحب کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ان خطوط میں انھوں نے پولٹری (مرغبانی) سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اور ان سے فرمائش کی ہے کہ وہ اچھے معیار کے پرتگالی جنگلی مرغوں کے بارے میں معلوم کریں اور اسے لکھیں کہ کیا انھوں نے بڈھانہ میں اپنے پٹواری کے مسائل حل کر لئے۔ ایسا لگتا ہے کہ میجر کوئن جو بڈھانہ کے کلکٹر تھے فراسو کے قریبی عزیز تھے۔ ایک خط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فراسو بیگم سمرو کے ساتھ ہردوار گئے تھے اور اسی خط میں اس خواہش کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ وہ فرانسس کے ساتھ کلکتہ کا چکر لگائیں۔ اس کے علاوہ تین یا چار خطوط ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن میں انھوں نے اپنی محبوبہ کو مخاطب کیا۔ جبکہ محبوبہ کا نام درج نہیں کیا گیا۔

---

[۱] جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فراسو کا باپ، فراسو خود اور فراسو کا نانا بیگم سمرو یا دوسرے معنوں میں نواب ظفریاب خان کی ملازمت میں تھے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ اگر دو حقیقی بہنوں کی شادی اس طرح ہو کہ ایک بہن صاحبِ منصب سے بیاہی جائے جبکہ دوسری بہن اس صاحبِ منصب کے کارندے سے تو یقیناً صاحبِ منصب کی بیوی کے نام لیوا اور اسی حوالے سے اس کے والدین کے نام لیوا بہت ہوں گے۔ جبکہ اس صاحبِ منصب کے کارندے کی بیوی یا ان دونوں میاں بیوی کی سرگرمیوں کی کوئی اہمیت نہ ہوگی۔ یہی کچھ فراسو کے والدین کے ضمن میں ہے کہ مؤرخین نے ظفریاب کے ساس سسر اور اس کی بیوی، بیٹی اور داماد کا ذکر تو کیا ہے۔ جبکہ جان آگسٹائن کے ساس سسر کا تذکرہ نہیں ملتا حالانکہ ظفریاب اور آگسٹائن ہم زلف تھے۔ نیز اس کی بیوی یعنی فراسو کی ماں کا نام بھی سامنے نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ اس کا نام ''......این'' ہو۔ وہ تو یوں کہیے کہ فراسو کے ضمن میں اس مقالے کے لئے اس کا خانوادہ اور اس کی سرگرمیاں ناگزیر ہیں تو یہ چھان پھٹک کی گئی ورنہ............(مؤلف)

یہ محبوبہ واضح طور پر دہلی کی ایک ناچنے والی لڑکی ہے کیونکہ ایک خط میں اسکی موسیقی کی صلاحیتوں کا بھی حوالہ ملتا ہے[1]۔

فارسی کے مذکورہ خطوط میں فراسو کی رقاص محبوبہ کا ذکر غالباً اس کی نوجوانی سے جڑا ہوا ہے اور پھر یہ کہ مزاجاً وہ عیش وعشرت یا لہوولعب کا دلدادہ بھی تھا۔ سردھنہ میں باضابطہ قیام نے اس کی خوئے مصاحبت کو منظم کر دیا۔ بیگم سمرو کا چہیتا تھا مزید چہیتا ہوگیا۔ بیگم سمرو ہی نے صحیح معنوں میں اسے برطانوی اربابِ اختیار یا صاحبانِ عالیشان سے تعلق استوار کرنا سکھایا اور غالباً بولاک (Bullock[2]) کے مضمون سے مذکورہ بات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

''فرانکوئس کوہن (Francòis Cohen) یا فرانز وصاحب نے اپنے والد کی پیروی میں اسی طاقت (مرہٹہ سروس) کی خدمات سرانجام دیں۔ اور ۱۸۰۶ء میں حکومت برطانیہ سے پنشن حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سردھنہ میں بیگم سمرو کی ملازمت میں آئے۔ اور جہاں انھوں نے کئی برس تک خدمات سرانجام دیں۔ جنوری ۱۸۳۶ء میں بیگم سمرو کے انتقال کے بعد وہ ۱۶ ربرس تک تحصیدار کی حیثیت سے ملازمت کرتے رہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب ان کی عمر ۸۵ ربرس تھی اور وہ میرٹھ ڈسٹرکٹ میں کئی گاؤں کے مالک تھے۔ تو اس دوران انھوں نے دہلی کے فساد سے متاثر کئی افراد کو تحفظ فراہم کیا۔''

یہ ظاہر نہیں ہے کہ اس بیان کی بنیاد کس سند پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غدر کے وقت فراسو کی عمر ۸۰ ربرس تھی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ انہیں راجہ بھرت پور نے ملازمت دی تھی جو ایک مرہٹہ نہیں جاٹ ریاست تھی۔ بیگم سمرو کی جانب سے انہیں پنشن ملتی تھی پہلی بار غالباً یہ پنشن ان کے والد کی بنیاد پر جاری کی گئی کیونکہ آگسٹائن بھی بیگم سمرو کی ملازمت میں رہ چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی ظفریاب خان سے رشتہ داری بھی تھی۔ ایسا بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں وہ برطانوی حکومت کے تحت تحصیلدار بھی رہے تھے۔ لیکن کس زمانے میں اس کا تعین ممکن نہیں ہے۔ یہ بات بھی یقینی لگتی ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں وہ بیگم کی ملازمت میں کسی اعلیٰ عہدے پر بھی فائز رہا تھا۔ شاید ایک کلکٹر ''عامل''[3]۔ یہ بات بھی ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ غدر کے وقت وہ ریٹائرڈ ہو چکے تھے۔ اور کئی ایک گاؤں کے مالک تھے۔ میرٹھ کی ''باغ پت'' تحصیل میں اب بھی فراسو گیٹ موجود ہے۔

---

۱۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۰۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۱۔

۳۔ (حاشیہ اگلے صفحے پر)

ممکن ہے کہ فراسو میرٹھ ڈسٹرکٹ میں تحصیلدار رہا ہو۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے ایک زمیندار کی زندگی گزاری اور چھوٹے پیمانے پر قرض پر رقم (سود پر رقم) دینے کا کاروبار بھی کرتا رہا۔

فراسو نے غدر کے دوران لیفٹیننٹ (جو بعد میں میجر جنرل ہوا) ٹی ڈبلیو ہالینڈ (T.W.Holland) ۳۸-بنگال نیٹیو انفنٹری اور لیفٹیننٹ جارج فارسٹ (Lt. George Forrest) کو جن کا تعلق ویٹرنری اسٹیبلشمنٹ سے تھا اور ان کی بیگم اور تین بچوں کو تحفظ فراہم کیا۔ فارسٹ ۱۸۱۸ء میں ایک پرائیویٹ سپاہی تھا اور اُن ڈی ووٹیڈ نائن (Devoted Nine) میں شامل تھا جنہوں نے دہلی کا بارود خانہ دھماکے سے اڑا دیا تھا۔ اس کارنامے پر اسے وکٹوریہ کراس سے نوازا گیا۔

---

(حاشیہ پچھلے صفحے کا)

۳۔ ۱- یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۱۔

۲- تذکرۂ شعرائے میرٹھ از نور احمد میرٹھی، اسی سال (۲۰۰۳) ماہ اکتوبر میں اشاعت پذیر ہوا۔ نور احمد سے راقم کے خصوصی مراسم کے سبب مذکورہ تذکرے کو دیکھنا نصیب ہو سکا۔ اس تذکرے میں چھ سو دو شعراء کا ذکر ہے۔ نیز صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۷، فراسو کوئن کے حوالے سے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس تذکرے سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں کہ فرانسو بیگم سمرو کے درباری شاعر ہونے کے علاوہ ریونیو کلکٹر کے عہدے پر بھی فائز تھا۔ نیز فرانسو کے نانا لوئیس انتھونی لفیور فرانسیس تھے۔ پچھلے صفحات میں فرانسو کی ننھیال سے متعلق توضیحات پیش کی جا چکی ہیں۔

مثنوی شوؔر (شور میرٹھی) کے حسبِ ذیل اشعار سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرانسو کوئن ایک عرصہ تک ریاست سردھنہ میں کلکٹر (عامل) کے عہدے پر فائز رہا۔

ہمارے تھے نانا وہاں ہمنشیں — تھے رشتے میں ڈائس کے بالیقیں

تھا اس کا بھی رتبہ بہت سا بڑا — ریاست میں عامل کیا انکو تھا

عنایات بیگم تھیں ان پر ہوا — بڑا رعب ان کا ریاست میں تھا

[اقتباس از مثنوی شور میرٹھی، مطبوعہ ۱۸۸۴ء]

۳- اُردو کے یورپین شعراء از شفقت رضوی، مطبوعہ ۱۹۸۱ء۔

یہ شخص معروف تاریخ داں سر جارج فارسٹ کا باپ تھا ان افراد کے علاوہ فراسو لیفٹیننٹ کرنل نیوائٹ (Lt. Colonel Knyvette)، لیفٹیننٹ ایم پراکٹر (Lt. M. Proctor)، لیفٹیننٹ ایچ گیمبیر (Lt. H. Gambier) ۳۸- بنگال نیٹیو لائٹ انفنٹری، کیپٹن جی فارسٹ (Capt. G. Forrest) ان کی بیگم اور بچیاں (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)، لیفٹیننٹ ویبرٹ (Lt. Vibrat)، لیفٹیننٹ سال کلڈ (Lt. Salkeld)، بنگال انجینئرز، لیفٹیننٹ ڈبلیو ولسن (Lt. W. Wilson)، آرٹلری، بیگم فریزیر (Mrs. Fraser)، مسٹر مارشل (Mr. Marshall)، سرجن اسٹین لیک (Surgeon Stanlake) اور ہنری بیٹسن (Henry Betson) کو تحفظ فراہم کیا۔ مقامی بلوائیوں اور باغیوں نے غدر کے دوران پناہ لینے والوں کو تحفظ فراہم کرنے پر بری طرح زدوکوب کیا اور انتہائی زخمی کر دیا۔ اور وہ اسی حالت میں میرٹھ پہنچے۔ ان خدمات کے صلے میں انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ اور اس کے نواسے شور کو برطانوی حکومت میں اسسٹنٹ سالٹ پیٹرول (Assistant Salt Patrol) کی ملازمت عطا ہوئی[۱]۔

بولاک (Bullock) کے مضمون اور رام بابو سکسینہ کے تجزیے سے ہماری بات مزید واضح ہوتی ہے کہ مرہٹہ سروس میں کوئی رہا ہو اور اسے برطانوی اقتدار پنشن سے نواز دے۔ یقیناً اس پنشن میں بیگم سمرو کی سفارش کا دخل رہا ہوگا اور پنشن کا تعین ۱۸۰۶ء میں ہوا ہوگا۔ جبکہ فراسو مرہٹوں کی ملازمت سے ۱۸۰۲ء میں ہی فارغ ہو چکا ہوگا۔ ۱۸۰۳ء میں سردھنہ برطانوی وفاداریوں کے زیرِ اثر آ چکا تھا۔ بیگم سمرو کی مجبوریاں بھی فراسو جیسی ہی تھیں کہ وہ برطانویوں سے اس طرح کے روابط رکھے کہ وہ علم و ادب کی سرپرست جانی جائے تاکہ برطانوی اربابِ اختیار اس کے ماضی کی سیاسی سرگرمیوں سے بدگمان نہ ہو سکیں۔ اور فراسو جسے خیراتی خاں دلسوز[۲] میسر تھا اس کے مشورہ سخن سے گیسوئے ادب سنوارنے لگا۔

---

[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۲۔

[۲] شاہ نصیر کا شاگرد تھا۔ نسلاً افغان اور ظفر یاب خان کے مشاعروں یا مجالس کا جزو لاینفک تھا۔ ظفر یاب خان صاحب کی غزلیں بناتا تھا۔ استاد شاہ نصیر دہلوی کے دکن جانے (یعنی ۱۸۰۴ء) کے بعد فراسو کے لئے بہت اہم رہا ہوگا۔ فراسو یقیناً اسی کے مشورۂ سخن سے سردھنہ کے درباری شاعر کہلائے جانے کے قابل ہوا ہوگا۔ فراسو کو اس سے مشورہ سخن میں کوئی عار نہیں ہوگی کیونکہ وہ اس کا استاد بھائی بھی تھا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ خیراتی خاں دلسوز مزاجاً لہو ولعب کا رسیا تھا۔ نیز شراب نوشی کے بغیر اس کا جینا محال تھا۔ الغرض ۱۸۲۵ء میں بمقام جے پور وفات پائی۔ (دیکھئے شعراء کے مختلف تذکرے) مؤلف

بیگم کی طرف سے انعام واکرام کی بارش ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مجموعۂ قصائد میں زیادہ تر قصائد بیگم سمرو کی ستائش میں پائے جاتے ہیں۔ زندگی ایک ڈھرّے پر چل نکلی اور فراسوکوئن کو میڈلین کو بیاہنے کی فکر ہوئی۔ جیسا ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ فراسو جرمن کم فرانسیسی زیادہ تھا لہٰذا بیٹی کے لئے بھی اس نے فرانسیسی گھرانہ چنا۔ یوں ۱۸۲۰ء کے آس پاس میڈلین فراسو کی جان پیش سے شادی ہوگئی۔ جان پیش علی گڑھ میں رہتا تھا جبکہ فراسو بھی علی گڑھ میں منصبِ قلعداری پر فائز رہ چکا تھا اور خیراتی خاں دلسوز کا بھی تعلق علی گڑھ سے ہی تھا۔ یقیناً وہ جان پیش کے گھرانے کو نسلاً جانتا ہوگا اور پھر یہ کہ بیٹی کے جوان ہو جانے پر بختی بائی سے روابط میں رکاوٹ بھی محسوس کرتا ہوگا۔ میڈلین کی شادی کے وقت کا تعین اس کے اٹھارہ بچوں کی وجہ سے ممکن ہوسکا ہے۔ چونکہ یہ بات مصدقہ ہے کہ ۱۸۷۲ء میں میڈلین وفات پاگئی اور اس کا پہلا بیٹا جارج پیش شور میرٹھی ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوا۔ ان تمام باتوں سے ہم یہ استدلال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ میڈلین فراسو کی شادی ۱۸۲۰ء کے آس پاس ہوئی۔ تا حال تمام معلوم ذرائع میڈلین فراسو اور فراسوکوئن (بیٹی اور باپ کے معاملات وتعلقات) کے آپس میں روابط پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ باپ بیٹی کے درمیان بختی بائی آگئی تھی۔ میڈلین کی شادی کے بعد فراسو کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم ہوگیا تھا اور وہ بختی بائی کے ساتھ بحیثیت شوہر رہنے لگا۔ ۱۸۲۶ء میں قلعۂ بھرت پور پر اس کا تہنیتی قصیدہ ملتا ہے۔ اس قصیدے سے واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ وہ وہاں موجود ہے اس جاٹ ریاست کا ملازم ہے۔ بیگم سمرو کے حوالے سے یہ بات بہت واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے ایک درباری شاعر کے لئے ہر ممکن وسیلہ اسے بڑھانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اگر وہ ریاست بھرت پور میں ملازم ہوا ہوگا تو کیا بیگم سمرو کی رضا شامل نہ رہی ہوگی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فراسو بیگم سمرو کا مصاحب تو ہوگا ہی لیکن گاہے گاہے ایلچی کا فریضہ بھی سرانجام دیتا رہا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ باقاعدہ بیگم سمرو سے وابستہ ہو جانے کے بعد فراسو کے انگریزوں سے براہِ راست تعلقات اس طرح نظر نہیں آتے جیسے کہ نظر آنے چاہئیں۔

میڈلین فراسو اٹھارہ بچوں کی ماں جس نے غدر کے وقت کیسی کیسی صعوبتیں اٹھائیں۔ اپنے بیٹے کو اپنے باپ (فراسو) کے بے حد اصرار پر (۱۸۵۰ء تا ۱۸۵۸ء کے آس پاس) میرٹھ بھجوا دیا اور خود باپ سے غافل رہی۔ ہمارے استدلال کے مطابق فراسو کی ابتدائی تعلیم وتربیت اس کے نواسے جارج شور میرٹھی کی طرز پر ہوئی

وہی مقامی معلم جس نے فراسو کو یہاں کے زبان وادب، تہذیب وثقافت، تاریخی شعور سے آشنا کیا ہوگا اور جبکہ ہم پچھلے صفحات پر اس کی والدہ کے متعلق یہ استدلال کر چکے ہیں کہ فراسو کی ماں اُردو روانی سے بول سکتی ہوگی۔ بیگم سمرو کی کوٹھی میں منعقدہ مشاعروں نے اس کی ذہنی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا ہوگا۔ نیز شاہ نصیر کی شاگردی نے اسے لفظوں کی بنت اور لفظوں کے بطون میں جھانکنا سکھادیا ہوگا تب کہیں وہ اس لائق ہوا ہوگا کہ اپنے آپ کو منوا سکے۔ آگسٹائن گاٹلیب (فراسو کا باپ) کی سفارش یا نیم جرمن فرانسیسی نژاد ہونا اس کی مرہٹہ سروس کا باعث بنا ہوگا اور وہ ظفریاب خان کے مشاعروں یا مجالس اور دلی کی رونقوں سے دور علی گڑھ میں قلعدار ہوگیا۔ یہ زمانہ یقیناً ۱۷۹۸ء کے آس پاس کا زمانہ ہوگا۔ ڈیریڈن کی بہن سے شادی اور عصری شعور مرہٹہ سروس سے فراغت کا باعث بنا ہوگا۔ بیوی کی وفات نے اور نئے دور کے چلن نے اسے ایک نئی راہ دکھائی ہوگی۔ اسی لئے ہم یقین سے سن ۱۸۰۳ء کو ایسا سال قرار دے چکے ہیں کہ جس میں فراسو زندگی کی نئی شاہراہ پر مستقل مزاجی کے ساتھ گامزن ہوا۔ بیگم سمرو کا انتقال ۱۸۳۶ء میں ہوا۔ یعنی ۳۳ برس تک فراسو انشاء اللہ خان انشاء بنا رہا۔ انشاء اللہ خاں انشاء کی ذہانت میں کچھ کلام نہیں فراسو کی درباردار یاں اور مختلف النوع ادبی اظہار اسے یورپینز کا انشاء اللہ خاں انشاء ٹھہراتا ہے اور ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ اس ایک فقرہ میں اس کے فن اور اس کی شخصیت کو بیان کر سکتے ہیں کہ فراسو یورپینز میں انشاء اللہ خاں انشاء تھا۔ اور فراسو کی کتب کے مطالعہ سے بھی واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ جاگیردار کا مصاحب ہوتے ہوئے بھی نہ صرف یہ کہ سیاسی منظر نامہ سے واقف تھا بلکہ ادبی سطح پر بھی اس کا مطالعہ وقیع تھا۔ قصہ عشق افزا کی ایک غزل کا مقطع

اب فراسو ونصیرا ور فراق ودلسوز مرثیہ روروسدا کہتے ہیں ہم آپس میں[1]

متذکرہ بالا مقطع سے فراسو کے شاہ نصیر دہلوی، حکیم ثناء اللہ فراق دہلوی اور خیراتی خاں دلسوز سے تعلق و مراسم پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے کہ فراسو شاہ نصیر[2] (استادِ فراسو)، فراق دہلوی اور دلسوز سے بے تکلفی کے مراسم بھی رکھتا تھا۔ یقیناً یہ مقطع ۱۸۲۵ء سے قبل کی غزل کا ہے کیونکہ ۱۸۲۵ء میں خیراتی خاں دلسوز[3] وفات پا گیا تھا۔

---

[1] قلمی نسخہ ۵۰۸، قومی عجائب گھر پاکستان کراچی، مرتبہ فہرست مخطوطات، ڈاکٹر ظفر اقبال، صہ ورق ۴۴-ب۔

[2] تذکرہ تلامذہ شاہ حاتم دہلوی از عبدالرشید عصیم۔

[3] تذکرہ تلامذہ شاہ حاتم دہلوی از عبدالرشید عصیم۔

فراق دہلوی[۱] (دردؔ کے شاگرد) نے ۱۸۳۰ء میں انتقال فرمایا۔ اور شاہ نصیر دہلوی کا تیسرا سفر دکن جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کی سنِ وفات ۱۲۵۴ھ بمطابق ۱۸۳۸ء ہے۔ جبکہ ''قصۂ عشق افزا'' ڈاکٹر محمد باقر[۳] کے مطابق ۱۸۳۹ء کے بعد بشکلِ مخطوطہ تحریر ہوا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فراسو ۱۸۰۳ء تا ۱۸۳۶ء اپنے قیامِ سردھنہ کے دوران ذوق وشوق سے شاعری (قصائد، قطعات، رباعیات، مثنویات، ہزلیات، ہجویات اور غزلیات وغیرہ اُردو و فارسی میں) کرتا رہا۔ ۱۸۲۵ء میں اس کا اہم رفیق خیراتی خاں دلسوزؔ اس سے بچھڑ گیا۔ شاید اس کے بچھڑنے سے اس کی شاعری پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ شاید وہ اس عرصے میں فنِ شعر پر قادر ہو چکا ہوگا۔ نیز دلّی میں فراق دہلوی (متوفّی ۱۸۳۰ء) کی رفاقت بھی اسے نصیب تھی اور پھر یہ کہ اس کے استاد شاہ نصیر دہلوی (متوفّی ۱۸۳۸ء) بھی دکن اور لکھنؤ سے دلّی آتے جاتے رہے۔ لہٰذا دلسوز کے انتقال کے بعد فراسو کو کسی نہ کسی شکل میں شاہ نصیر کی معاونت بھی حاصل رہی ہوگی۔

اس بات کی دلیل ۱۸۲۶ء کا وہ قصیدہ ہے کہ جو فتح قلعۂ بھرت پور کے حوالے سے انگریزوں کی کامیابی پر لکھا گیا ہے۔ دورانِ قیامِ سردھنہ ہی قصیدہ نگار کی حیثیت سے اس کا چرچا ہو چکا تھا۔ بیگم سمرو کے انتقال (۱۸۳۶ء) کے بعد اسے نثر نگاری کا خیال پیدا ہوا اور قصۂ عشق افزا، فسانۂ عجائب[۴] کی طرز پر لکھ ڈالا۔

بیگم شمرو کے انتقال کے بعد فراسو بختی بائی کے ساتھ میرٹھ منتقل ہو گیا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات پر حواشی میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ میرٹھ میں ۱۶ ربرس تک تحصیلدار رہا۔ اس کی تصدیق طبقات شعرائے ہند کی سال تالیف سے بھی کی جاسکتی ہے کہ مذکورہ تذکرہ ۶۱-۱۲۶۰ء میں تالیف ہوا۔ یعنی فراسو ۱۸۴۵ء میں تحصیل دار تھا۔ اور اس کی یہ

---

[۱] تذکرہ تلامذہ شاہ حاتم دہلوی از عبدالرشید عصیم۔

[۲] کلیاتِ شاہ نصیر از ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔

[۳] جرمن شاعر فرانسو کا قصہ عشق افزا از ڈاکٹر محمد باقر مطبوعہ ادبی دنیا، مئی ۱۹۴۴ء۔

[۴] شور میرٹھی کا وقائع غدر دہلی کا اسلوب بھی فسانۂ عجائب سے مستعار ہے۔ شواہد کی روشنی میں مؤلف کا خیال یہ ہے کہ شور میرٹھی کے ادبی شعور میں فراسو کا مذاقِ سخن بھی کارفرما ہے۔ (دیکھئے جارج پیش شور میرٹھی اور فرانکوئس گاٹلیب کوئنس فراسو پر مضامین۔ رام بابو سکسینہ۔)

[یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ]

تحصیلداری ۱۸۵۰ء کے بعد تک جاری رہی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ میرٹھ کے ایک گاؤں ہر چند پور منتقل ہو گیا۔ اور یہیں سے اپنے نواسے شور میرٹھی سے اصرار کیا کہ وہ یہاں چلا آئے لہٰذا وہ اور اس کا چھوٹا بھائی اپنے نانا کے پاس آ گئے۔ ہر چند پور میں ہی فراسو نے شور میرٹھی کی شادی پر جشن منایا جو قابلِ دید تھا۔ ۱۸۵۷ء میں واقعۂ غدر رونما ہوا۔ اور فراسو نے صاحبانِ عالیشان کو تحفظ دیا (جس کی تفصیل ہم پچھلے صفحات پر رقم کر چکے ہیں)۔ غدر کے واقعے کی تفصیل وقائع غدرِ دہلی[1] از ''شور میرٹھی'' میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

مسرت افزا (مختصر لغات) کا سالِ تالیف ۱۸۵۸ء ہے یعنی یہ اس بات کی مزید دلیل ہے کہ فراسو کو ۱۸۳۶ء کے بعد نثر نگاری سے بھی خصوصی شغف پیدا ہو گیا تھا (مسرت افزا اور لغاتِ مفصل پر ڈاکٹر سید محمد عبداللہ[2] سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔)

۸۱ برس کا بوڑھا جس کے ماضی کا آئینہ لہو ولعب سے زنگ آلود تھا اور حال بختی بائی (داشتہ) کی رفاقت میں غلطاں! ایسے میں اس کا شعر وادب میں منہمک رہنا حیران کن ہے۔ بقولِ فراق گورکھپوری ؂

ماتم کی انجمن ہو کہ بزمِ نشاط ہو　　　شامل ہیں اک ادائے کنارہ کشی سے ہم

بلاشبہ وہ قادر الکلام شاعر اُردو کا بہترین یورپین نمائندہ تھا۔ بالآخر اس نے ۱۵؍ جولائی ۱۸۶۱ء کو بعارضۂ پیچش انتقال کیا۔ فراسو کا مقبرہ اس کے نواسے شور میرٹھی نے ڈسٹرکٹ میرٹھ کے قصبے ہر چند پور میں تعمیر کرایا جس پر درج ذیل تحریر کندہ ہے۔

''جناب فراسو کوئن[3] نے بعارضۂ پیچش ۸۴؍ برس کی عمر میں ۱۵؍ جولائی سن ۱۸۶۱ء میں وفات پائی۔''

''بلاشبہ اینگلو انڈین شعراء میں فراسو ایک غیر معمولی شخصیت کا حامل تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] اُردو نسل کا جرمن شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء۔

[2] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۶۸۔

[3] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۲۔

# فرآسو کے معاصرین کی ادبی خدمات

فراسو کا عہد ۱۷۷۷ء تا ۱۸۶۱ء یعنی ۸۴ ربرسوں پر محیط ہے۔ اُردو ادب پر اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اثرات بالخصوص نمایاں ہیں۔ پرتگالی، ولندیزی، فرانسیسی اور برطانوی تجارتی کمپنیاں حصولِ اقتدار کے مختلف مراحل سے گزر کر اپنی اپنی حیثیتوں کو منوانے میں کوشاں رہیں۔ بالآخر نتیجہ برطانویوں کے حق میں ہوگیا اور برطانوی سرزمینِ ہند کے سیاہ و سپید کے مالک بن بیٹھے۔ کسی ملک پر قابض ہونا مشکل کام ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اس ملک پر حکومت کرنا۔ جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تو ہندوستان میں مذکورہ یورپی کمپنیوں یا اُن کے حلیفوں سے بھی بلواسطہ یا بلا واسطہ جنگیں لڑیں تھیں۔ ایک طرف ایسٹ انڈیا کمپنی اُس دور کے لحاظ سے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر رہی تھی تو دوسری طرف مذکورہ کمپنی کے علماء فضلاء ہندوستانی تہذیب و معاشرت سے یگانگت و موانست پیدا کرنے کی کوششوں میں منہمک تھے۔ صرف دلّی اور اَودھ کا ادبی منظر نامہ ادبی مجالس کی آماجگاہ نہیں تھا بلکہ کلکتہ اور بہار سے لیکر چھوٹی چھوٹی ریاستوں تک میں ادب کی اہمیت تسلیم کی جارہی تھی۔ ہندوستان میں آباد مقامی ہی نہیں بلکہ برطانویوں سے لیکر دیگر اقوامِ یورپ کے شعراء و ادباء منظرِ عام پر آرہے تھے۔ قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کے دکن سے ہوتی ہوئی شاہراہِ اُردو ادب شمال، مشرق اور مغرب تک گزرگاہِ ہندوستانی وغیر ملکی بن چکی تھی۔ اُردو زبان میں وؔلی، شاہ حاتؔم اور شعرائے ایہام گو میر تقی میؔر، میرزا رفیع سوؔدا، قائؔم، خواجہ میر دردؔ، انشاء اللہ خاں انشاؔء، مصحفؔی، ناسؔخ، آتشؔ اور شاہ نصیؔر دہلوی جیسے بے نظیر شعراء اُردو کو شاعرانہ رنگ عطا کر چکے تھے۔ اُردو زبان کے اس سرمائے کے پیشِ نظر انگریزوں یا یورپینز کے لئے بھی ناگزیر ہوگیا کہ وہ اس زبان کو سیکھیں اور برتیں۔ لہٰذا انگریزوں نے اس ضمن میں ادارے قائم کیے اور باقاعدہ اس زبان کو داستانی میدان سے علمی محل تک لے جانے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

فراسو کا عہد اس اعتبار سے اہم ہے کہ صفِ اوّل کا پہلا شاعر میر تقی میؔر اپنا ترکہ (شاعری) چھوڑ کر پیوندِ زمیں ہو چکا تھا اور صفِ اوّل کا دوسرا شاعر مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اپنی آب و تاب کے ساتھ رونق افروز تھا۔

شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد ذوقؔ کی محاوراتی عملداری جاری تھی۔ نثر کے حوالے سے سب رس[1]، نوطرزِ مرصّع[2]، باغ و بہار[3]، فسانۂ عجائب[4]، رانی کیتکی[5] کی کہانی اور دریائے لطافت[6] جیسی تخلیقات منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔

اٹھارہویں صدی میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے نئی حکمتِ عملی وضع کی۔ اور وارن ہسٹنگز[7] کے سیاسی تدبّر نے مشنریوں کے مذہبی تعصبات سے ہٹ کر مشرقی تہذیب وثقافت کے لئے عملی اقدامات کیے اور یہ وارن ہسٹنگز کی خوش قسمتی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو سر ولیم جونز میسّر تھا۔

---

۱ سب رس (اُردو کی نثری داستان) از ملّا وجہی

۲ نوطرزِ مرصّع (اُردو کی نثری داستان) از عطا حسین خاں تحسین

۳ باغ و بہار (اُردو کی نثری داستان) از میر امن دہلوی

۴ فسانۂ عجائب (اُردو کی نثری داستان) از رجب علی بیگ سرور

۵ رانی کیتکی کی کہانی (اُردو کی نثری داستان) از انشاء اللہ خاں انشاء

۶ دریائے لطافت (اُردو کی نثری داستان) از انشاء اللہ خاں انشاء

۷ اٹھارہویں صدی میں برطانوی پالیسی پدرانہ شفقت کے اصول پر مبنی تھی۔ اس لئے اس میں وہ زہر شامل نہیں ہے جو مذہب کی بنا پر مشنریوں کی تحریروں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ حکومت اور رعایا کے درمیان مفاہمت کی تلاش کا یہ پہلا مرحلہ تھا کہ وارن ہسٹنگز نے ''مشرقیات'' کے لئے عملی اقدامات کیے۔ کلکتہ مدرسہ اور ہندو کالج بنارس مشرقی علوم کے مرکز بنے۔ لیکن زبان اور ادبیات کے لئے اس سے بھی زیادہ اہم اقدام وہ تھے جو مستشرقین کے کارناموں کی حوصلہ افزائی اور ایشیاٹک سوسائٹی کی تاسیس کا سبب بنے۔ یہ دور اس لحاظ سے یادگار ہے کہ اس میں سر ولیم جونز کے پائے کا مستشرق گزرا ہے جسے ایک سے زیادہ اسباب کی بنا پر مشرقیات کا بانی کہا جا سکتا ہے۔ یہ دور اس لئے بھی یادگار ہے کہ جونز کا لگایا ہوا پودا ایشیاٹک سوسائٹی اس قدر پھلا پھولا کہ یورپ میں مشرقیات میں بیش از بیش دلچسپی پیدا ہوگئی اور اس کے بعد سے یورپ میں اِکّا دُکّا مستشرقین کی جگہ ایک مستقل روایت کی بنیاد پڑی اور مشرقی زبانوں کے بارے میں یورپ کی مختلف زبانوں میں علم و ادب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

[ اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد سالِ اشاعت اپریل ۱۹۸۵، صہ ۴۳ ]

ولیم جونز[۱] ۱۷۸۳ء میں کلکتہ ہندوستان میں وارد ہوا اور جنوری میں اس نے ایشیا ٹک سوسائٹی کے قیام کا منصوبہ پیش کیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال، فورٹ ولیم کالج[۲] اور دہلی کالج[۳] ایسے ادارے تھے کہ جن کے ذریعے ہندوستانی ادب بالخصوص اُردو ادب میں نئے نظریات کو فروغ ہوا۔ نیز فنِ تحقیق کو بھی جلا ملی۔

فراسو کے معاصرین کے ضمن میں ہم اُن غیر ملکی قلم کاروں تک ہی محدود رہیں گے جن کی خدمات فراسو کے عہد سے جڑی ہوئی ہیں۔ نیز نثر اور شاعری کی مماثلتیں بھی مذکورہ اہلِ قلم میں نمایاں ہیں۔ پیارے لال شاکر[۴] کے ''آبِ حیات'' پر تنقیدی تبصرے کے باوجود ہم فراسو کے عہد سے منسلک غیر ملکیوں کو ہی مقالے کی زینت بنائیں گے کیونکہ یہ مقالہ فراسو کی فن و شخصیت کے حوالے سے تحریر کیا جا رہا ہے کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ''کند ہم جنس باہم جنس پرواز'' کے مصداق معاصرینِ فراسو کا احوال اس مقالے میں مرقوم ہے۔

---

۱۔ ولیم جونز سے قبل مغربی مصنفین کی خاصی تعداد میدان میں آ چکی تھی جو اپنے اپنے طور پر مشرقی زبان، ادب، فلسفہ، تاریخ اور عمرانیات میں علمی و تحقیقی کام کر رہی تھی۔ چارلز ول کنز (Charles Wilkins)، نتھینیل ہال ہیڈ (Nathaniel Holhed)، جان شور (John Shore)، فرانسس گلیڈون (Francis Gladwin) جان کارنک (John Carnac)، جونیتھن ڈنکن (Jonathan Duncan) اور ولیم چیمبرز (William Chambers) کے نام محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔

ولیم جونز (۱۶۸۰ء-۱۷۴۹ء) ویلز کا باشندہ تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی اپنے والدین کے زیرِ سایہ بہت معمولی حالات میں گزری۔ بعد میں وہ بہت غیر معمولی قابلیت کا انسان ثابت ہوا۔ ۱۷۶۴ء میں اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۷۸۳ء میں ولیم جونز کو نائٹ (Knight) بنا دیا گیا۔

[اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد سالِ اشاعت اپریل ۱۹۸۵ء، صہ ۴۴]

۲۔ اربابِ نثرِ اُردو از مولوی سید محمد صاحب، تیسرا ایڈیشن، سالِ اشاعت ۱۹۵۰ء، لاہور۔

۳۔ مرحوم دہلی کالج از مولوی عبدالحق۔

۴۔ آزاد نے کسی بھی دوسری نسل کے اُردو شاعر کو آبِ حیات میں جگہ نہیں دی۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ اس زمانے کے یورپین اُردو شعرا کو شاہ نصیر سے تلمذ تھا۔ اور شاہ نصیر اور حضرت ذوق کے بگاڑ کے باعث شاگردانِ ذوق کو شاہ نصیر اور ان کے شاگردوں سے للّٰہی بغض تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

فراسو کا نثری میدان لغت نویسی اور قصہ نگاری ہے۔ اس مناسبت سے میدانِ لغت نویسی میں تو نہ صرف اس کے ہمسر بلکہ اس سے بہتر لغات وقواعد نویس بھی پائے جاتے ہیں۔ جبکہ اینگلو انڈین یا غیر ملکیوں میں وہ واحد شخص ہے کہ جس نے قصہ لکھ کر پہلا قصہ نگار[۱] ہونے کا شرف حاصل کیا۔ فراسو کے معاصرینِ لغات وقواعد نویس حسبِ ذیل ہیں:

فراسو سے قبل فنِ لغات وقواعد میں کیٹلر، بنجمن شلز ے اور ہیڈ لے نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔ جبکہ ہیڈ لے کے متعدد ایڈیشن[۲] ۱۸۰۹ء تک شائع ہو چکے تھے۔ فراسو کے ہمعصر قواعد ولغات نویس انیسویں صدی کی پہلی دہائی سے منظرِ عام پر آنا شروع ہوئے۔ سب سے قد آور نام جان گلکرسٹ کا ہے کہ جس نے اُردو کے لئے بیش بہا کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔

## جان گلکرسٹ/گلکر ائسٹ:

ڈاکٹر جان بارتھ وک[۳] (باتھ وچ) ۱۷۵۹ء میں ایڈنبرا، اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم ایڈنبرا میں پائی اور ایڈنبرا کے مشہور میڈیکل کالج جارج ہیرٹ ہسپتال سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستان میں روز افزوں ترقی انگلستان واسکاٹ لینڈ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے کشش کا باعث تھی۔ جان گلکرسٹ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہو کر ۱۷۸۲ء میں ہندوستان وارد ہوا۔ اور کمپنی میں بحیثیت طبی عہدیدار مقرر ہوا۔ پہلی تقرری بمبئی میں ہوئی اور ایک سال کے بعد اُسے کلکتہ بھیج دیا گیا۔

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اگر آزاد نے اس بے توجہی اور جانب داری سے کام نہ لیا ہوتا تو بہت سے اُردو شعرا کا کلام مٹ نہ جاتا۔ صاحب کے علاوہ ڈائس سومبر، طوماس، اسیر، فراسو وغیرہ اس زمانے کے ممتاز یورپین اُردو شعراء تھے۔ اور اتفاق سے سب شاہ نصیر ہی کے شاگرد تھے۔ آبِ حیات کا ان سب کے تذکرہ سے بالکل عاری ہونا محض سہو پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہی ہو سکتی ہے۔

[جرمن نسل کا ایک اُردو شاعر، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۷۳]

۱۔ قصہ عشق افزا، سلسلہ نمبر ۵۰۸، قومی عجائب گھر پاکستان کراچی۔

۲۔ اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۲۸۔

۳۔ مس رضیہ نور محمد نے اپنی کتاب ''اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' میں صفحہ ۶۸ پر بارتھ وک گلکرسٹ کو باتھ وچ تحریر کیا ہے۔

گلکرسٹ اپنی لغت کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان آنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ جب تک میں اس ملک کے باشندوں کی عام زبان سے کما حقہ واقف نہ ہو جاؤں نہ میں اپنے فرائضِ خدمت خاطر خواہ طریقے پر انجام دے سکتا ہوں نہ خود مجھے اس ملک میں زندگی بسر کرنے میں لطف ملے گا''[1]

جان گلکرسٹ کے قیامِ ہندوستان ۱۷۸۲ء تا ۱۸۰۴ء کا سرسری جائزہ اور ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد[2] کی تحقیق بصیرت کا آئینہ حسب ذیل ہے:

## پہلا دور-۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۸ء تک

| | |
|---|---|
| ۱۷۸۲ء- | ہندوستان میں ورود۔ |
| | ہندوستانی زبان کی تحصیل کا آغاز۔ |
| | ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجی طبی ملازمت اور سورت میں قیام۔ |
| ۱۷۸۳ء- | سورت سے فتح گڑھ تبادلہ۔ |
| ۱۷۸۵ء- | ہندوستانی زبان کے قواعد ولغت کا مواد فراہم کرنے کے لئے ایک سال کی رخصت کی منظوری۔ |
| | بعد ازاں اس میں اضافہ۔ |
| | شمالی ہند کا سفر اور فیض آباد میں قیام۔ |
| ۱۷۸۷ء- | لغت کی طباعت کے لئے کلکتے کا سفر۔ |
| ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۵ء تک- | غازی پور میں قیام۔نیل کی کاشت وتجارت۔ |
| ۱۷۹۰ء- | لغت کی طباعت کے سلسلے میں لغت کے حقوق کا رہن،لغت کی طباعت کی تکمیل۔ |
| ۱۷۹۶ء- | ہندوستانی زبان کی قواعد کی اشاعت۔ |
| ۱۷۹۸ء- | ضمیمہ اور مشرقی زباندان کی اشاعت۔ |

---

[1] ارباب نثرِ اُردو از مولوی سید محمد صاحب،تیسرا ایڈیشن،سال اشاعت ۱۹۵۰ء لاہور،صہ ۱۹۔

[2] اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد،صہ ۷۰ تا ۷۲۔

## دوسرا دور- ۱۷۹۹ء سے ۱۸۰۰ء تک

۱۷۹۹ء- گلکرسٹ کے مدرسے کا قیام (جنوری ۱۷۹۹ء)
معلمی کی زندگی کا آغاز۔

۱۸۰۰ء- مدرسے کا خاتمہ۔
خدمات کا اعتراف۔

## تیسرا دور- ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۴ء تک

۱۸۰۰ء- فورٹ ولیم کالج کا قیام۔
ہندوستانی پروفیسر کے عہدے پر تقرر۔
کالج میں تصنیف و تعلیم کے دوسرے دور کا آغاز۔

۱۸۰۲ء- ہندوستانی پریس کا قیام۔

۱۸۰۴ء- ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۴ء تک بارہ کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت، استعفیٰ اور مراجعتِ وطن۔

(الف) گلکرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کی تصانیف۔
(ب) مستشرقین کی سرپرستی میں مقامی باشندوں کی مساعی۔
(ج) کالج کی محدود چار دیواری سے باہر اُردو کتابوں کی نشر و اشاعت۔

فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستان میں ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۰ء تک جو مستشرق صدارت کے منصب پر فائز رہے، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) گلکرسٹ ۱۸۰۰ء تا ۲۴ر فروری ۱۸۰۴ء۔
(۲) کیپٹن جیمز مویٹ (Movet) ۱۸۰۹ء۔
(۳) کیپٹن جے ڈبلیو ٹیلر (Taylor) ۱۸۱۱ء۔
(۴) ولیم پرائس (Price) ۱۸۲۷ء۔
(۵) کرنل مارشل (سیکرٹری کالج) ۱۸۴۶ء۔

ڈاکٹر گلکرسٹ کی تصنیفات و تالیفات[۱] کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ انگریزی ہندوستانی لغت (دوجلدیں) A Dictionary English and Hindostanee.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۷۸۶ء-۱۷۹۰ء، طبعِ دوّم ایڈنبرا ۱۸۱۰ء، طبعِ سوم لندن ۱۸۲۵ء، طبعِ چہارم لندن ۱۸۵۰ء۔

۲۔ ہندوستانی زبان کے قواعد۔ A Grammer of the Hindostanee Language.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۷۹۶ء، طبعِ دوّم ۱۸۰۹ء۔

۳۔ ضمیمہ (لغت و قواعد)۔ The Appendix.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۷۹۸ء۔

۴۔ مشرقی زباں داں۔ The Oriental Lingust.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۷۹۸ء، طبعِ دوّم کلکتہ ۱۸۰۲ء۔

۵۔ ہندوستانی زبان پر مختصر مقدمہ۔ The Anti-jargonist.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۰ء۔

۶۔ نو ایجاد یعنی نقشہ افعالِ فارسی مع مصدرات آں و مترادف ہندوستانی۔

A New Theory and Prospects of Persian Verbs.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۱ء، طبعِ دوّم کلکتہ ۱۸۰۴ء۔

۷۔ ہندی کی آسان مشقیں۔ Hindee Exercises.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۱ء۔

۸۔ معلم ہندوستانی۔

The Strangers-East India Guide to the Hindoostanee , or Grand Popular Language of India.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۲ء، طبعِ دوّم لندن ۱۸۰۸ء، طبعِ سوم ۱۸۳۰ء۔

---

[۱] فورٹ ولیم کالج از ضمیر نیازی، صہ ۹۲ تا ۹۴، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت اپریل ۱۹۸۱ء۔

۹۔ بیاضِ ہندی (دو جلدیں)۔ The Hindee Manual or Casket of India.

طبع اوّل کلکتہ ۱۸۰۲ء۔

۱۰۔ عملی خاکے۔ Practical Outlines or A Sketch of Hindostani Orthoapy in the Roman Characters.

طبع اوّل کلکتہ ۱۸۰۲ء۔

۱۱۔ ہندی الفاظ کی قرأت۔ The Hindee Roman Orthoapical Ultaimatum.

طبع اوّل کلکتہ ۱۸۰۴ء۔

۱۲۔ اتالیقِ ہندی۔ The Hindee Moral Perceptor.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۳ء، طبع دوّم ۱۸۲۱ء۔

۱۳۔ ہندی عربی آئینہ۔ Hindi Arabic Mirror.

طبع اوّل کلکتہ ۱۸۰۴ء۔

۱۴۔ مکالماتِ انگریزی و ہندوستانی۔ English-Hindee Dialogue.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۴ء، اس کے علاوہ لندن اور ایڈنبرا سے بھی ایک ایک ایڈیشن طبع ہو چکا ہے۔

۱۵۔ مشرقی حصے۔ The Oriental Fabulist.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۳ء ، طبعِ دوّم ایڈنبرا ۱۸۰۹ء۔

۱۶۔ ہندی داستان گو۔ The Hindee Story Teller.

طبعِ اوّل کلکتہ ۱۸۰۳ء، طبعِ دوّم کلکتہ ۱۸۰۶ء۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی اُردو سے محبت اور فورٹ ولیم کالج میں اُردو زبان وادب کے فروغ کے لئے ان کا مثالی کردار نا قابلِ فراموش ہے۔ جان گلکرسٹ کی خدمات کے حوالے سے بہت[۱] کچھ لکھا گیا۔

آج اُردو زبان لسانی اعتبار سے کسی بھی اہم زبان کے ہم پلہ قرار دی جاسکتی ہے۔ یقیناً اُردو زبان (قواعد ولغت) کے حوالے سے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی کہ وہ اُردو زبان کے ابتدائی کارواں کا غیر ملکی میرِ کارواں تھے۔

گلکرسٹ کے علاوہ لغت نویسی کے اعتبار سے ڈاکٹر ہارس[۲] (Hariss) نے Dictionary of the Hindi Language تالیف کی، جو مدراس سے شائع ہوئی۔ ڈاکٹر جوزف ٹیلر[۳] (Dr. Joseph Taylor) نے فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہندوستانی عالموں کی مدد سے A dictionary Hindustani and English تیار کی۔ جسے بعدازاں ڈبلیو ہنٹر (W. Hunter) نے ۱۸۰۸ء میں شائع کیا۔

---

۱؎ ۱۔ تاریخِ ادبِ اُردو از رام بابو سکسینہ۔

۲۔ داستانِ تاریخِ اُردو از حامد حسن قادری۔

۳۔ اہلِ یورپ نے اُردو کی کیا خدمت کی از مولوی عبدالحق، رسالہ اُردو، جنوری ۱۹۲۴ء۔

۴۔ قواعدِ اُردو از مولوی عبدالحق۔

۵۔ گلکرسٹ اور اس کا عہد از عتیق صدیقی۔

۶۔ اربابِ نثرِ اُردو از مولوی سید محمد صاحب۔

۷۔ اُردو نثر کا ارتقاء از جمیل نقوی، صہ ۱۰۳۰ تا ۱۰۳۱، رسالہ مشرب مقالات نمبر، جلد ۱/۸، شمارہ ۱/۱، سالِ اشاعت ۱۹۰۷ء۔

۸۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ از مولوی عبدالحق، صہ ۱۹، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء۔

۹۔ اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان از پروفیسر ایس کے حسنی، صہ ۱۵۹-۱۶۰، رسالہ افکار ''برطانیہ میں اُردو'' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء۔

۲؎ ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار/برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۰۔

۳؎ ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار/برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۰۔

ایم ٹی ایڈم[1] نے The Dictionary in Hindi and English تالیف کی اور پھرٹی تھامسن[2] نے اسی قسم کا لغت ترتیب دیا۔ ۱۸۱۷ء میں جان شیکسپیر[3] نے The dictionary of Hindostani and English تالیف کی۔ ۱۸۱۱ء میں روبوک[4] نے بحری اصطلاحات کا ایک لغت ترتیب دیا۔ ڈاکٹر روزاریو[5] (Dr. Rozaris) نے The Dictionary English, Bengali, Hindustani تالیف کی۔ اس طرح ہنری گرانٹ[6] نے ۱۸۵۰ء میں ایک لغت ترتیب دیا۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ[7] نے تفصیل سے ان غیر ملکی مصنفین اُردو کا بھی ذکر کیا جن کی تصانیف فراسو کے عہد میں منظرِ عام پر آئیں اور یقیناً ان میں سے کئی کتب سے فراسو بھی مستفید ہوا ہوگا۔ ملاحظہ کیجئے:

## دیروزیو:

پورا نام لوئس دیودیان دیروزیو تھا۔ لیکن آپ صرف مختصر نام دیو دیروزیو سے ہی جانے جاتے ہیں۔ ۱۸۰۹ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے تھے۔ تھے تو فرانسیسی لیکن انگریزی کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ کچھ عرصہ تک آپ ہندو کالج کے پروفیسر بھی رہے ہیں۔ آپ نے بنگال کے نوجوان طلبہ میں نئی روشنی کی روح پھونکی اور انھیں آزاد خیال بنانے کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ افسوس کہ عہدِ جوانی یعنی ۲۲ رسال کی عمر پا کر ۲۶ ردسمبر ۱۸۳۱ء کو آپ انتقال کر گئے۔ دیروزیو پروفیسر ہونے کے علاوہ اچھے شاعر اور آزاد خیال صحافی بھی تھے۔ اور 'ایسٹ انڈیا' نامی ایک انگریزی جریدہ نکالا کرتے تھے۔ آپ کی صرف ایک اُردو تصنیف کا پتہ چلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُردو زبان سے آگاہ تھے اور شاید یہی ان کی اُردو دانی کا واحد ثبوت ہے۔ یہ ہے ''انگریزی، بنگلہ اور ہندوستانی لغت'' جو کہ ۱۸۳۵ء میں یعنی آپکی موت کے بعد رومن حروف میں چھپی۔ اس کے ۵۰۰ صفحات ہیں۔

---

[1] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۰۔

[2] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۰۔

[3] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۰۔

[4] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۱۔

[5] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۱۔

[6] ''اُردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۶۲۔

[7] ''بنگال کے انگریز مصنفین اُردو''، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۸۶ تا ۱۹۵۔

اور ایک اشتہار جو کہ ہفت روزہ 'سماچار درپن' مورخہ ۲۸/ مارچ ۱۸۳۵ء میں ہے کے مطابق اس کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے تھی۔

## کپتان ٹیلر:

ان کا اصل نام جوزف ٹیلر تھا۔لیکن چونکہ آپ کپتان تھے۔اس لئے کپتان ٹیلر کے نام سے مشہور ہوئے۔ جن انگریزوں نے اُردو زبان کی خدمت کی ہے ان میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ اور کپتان روبک کے بعد آپ ہی کا نام آتا ہے۔آپ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے شعبۂ ہندوستانی کے پروفیسر تھے۔آپ کی ایک تصنیف اُردو انگریزی لغت کے کئی کئی ایڈیشن چھپے ہیں۔یہ تصنیف ۱۸۰۸ء کی ہے۔اس کے دو حصے ہیں جو ہندوستانی پریس میں ڈبلیو ہنٹر ایم ڈی کی نگرانی میں چھپے۔اس کا مختصر ایڈیشن ولیم کارسیکل اسمتھ نے ۱۸۲۰ء میں شائع کیا۔کپتان ٹیلر کا ذکر ہم ہر اس تصنیف میں پاتے ہیں جس میں فورٹ ولیم کالج کے دور کا ذکر شامل ہے۔

## کپتان تھامس روبک:

روبک ۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۷ء تک فورٹ ولیم کالج کے نائب سیکرٹری تھے۔آپ کی سوانح حیات (بزبانِ انگریزی) آپ کے ایک دوست ہوائس ہائمن ولسن نے لکھی ہے۔تھامس روبک بمقام لن لتھ گروشائر ۱۷۸۴ء میں پیدا ہوئے۔۱۸۰۱ء میں آپ انگلستان کے لئے روانہ ہوئے اور ہندوستان ہی میں آپ نے اُردو سیکھی اس کے بعد ویلور (مدراس) میں قائم مقام ٹاؤن میجر کے عہدے پر مقرر ہوئے۔خرابیٔ صحت کی وجہ سے ۱۸۰۵ء میں وطن لوٹ گئے۔جہاں تین سال تک آپ کا قیام رہا۔اس دوران میں انگلستان میں آپکی ملاقات ڈاکٹر گلکرسٹ سے ہوئی اور آپ نے اُردو تصانیف کے کام میں ان کی مدد کی۔۱۸۱۰ء میں پھر روبک ہندوستان لوٹ آئے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے۔آپ کا انتقال ۸/دسمبر ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں ہوا۔آپکی قبر کلکتہ کے پارک اسٹریٹ کے عیسائی قبرستان میں موجود ہے جس پر سنہ ولادت ۱۷۸۴ء درج ہے، حالانکہ آپ کی سوانح حیات کے مصنف کے مطابق آپ ۱۷۸۱ء میں پیدا ہوئے۔لیکن میرے خیال میں قبر پر جو سنہ درج ہے وہی درست ہے۔

تھامس روبک کے دور میں فورٹ ولیم کالج سے اُردو کی بہت سی کتابیں نکلی اور تقریباً اُن تمام مصنفین نے روبک کی علم دوستی کا خوب ذکر کیا ہے۔خود روبک نے بھی اُردو میں تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے۔آپ کی حسب ذیل کتابوں کے سلسلے میں معلومات ملی ہیں:

۱۔ لغت جہاز رانی: شاید اُردو زبان میں جہاز رانی کے الفاظ کی تشریح و معنی بتانے والی یہی واحد لغت ہے۔ جہاز رانی کے الفاظ و اصطلاحوں کے علاوہ اس لغت میں میدانِ جنگ اور بارکس میں استعمال ہونے والے اُردو الفاظ و محاورات کی تشریح بھی بزبانِ انگریزی کی گئی ہے۔ یہ اہم لغت ہندوستانی پریس سے ۱۸۱۱ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ دو سال کے بعد اس کا ایک اور ایڈیشن لندن میں بھی چھاپا گیا۔

۲۔ قواعدِ ہندی: قواعد اُردو کی یہ کتاب اسکول کے نصاب میں شامل رہی ہے اور پہلی بار ۱۸۱۸ء میں ۲۰۰۰ر کی تعداد میں کلکتہ اسکول بک سوسائٹی نے اسے چھاپ کر شائع کیا۔

۳۔ امثالِ فارسی و اُردو: اس کتاب کو ڈبلیو ہنٹر نے شروع کیا تھا لیکن اسے کپتان روبک نے مکمل کیا۔ اور ۱۸۲۴ء میں یہ کتاب مطبع ہندوستانی کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوئی۔

## ڈبلیو ہنٹر:

ڈبلیو ہنٹر یعنی ڈاکٹر ولیم ہنٹر ۱۷۵۵ء میں بمقام منٹروسی (اسکاٹ لینڈ) پیدا ہوئے۔ ۱۷۸۱ء میں بحیثیت ایک میڈیکل افسر آپ ہندوستان آئے۔ آپ دو بار ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) کے سیکرٹری بھی منتخب ہوئے۔ یعنی مئی ۱۷۹۸ء تا مارچ ۱۸۰۲ء اور اپریل ۱۸۰۴ء تا اپریل ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۰۱ء میں آپ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ہندوستانی اگزامینر ہوئے اور ۱۸۰۵ء میں ہندوستانی زبان کے نائب پروفیسر۔ اس عہدے پر ۱۸۱۱ء تک رہے اور ملازمت کے بعد جاوا چلے گئے جہاں بمقام بٹاوی آپ نے ۵۷ر سال کی عمر پاکر انتقال فرمایا۔

ڈاکٹر ہنٹر کی اُردو انگریزی لغت اپنے دور کی مشہور لغت رہی ہے جو ۱۸۰۸ء میں چھپی۔ اس کے علاوہ آپ نے دیگر چند اُردو تصانیف میں بھی ہاتھ بٹایا ہے۔ مثلاً انجیل کا ترجمہ جو مرزا محمد فطرت نے 'عہدِ جدید' کے نام سے کیا۔ اس پر آپ نے نظرِ ثانی کی اور ۱۸۰۵ء میں اسے پریس کلکتہ سے چھاپ کر شائع کیا۔

## ایچ مارٹن:

شاید آپ کا تعلق سی رام پور مشن سے تھا۔ چونکہ مرزا محمد فطرت نے ۱۸۱۴ء میں انجیل کا جو ترجمہ کیا وہ آپ کی نگرانی میں چھپا۔ اس انجیل کا عنوان ''انجیل یعنی وثیقہ جدید حضرت عیسیٰ علیہ السلام'' ہے۔ اور اس کے صفحات ۹۳۸ ہیں۔ آپ کی ایک اور تصنیف کا نام 'دعائے عام کی کتاب' ہے۔ اس میں ایسے گیت (دعائیں) درج ہیں جو چرچ میں گائے جاتے تھے۔ اس کتاب کے صفحات ۱۶۷ ہیں اور ۱۸۱۴ء میں چھپی ہے۔ اس کے بعد بھی اس کے کئی

ایڈیشن چھپے ہیں۔

### پادری فانڈر:

آپ ''میزان الحق'' نامی ایک کتاب کے مصنف ہیں۔ جواسی نام کی فارسی تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے۔ پادری صاحب نے کلکتہ ٹراکٹ سوسائٹی کے لئے آرفن اسکول پریس مرزاپور کلکتہ سے ۱۸۴۳ء میں اسے چھاپ کر شائع کیا۔ اصل فارسی تصنیف ۱۸۳۳ء کی ہے۔ اور اُردو ترجمہ ۱۸۴۱ء میں ہوا تھا۔ اور طباعت ۱۸۴۳ء ہوئی۔ پادری صاحب نے اس تصنیف میں مسلمانوں کو عیسائی مذہب کی روشنی میں چند نصیحتیں کی ہیں۔ کتاب میری نظر سے گزری ہے جوان اشعار کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

غرض جو میری نصیحت تھی سو کیا میں نے
خدا کو سونپ کے تجھ کو میں کوچ کرتا ہوں
گر اس کو شوق سے تو نے سُنا، سُنا نہ سُنا
ہے قاصد کا فقط پیغام صرف پہنچانا (کذا)

### ایس سلاٹر صاحب:

ایس سلاٹر صاحب بپٹسٹ کالج کلکتہ کے پروفیسر تھے۔ آپ کی دو کتابوں کا مجھے علم ہوا ہے۔ جن میں سے ایک ''صرف ونحوِ اُردو'' میری نظر سے گزر چکی ہے۔ یہ نصاب میں شامل تھی اور بپٹسٹ کالج کلکتہ میں ۱۸۴۹ء میں چھپی اس کے صفحات ۶۴ ہیں اور کتاب پر فورٹ ولیم کالج کی مہر بھی ہے۔ آپ کی دوسری تصنیف کا نام ''سرچشمۂ محبت'' ہے۔ جو ۱۸۶۰ء میں چھپی ہے۔ یہ کتاب عیسائی مذہب کے سلسلے میں ایک تبلیغی تصنیف ہے۔ اس کے صفحات ۱۰۰ ہیں۔

### کپتان ایچ جی ہنسٹ:

آپ کی ایک تصنیف کا نام ''فارسی اُردو خط وکتابت'' ہے۔ جو ۱۸۴۳ء میں کلکتے سے چھپ کر شائع ہوئی۔ اس تصنیف کو مکمل کرنے کے سلسلے میں منشی نعمت خاں نے مسٹر ہسنٹ کی مدد کی تھی۔

۹۔ <u>ولیم ایٹس ڈی۔ڈی:</u>

ایٹس کی شہرت کی وجہ ان کی سنسکرت زبان کی گرامر ہے۔لیکن ولیم ایٹس سنسکرت اور بنگلہ کے علاوہ اُردو کتابوں کے بھی مصنف تھے۔ان کی اُردو تصانیف کا مقصد یوروپین حضرات کو یہ مقبول زبان سکھانا تھا۔ولیم ایٹس ۲۵/دسمبر ۱۷۹۲ء کو اپنے وطن لوہبارو گ میں پیدا ہوئے۔عیسائی مشن والوں کی ٹولی میں شامل ہو کر وہ ہندوستان آئے۔ان کا جہاز ۲/اپریل ۱۸۱۵ء کو مدراس کی بندرگاہ میں پہنچا اور ۱۶/اپریل کو وہ کلکتہ پہنچے۔مسٹر ایٹس نے ہندوستان میں سنسکرت، بنگلہ، اُردو اور ہندی زبانوں کی تعلیم حاصل کی، کیونکہ ان زبانوں کو جانے بغیر وہ یہاں عیسائی مشن کا کام بخوبی نہیں دے سکتے تھے۔راجا رام موہن رائے سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔اور انھیں قوی امید تھی کہ رام موہن رائے عیسائی ہو جائیں گے۔ جب اُنھیں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تب وہ رام موہن رائے کے مخالفین میں شامل ہو گئے۔مسٹر ایٹس کلکتہ اسکول بک سوسائٹی کے شعبہ بنگلہ و سنسکرت کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔آپ کی اُردو تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ <u>انٹروڈکشن ٹو ہندوستانی:</u> اس تصنیف کے تین حصے ہیں۔ پہلے میں اُردو گرامر، دوسرے میں الفاظ اور تیسرے میں چند اسباق ہیں۔ یہ کتاب رومن حروف میں چھپی ہے۔مصنف نے دیباچے میں مقصد تصنیف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب ان یوروپین حضرات کے لئے ہے جو ہندوستان میں ہیں اور جن کے لئے اُردو سیکھنا ضروری ہے۔کتاب کے ۳۲۶ صفحات ہیں اور ۱۸۲۷ء میں بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ نے اسے چھاپ کر شائع کیا ہے۔

۲۔ <u>ہندوستانی انگریزی لغت:</u> مصنف پیشِ لفظ میں لکھتا ہے کہ اُس نے اس لغت میں سنسکرت آمیز یا ہندوی الفاظ کو شامل نہیں کیا ہے۔لیکن یہ بات نہ تو درست ہے نہ ہی ممکن ہے کیونکہ اُردو ہندوستانی زبان ہے جس میں بے شمار الفاظ سنسکرت سے آئے ہیں یا ہندوستان کی دیگر پراکرت زبانوں سے۔ ہاں، مصنف چونکہ سنسکرت سے واقف تھے اس لئے انھوں نے اس بات کی کامیاب کوشش کی ٹھیٹھ سنسکرت الفاظ سے ان کی لغت پاک رہے۔ دیباچے کی تاریخ جنوری ۱۸۴۷ء ہے اور ۱۸۴۷ء ہی میں یہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سے چھپ کر شائع ہوئی۔اس کے صفحات ۵۸۴ ہیں۔

۳۔ نقلیاتِ دل کش: انگریزی کتاب دی پلیزنگ انسٹرکٹر (The Pleasing Instructor) کا یہ اُردو ترجمہ ہے ۔ یہ کتاب اسکول کے بچوں کے لئے تھی۔ صفحات ۲۴ ہیں۔ اور کلکتہ اسکول بک سوسائٹی نے ۱۸۳۸ء میں اسے شائع کیا۔ اس کے اور بھی کئی ایڈیشن نکلے ہیں۔ مثلاً ۱۸۴۵ء کا ایڈیشن۔ ۱۸۴۵ء میں جب آپ وطن جارہے تھے تب جہاز ہی میں ۳ر جولائی ۱۸۴۵ء کو ۵۲ر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی تحقیق کے مطابق جو کچھ ان کی کدو کاوش کے ذریعے سوانحی مواد میں بنگال کے انگریز مصنفین کی نثری کتب دستیاب ہوسکیں اس پر انھوں نے عمدگی سے تبصرہ کیا۔ نیز امکانِ تحقیق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بات کا بھی اعادہ کیا کہ ممکن ہے ابھی اور مصنفین ایسے ہوں کہ جن کے بارے میں ہم بے خبر ہوں۔ بہر حال مؤلف کے خیال میں فنِ تحقیق کسی بھی شخصیت یا کائنات کو زمان ومکان کے تناظر میں قدرے شناسائی سے ہمکنار کرتا ہے۔ جبکہ شناسائی کا عمل جاری رہتا ہے۔ اور آنے والے محققین اس شناسائی میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

عہدِ فراسو کے نثری احوال سے یہ بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے غیر ملکیوں یا انڈو یورپینز کی طرح فراسو میں بھی زبان دانی کی جستجو تھی۔ اور یہی جستجو شاہ نصیر کی شاگردی میں دو چند ہوگئی ہوگی۔ چونکہ اس نے اُردو انگریزی لغت تالیف نہیں کی، اس نے فرانسیسی، جرمنی یا انگریزی کتب کا کوئی ترجمہ بھی پیش نہیں کیا بلکہ اس نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میں اُردو کے ٹکسال سے بھی واقف ہوں۔ نیز لکھنؤ کی آرائشی نثر بھی میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ غیر ملکیوں یا انڈو یورپینز نے تو متذکرہ بالا کتب کی تالیف، ہندوستانی کلچر کو اپنے ہم وطنوں کو سمجھانے اور خود سمجھنے کے لئے کی تھی۔ جبکہ فراسو کا معاملہ قطعاً اس کے برعکس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لغاتِ مفصّل انسائیکلوپیڈیا کی روش لئے ہوئے ہے۔

انڈو یورپینز[۱] کی علمی و ادبی سرگرمیاں بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حاکمیت کے بعد نمایاں تر ہونے لگیں۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ کرک پیٹرک ولیم (Kirk Patrick William) نے ٹیپو سلطان کی ڈائری اور خطوط کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ہندوستانی چاہے کتنی ہی انگریز کے دورِ غلامی سے نفرت کریں لیکن ان کے علمی و ادبی کارنامے اپنی مثال آپ ہیں۔

---

[۱] اُردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ از مس رضیہ نور محمد، صہ ۵۴۔

## فراسو کے معاصرین شعراء

فراسو چونکہ شاہ نصیر دہلوی کا شاگرد تھا۔ اس اعتبار سے پہلے فراسو کے معاصرین شعراء حسبِ ذیل ہیں:

### ا۔ اسیر:[1] Aseer

نام بلتھر یا مسٹر برٹرام، یورپین تھے۔ سمرو کی بیگم کے بیٹے ظفریاب خاں صاحب کے خاص دوست تھے۔ اور شاگردِ شاہ نصیر۔ نمونۂ کلام:

خانے میں چشم کے نہیں یہ لختِ دل اسیر　　　میں طفل اشک کے یہ کبوتر نگار بند

---

شمع فانوس میں درپردہ جلے ہے دیکھو　　　شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

---

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں　　　کہ سکتے کی سی حالت ہے نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں

---

اسیر[2] کے اصل نام کے بارے میں خاصے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ خم خانۂ جاوید اور یورپین شعرائے اُردو میں اس کا نام بلتھازر (Balthazar) تحریر ہے۔ لیکن قدرت اللہ قاسم کے مجموعۂ نغز میں اس کا نام برٹرام (Bertram) تحریر ہے۔ وہ شمرو کے بیٹے نواب ظفریاب خاں کا دوست تھا۔ اور شاعری میں شاہ نصیر دہلوی کا شاگرد تھا۔

---

[1] تذکرۂ تلامذۂ شاہ حاتم دہلوی از عبدالرشید عصیم، صہ ۲۱۴۔

[2] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۱۹ تا ۲۲۰۔

فراسو کے مرتب کردہ تذکرے ''شمس اللہ کۂ'' میں اسیرؔ کی چودہ غزلیں ہیں۔ جو ظفر یاب خان کے ہاں منعقدہ مشاعروں کے دوران بمقام دہلی پڑھی گئیں۔

## نمونۂ کلامِ اسیرؔ [۱]

نکالی وضع سادی عالمِ تصویر کیا باعث ۔۔۔ کڑوڑا چھڑے پہنے نہیں زنجیر کیا باعث
جنوں ہم سے ہوئی کیا اسقدر تقصیر کیا باعث ۔۔۔ جو ہوتا ہے ہمارا تو گریباں گیر کیا باعث
لبِ دیوار بام آیا جو شب وہ مہ جبیں اُٹھ کر ۔۔۔ ہمارے نالے نے کی بے تکی تاثیر کیا باعث
نہ تھی اُس کو ہوائے حلقۂ فتراک گر تیری ۔۔۔ تو کیوں ہے پنجۂ مژگاں میں دل نخچیر کیا باعث

اسیرؔ اس بحر الفت میں نہیں گر آشنا کوئی
تو کیوں موجِ رواں ہے صورت زنجیر کیا باعث

ہے یاد کس کو طالبِ دیدار کا علاج ۔۔۔ جانے ہے تو ہی نرگس بیمار کا علاج
جنبش اسے ذرا بھی نہیں بے عصائے آہ ۔۔۔ اچھا کیا طبیب دلِ زار کا علاج
پر باندھ کر رکھا جو قفس میں کیا یہ خوب ۔۔۔ صیّاد تو نے مرغِ گرفتار کا علاج
پوچھی طبیب سے جو تپِ عشق کی دوا ۔۔۔ کہنے لگا نہیں ہے اس آزار کا علاج

تھمتے نہیں ہیں قطرۂ اشک ایک پل اسیرؔ
کس شک سے ہو دیدۂ خونبار کا علاج

جانہ تو دامن کشاں سوے گلستانِ گل ۔۔۔ ورنہ کریگا وو ہیں چاک گریبان گل
چاہیے تعمیر کیا مرقدِ عشاق پر ۔۔۔ بس ہے یہ خیمہ سیاہ دود چراغان گل
بزم میں رندوں کی رات جونہی گئے شیخ جی ۔۔۔ جام تھا مینا تھا اور رشک گلستان گل
داغ ہے چیچک کا کب ہم سے مکرتا ہے کیوں ۔۔۔ کھایا کسی پر یہ ہے تو نے مری جان گل

اُس گل خوبی بغیر آنکھوں میں میرے اسیرؔ
باغ ہے زنداں نمط، زخم نمایان گل

---

[۱] صہ ۲۱۴ تا ۲۱۷، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

اس دختِ رز نے کیا ستم ایجاد کی طرح　　شیشے ہی میں رہے ہے پریزاد کی طرح
یہ آہ شکل تیشہ ترے پاس ہے بھلا　　دل کر تو شیر دیکھے تو فرہاد کی طرح
تیر نگہ سے آہوے دل کو کیا ہے صید　　بے دید تیر چشم نے صیاد کی طرح

مضموں باندھنے میں تو ابتک ہے فرد اسیرؔ
یعنی نصیرؔ حضرتِ اُستاد کی طرح

## ۲۔ نواب ظفریاب خاں صاحبؔ[۱]　Nawab Zafaryab Khan-Sahab

نواب ظفریاب خان جو شاعر کی حیثیت سے صاحبؔ تخلص کرتے تھے۔ ایک تو وہ خود شاعر تھے اور یہ کہ شعراء کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ اس عہد میں انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک چھوٹا سا کردار بھی ادا کیا۔

ان کا اصل نام الوئیس یا لوئیس رائن ہارڈٹ تھا۔ ان کا تذکرہ کتاب ''ڈی پوزیشنز'' میں ڈائس سومبر کے کیس کے حوالے سے لوئیس بلتھازر کی حیثیت سے بھی ملتا ہے۔ نواب ظفریاب خان صاحبؔ کو مظفر الدولہ، مختار الملک نواب اور نصرت جنگ کے القابات بھی حاصل تھے۔ جو ''بیگم سمرو کی زندگی'' کے مصنف ہربجند رانا تھ کے مطابق انھیں ان کی سوتیلی ماں بیگم سمرو کی سفارش پر عطا کیے گئے تھے جو انھوں نے ۱۷۷۸ء میں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد کی تھی۔

ظفریاب خان سمرو کی ایک مسلمان بیوی سے پیدا ہونے والے بیٹے تھے جو غالباً بعد میں عیسائی ہوگئیں تھیں اور انھیں ڈومینیکا کے نام سے جانا گیا۔ ٹی روز ٹروپ اپنی کتاب ''ڈی پوزیشنز'' میں لکھتا ہے کہ ظفریاب خان سمرو کے بیٹے تھے۔ ایک ہندوستانی بیوی سے جو ہندو تھی اور ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جو جنرل سومبری کے ساتھ ایک غیر قانونی بیوی کے حیثیت سے رہیں اور جنھوں نے رومن کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا۔ اور جنھیں اس کے بعد غالباً ڈومینیکا کے نام سے پکارا گیا۔ انھیں ''بڑا بی بی'' بھی کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی موت سے جو ۱۸۴۱ء میں سردھنے میں بیرن سولرلی کے گھر میں واقع ہوئی کئی برس قبل اپنے بیٹے کی موت کے صدمے سے دیوانی ہوگئیں تھیں۔ جنرل نے کبھی ان سے شادی نہیں کی لیکن ان سے جنرل کا ایک بیٹا تھا۔

---

[۱] یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے　ازرام بابو سکسینہ، صہ ۲۵۹ تا ۲۶۵۔

جس کے بعد جنرل نے بیگم سمرو سے شادی کر لی۔ وہ بیگم کے محل میں ہی رہتی تھیں لیکن بہر حال ان کا اپنا ایک علیحدہ گھر تھا۔ بیگم کا ایک ملازم جسے اس خاندان کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں کتاب ''ڈی پوزیشنز'' میں کسی حد تک اعتماد سے رطب اللسان ہے وہ کہتا ہے ''میں کہہ نہیں سکتا کہ آیا بلتھازر پیدائشی طور پر اس کا حق دار تھا کہ وہ اپنے والد کے حقوق اور ریاست کے حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرسکتا۔ وہ بڑا بی بی کے بیٹے تھے جو جنرل کی بیوی نہیں بلکہ ایک رکھیل تھیں۔ لوئیس بلتھازر کبھی بھی اپنے والد کا ترکہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''[1]

یہ بات نہ معلوم ہے کہ ظفریاب خاں کب پیدا ہوئے۔ انھیں ۱۷۸۱ء میں آگرہ میں پتیسہ کی رسم ادا کر کے عیسائی بنایا گیا۔ اسی دن بیگم سمرو کی بھی یہ رسم ادا کی گئی۔ وہ دھلی میں ۱۸۰۳ء میں قیدی کی حیثیت سے ہلاک ہوئے۔ انھیں پرانے رومن کیتھولک چرچ کے قبرستان میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ قبرستان ان کے والد ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ ان کی باقیات کو دھلی سے آگرہ لایا گیا تھا۔ شاہ نصیؔر نے نواب ظفریاب خان کی شان میں قصیدہ[1] بھی لکھا ہے۔ نیز ظفریاب خان شاہ نصیؔر کے شاگرد خیراتی خاں دلسوزؔ سے مشورہ سخن بھی لیتے تھے۔

فراسو[2] کے تذکرے ''شمس الذکاء'' میں اسکی سترہ[1] غزلیں ہیں۔ جو صاحبؔ کے ہاں منعقدہ طرحی مصرعوں پر بھی کہی گئی تھیں۔

## نمونۂ کلام صاحبؔ[3]

| | |
|---|---|
| خفا کیوں ہم سے ہے تو اے بُتِ بے پیر کیا باعث | سبب، موجب، گنہ، کچھ واسطہ، تقصیر کیا باعث |
| مٹا دو اب تو لوحِ دل سے تم حرفِ کدورت کو | خط آئے پر جو خط کرتے نہیں تحریر کیا باعث |
| ہوا ہے غرق دریا آشنائے زلفِ مہرویاں | نہ پوچھو موج کیوں پانی پہ ہے زنجیر کیا باعث |
| جگر اور دل کے میرے سامنے دونوں نشانے ہیں | لگا تا کیوں نہیں ظالم نگہ کا تیر کیا باعث |
| یہ وہ آہِ جگر ہے موم کر دیتی ہے پتھر کو | ترے دل میں نہیں پر شمع رو تاثیر کیا باعث |

[1] صہ ۳۱۱، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

[2] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۶۴۔

[3] صہ ۳۰۴ تا ۳۰۵، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

مبارک موسمِ گل ہو یہ دیوانوں کے اے ہمدم  جنوں ہوتا ہے کیوں میرا گریباں گیر کیا باعث
کسی آئینہ رو کو آج دیکھا ہے کہیں صاحبؔ
جو تو حیراں ہے شکلِ طوطیِ تصویر کیا باعث

بیٹھے ہیں غیر یوں مرے دلبر کے آس پاس  جو خار و خس روش کے گُلِ تر کے آس پاس
ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس  یا اژدہا ہے فوجِ سکندر کے آس پاس
لختِ جگر نہیں ہیں نمایاں مژہ کے گرد  بسمل پڑے تڑپتے ہیں خنجر کے آس پاس
صدقے ترے اسیر نہ کر دامِ زلف میں  دے چھوڑ مرغِ دل کو پھرا سر کے آس پاس
پروانہ جوں نثار ہو فانوسِ شمع کے  پھرتا ہوں اس طرح سے ترے گھر کے آس پاس
صاحبؔ ہے، آرزو مرے دل کی یہی مدام
سر ہووے آستانۂ دلبر کے آس پاس

دیکھی جو قامتِ ستم ایجاد کی طرح  نظروں سے گر گئی مری شمشاد کی طرح
گالی ہے بات میں بوسہ پہ جھڑکیاں  ارشاد کی وہ شکل یہ امداد کی طرح
نشتر لگائے ہے رگِ جاں میں ہر ایک پل  نوکِ مژہ سے چشم وہ فصاد کی طرح
ہے صاف شکل آئینہ زانو وہ تس پر قہر  روئیں عیاں ہیں جوہرِ فولاد کی طرح
دل کیوں بنے نہ رشکِ پرستاں کہ جلوہ گر  یاں ہے خیالِ دوست پریزاد کی طرح
گرچہ ہوئے ہیں عاشق و معشوق یاں بہت  یعنی ہر ایک ہی ہے ایجاد کی طرح
ہم تم بھی فیضِ عشق سے مشہور ہوگئے  لیلیٰ و قیس، شیریں و فرہاد کی طرح
صاحبؔ چمن میں کس کے تماشے کو دیکھیئے
بن کر کھڑا ہے سرو یہ آزاد کی طرح

---

## ۳۔ جارج فینٹم:[۱] George Fanthome

جارج فینٹم عرف بنے[۲] صاحب ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۹ء میں مرگیا۔ ''انتخابِ یادگار'' از امیر مینائی میں تحریر ہے کہ ۵۲ رسال کی عمر میں فینٹم نے عربی و فارسی، حافظ شبراتی طالب، مولوی محمد نور الاسلام اور مولوی حفیظ اللہ سے پڑھی۔ شاعری میں اس کا تخلص جرجیسؔ تھا۔ وہ میر نجف علی شفقت کا شاگرد تھا۔ اور میر نجف علی شفقت کا خانوادۂ شاہ نصیرؔ دہلوی سے تعلق تھا۔ اس نے جرجیسؔ کے علاوہ بطورِ تخلص صاحبؔ بھی استعمال کیا ہے۔ بنے صاحب کے مطابق جارج فینٹم مسلمان تھا۔ کیونکہ اس کی ماں مسلمان تھی۔ اس کے دیوان میں کہیں پر بھی حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریم کے لئے اشعار نہیں ملتے۔ اس کے ہاں بزرگانِ دین کی شان میں اشعار پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً حضرت علیؑ کے لئے۔ مثال کے طور پر:

؎ عید کا جشن مبارک ہو تمھیں اے صاحب
مانگتا ہے یہ شب و روز دعا عید کا چاند

؎ خوشی سے کٹتی تھی صاحب کو جیسے عید کبھی
خدا کے فضل سے پھر ہو نصیب ویسی عید

؎ یا علی شیر خدا بہر جناب حسنین
کمترین بندہ صاحب یہ عنایت ہو جائے

؎ صاحب نہ وقتِ بد میں ہو کسی سے ملتجی
میری مدد کو صفدرِ خیبر شکن ہے بس

اس کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں البتہ اس نے زیادہ وقت رامپور اور بریلی میں گزارا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ جارج فینٹم فارسی میں طالب سے اصلاح لیتا تھا۔ جبکہ اُردو میں شفقت سے بلاشبہ اینگلو انڈین شعراء میں جارج فینٹم ایک اہم نام ہے۔ اس نے نواب کلب علی خاں بہادر والی رامپور کی شان میں قصیدہ لکھا۔

---

[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۸۶ تا ۱۹۱۔

[۲] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۸۶۔

صاحب:[۱]

نام جارج فینٹم تھا اور تخلص صاحبؔ۔ شعر و سخن میں شفقت کے شاگرد تھے۔ ان کے والد برنارڈ فانٹوم حیدر آباد کی فرانسیسی فوج کے کپتان تھے۔ ۱۸۱۶ء میں پنشن ہوئی اور ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔ صاحبؔ کا سنِ ولادت معلوم نہیں۔ ریاست رامپور میں رہتے تھے۔ ۱۲۹۰ھ تک زندہ تھے۔ صاحبؔ کے علاوہ کبھی کبھی جرجیسؔ بھی تخلص کرتے تھے۔ اُردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

یہ آرزو ہے تیرے آنے کی مجھے اے شوخ!
کہ جھوٹے وعدوں پہ بھی انتظار باقی ہے

نمونۂ کلامِ جرجیسؔ[۲]

جب تغافل کو وہ کافر کام فرمانے لگا  دمبدم تن سے مرے جی سا نِکل جانے لگا
مقدمِ جاناں کی سُنکر واہ ری دل کی تپش  پاے بوسی کے لئے برسے نِکل جانے لگا
ہم جو کہتے تھے کہ صاحبؔ وہ بڑا عیار ہے
آخرش دیکھا نہ کیا کیا ظلم دکھلانے لگا

کس طرح جاے سر سے مرے اب ہوائے عشق  ملکِ عدم سے آیا ہوں ناصح برائے عشق
پیدا کیا ہے عشق تو ناپید کر مجھے  میرے کریم اُٹھ نہیں سکتی جفائے عشق
ہاروت بھی اسیر ہے زہرہ کی چاہ میں  آتی نہیں فرشتہ کو بھی کچھ دوائے عشق
جب تک جیوں گا عشق کروں گا میں ناصحا  ہے عشق میرے واسطے اور میں برائے عشق
گذرے ہے جس کے دل پہ وہی جانتا ہے خوب  نا گفتنی ہے کیفیتِ ماجرائے عشق
رتبہ بہت بلند ہے جرجیسؔ عشق کا
عاشق جو بوالہوس ہے نہیں ہے سزائے عشق

---

۱؎ تذکرۂ تلامذۂ شاہ حاتم دہلوی از عبدالرشیدؔ ضمیم، صہ ۱۸۳۔

۲؎ صہ ۱۵۵ تا ۱۸۰، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

چشم کیفی نے کردیا مدہوش نشہ تھا یا سرور تھا کیا تھا
تجھ کو یوسف سے دوں جو میں تشبیہ وہ پری تھا کہ حور تھا کیا تھا
حُسن تھا یار کا کہ اے صاحبؔ
نورِ حق کا ظہور تھا کیا تھا

## ۴۔ جان برنارڈ فینتھم شائقؔ :[۱] John Bernard Fanthome-Shaiq

نام جارج برنارڈ فینتھم تھا اور تخلص شائقؔ۔ وہ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۲۶ء میں بمقام بھرت پور وفات پا گیا۔ وہ بریلی کلکٹریٹ میں ملازم تھا بعد ازاں ریاست بھرت پور کی ملازمت میں چلا گیا۔

### نمونۂ کلامِ شائقؔ [۲]

ہم نے دل سو جگہ لگا دیکھا کوئی تجھ سا نہ دلربا دیکھا
کا ن رکھ کر سُنا نہ اُس گل نے حال دل بارہا سُنا دیکھا

---

نصف شب اُس کی گلی میں چھپ کے جانا چاہیے قول جو اُس نے کئے ہیں آزمانے چاہیے
گر نہ پہنو ماتمِ عاشق میں پوشاکِ سیاہ سرگیں آنکھوں سے دو آنسو بہانا چاہیے
شمع کی پروانگی پروانہ کو کب ہے ضرور بن بلائے محفلِ جاناں میں جانا چاہیے

---

اسقدر رنجش نہ تجھ کو مجھ سے جانی چاہیے ہر گھڑی ہر لحظہ مجھ پر مہربانی چاہیے
کہنے سے اغیار کے گر تم ہوے ہم پر خفا سخت بیجا ہے نہ ایسی بدگمانی چاہیے

---

۱؎ یورپین اور انڈ ویورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۹۲ تا ۱۹۵۔

۲؎ صہ ۱۸۰، انتخابات، یورپین اور انڈ ویورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

کھوتے ہیں عقل و دانش و دیں تیرے واسطے　　مجنوں بنے ہیں پردہ نشیں تیرے واسطے
جورو جفا و منتِ دربان و طنزِ غیر　　کیا کیا جفائیں ہم نے سہیں تیرے واسطے

## ۵۔ الفریڈ فینتھم صوفیؔ:[1] Alfred Fanthome-Sufi

الفریڈ صوفی جارج فینتھم کا بڑا بیٹا تھا۔اس کا مسلمان نام فرید شاہ تھا۔وہ ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۱۰ء میں بمقام بریلی وفات پا گیا۔اس نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا مراد آباد میں ہائیکورٹ کی وکالت سے شروع کی۔

### نمونۂ کلامِ صوفیؔ[2]

جدا ہوا ہے تو جس دن سے اے صنم مجھ سے　　خدا علیم ہے کیا کیا ہیں غم بہم مجھ سے
خوشی بعید ہے اور ہے قریب الم مجھ سے　　غرضکہ ہوں گے بہت کم نصیب کم مجھ سے

ترے فراق میں ہے بسکہ زار زار یہ دل
برنگِ گلبنِ بستاں ہے خار خار یہ دل

ترے فراق میں جو کچھ ہے حال جانِ زار　　کہاں تلک ہو بیاں اُس کا اے مرے غمخوار
اگرچہ لکھنے کو لکھا ہے حالِ دل یکبار　　ہنوز باقی ہے نا گفتنی ہزار ہزار

خدا نجات دے جلد اس بلائے ہجراں سے
ہوں کامیاب میں صوفیؔ وصالِ جاناں سے

## ۶۔ بلتھازر بوربن فطرتؔ:[3] Shahzad Masih-Fitrat

عرف شہزاد مسیح تخلص فطرتؔ ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوا۔وہ اُردو و فارسی میں روانی سے شعر کہتا تھا۔اس کے دو دیوان ہیں۔ایک فارسی میں اور دوسرا اُردو میں۔اُردو دیوان ۶۶ صفحات پر مشتمل نامکمل ہے۔

---

[1] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ، صہ ۱۹۴۔

[2] صہ ۱۸۱، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ۔

[3] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ، صہ ۲۰۹ تا ۲۱۳۔

وہ عندلیب ہو ں کہ سدا مجھ کو غم رہا باغِ جہاں میں نخلِ تمنا قلم رہا
وحشی وہ ہوں کہ حدِّ ادب سے نہ بڑھ گیا صحرا میں قیس کا میں قدم در قدم رہا
منظور اُن کو صاف ہیں وعدہ خلافیاں اے انتظار کیوں مری آنکھوں میں دم رہا
اکثر مری غزل میں جو نکتے ہیں رمز ہیں عاجز جبھی ثنا میں ہر اہلِ قلم رہا
عادت سجود کی جو تھی عہدِ شباب میں پیری میں بھی سدا قدِ عاشق میں خم رہا
ذرّہ نئی غزل کہی یکتا کے فیض سے
گو دردِ مشقِ شعر و سخن تجھ کو کم رہا

## ۸۔ جارج پیش شور:[۱] George Puech-Shore

شور یکم دسمبر ۱۸۳۱ء کو بمقام کول (Koile) پیدا ہوا۔ اور ۱۸۹۴ء میں وفات پا گیا۔ اینگلو انڈین شعراء میں غیر معمولی شاعر تھا۔ اس کی شاعرانہ تربیت میں اس کے نانا فراسو کوئن کو بھی قدرے دخل تھا۔ شور کے باقاعدہ استاد مرزا رحیم بیگ تھے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ بعد ازاں سردھنہ میں مستقل سکونت پذیر ہو گئے۔ شور کے کئی دواوین زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ فراسو کے ضمن میں شور کی مثنوی اور وقائع غدر کے حوالے پچھلے صفحات پر آ چکے ہیں۔ اس کے بارے میں تفصیلی مضمون رام بابو سکسینہ[۲] کی کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

### نمونۂ کلامِ شور[۳]

اس طلسماتِ جہاں میں موت کس کو یاد ہے صاحبِ خانہ رکھا ہے نام ہر مہمان کا
لبِ رنگیں پہ اُس کے جب سے دیکھی پان کی سُرخی لہو تک خشک غیرت سے ہوا لعلِ بدخشاں کا
آباد ہے جہانِ بتاں سے دلِ خراب افسوس تھا جو کعبہ وہ بُت خانہ ہو گیا
کیونکہ باندھوں میں کہاں پاؤں کہاں سے لاؤں جب کہ مضموں کمرِ یار کا عنقا ٹھہرا
کیا زمانہ ہے کہ عاشق ہیں زر و مال کے سب دوست ٹھہرا وہی جس پاس کہ پیسا ٹھہرا

---

۱۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۲۸ تا ۲۴۷۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

۳۔ صہ ۲۳۷ تا ۲۳۸، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

جا بھی سکتے تھے نہ کوچے میں ترے بے حکم ہم — پر تصور کی بدولت اب تو رستہ کُھل گیا

ناکار جنس ہوں میں وہ بازارِ عشق میں — جس کی طرف کو مُنھ نہ خریدار نے کیا

یہ اثر دیکھا جذبۂ دل کا — اُٹھ گیا آپ پردہ محمل کا

آرزوے خاکِ پا نے مجھ کو حیف — اسقدر پیسا کہ سُرمہ کر دیا

ہاتھ آیا جب نہ مضمونِ کمر — شاعروں نے اُس کو عنقا کر دیا

دیں لیا ایماں لیا اور جاں بھی لی — فیصلہ دلبر نے میرا کر دیا

اتنا ہی تھا کہ پردے میں شب کے عیاں نہ تھا — ورنہ یہ سایہ ساتھ تمھارے کہاں نہ تھا

دشتِ بلا میں سایہ کو بھی کس سے مانگتا — جز آفتاب سر پہ کوئی مہرباں نہ تھا

## ۹۔ کرنل جان بیلی[1] Colonel John Baillie

نواب وزیر کے عہد میں کرنل جان بیلی ۱۷۶۷ء تا ۱۸۱۵ء تک ریذیڈنٹ اودھ رہے۔ وہ فارسی اور اُردو میں اچھا شعر کہہ سکتے تھے۔ نیز آبِ حیات[2] کے مؤلف نے ان کی استعداد اُردو و فارسی کو واقعاتی رنگ میں پیش کیا ہے۔

؎ مار ڈالے گی محبت مجھے مس طیسا کی — جان نکلے گی جلاتے ہوئے پھر عیسیٰ کی

---

[1] یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۴۲۔

[2] جان بیلی صاحب کہ اس عہد میں ریذیڈنٹِ اودھ تھے۔ اگر چہ سید انشاء کا نام اور شہرہ عام سنتے تھے مگر دیکھا نہ تھا۔ جب سید انشاءنواب سعادت علی خاں کے پاس ملازم ہوئے تو ایک دن صاحب کے آنے کی خبر ہوئی۔ نواب نے کہا انشاء آج ہم تمھیں بھی صاحب سے ملائیں گے۔ عرض کی کہ حضور کی ہر طرح پرورش ہے مگر فدوی کے باب میں کچھ تقریب ملاقات کی ضرورت نہیں۔ عرض جس وقت صاحب ممدوح آئے نواب اور وہ آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے۔ سید انشا نواب کے پیچھے کھڑے ہو کر رومال ہلاتے تھے۔ باتیں کرتے کرتے صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔ انھوں نے ایک چہرہ کی لی انھوں نے آنکھوں نیچی کر لیں۔ مگر دل میں حیران ہوئے کہ اس آدمی کی کیسی صورت ہے؟ یہ خیال کرتے ہی پھر نظر پڑی۔ اب کی دفعہ انھوں نے ایسا چہرہ بدلا کہ اس سے بھی عجیب وہ شرما کر اور طرف دیکھنے لگے۔ پھر جو دیکھا تو انھوں نے ایسا منہ بنایا کہ اس سے بھی الگ تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ شعر واقعی جان بیلی کا ہے یا نہیں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ کرنل جان بیلی اُردو میں شاعری کرتا تھا۔ کیونکہ وہ فارسی اور اُردو کا ایک زبردست عالم تھا اور ویسے بھی وہ جس زمانے میں تھا اس زمانے میں شاعری کرنا ایک عام رواج تھا۔

سکسینہ[1] کے انتخاب میں مذکورہ شعر ہی دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جان بیلی کا کلام دستبردِ زمانہ ہو گیا۔

۱۰۔ سر جان شور:[2] Sir John Shore (Lord Teignmouth)

۱۷۵۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲۴ء وفات پا گئے۔ اُردو و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اور ان زبانوں کے عالم بھی تھے۔ ان کا کلام ناپید ہے۔

۱۱۔ جنرل اسمتھ:[3] General Smith

جنرل اسمتھ ۱۶/ اگست ۱۸۰۶ء کو ۴۲/ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس کی صرف ایک ہی غزل دستیاب ہو سکی ہے۔

## نمونۂ کلامِ اسمتھ[4]

نہ وہ ہمدم نہ وہ جلسا رہا ہے تپِ دُوری سے دل جل سا رہا ہے
جنوں کے فوج کی سُن آمد آمد خرد کا پاؤں کچھ چل سا رہا ہے
کسی عاشق کا نعرہ چرخ زن ہے جو خیمہ چرخ کا ہل سا رہا ہے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

آخر نواب سے پوچھا کہ یہ صاحب آپ کے یار، کب ملازمت میں آئے میں نے آج ہی انہیں دیکھا ہے۔ نواب نے کہا کہ ہاں آپ نے نہیں دیکھا۔ سید انشاء اللہ خان یہی تو ہیں۔ جان بیلی صاحب بہت ہنسے۔ ان سے ملاقات کی۔ پھر تو ان کی جادو بیانی نے ایسا تسخیر کیا کہ جب آتے پہلے پوچھتے کہ سید انشاء کجا است؟ جان بیلی صاحب کے ساتھ علی نقی میر منشی ریذیڈنسی بھی آیا کرتے تھے۔ ان کی اُن کی عجب لطف کی چوٹیں ہوتی تھیں۔

[1] صہ۲، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

[2] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۴۲۔

[3] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۴۴۔

[4] صہ۲، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

مجھے اس واسطے ہے تلملاہٹ کہ غم سینے میں دہ مل سا رہا ہے
غنیمت جان اسمتھؔ آگیا ہے
کہ دشمن اُس سے اب ٹل سا رہا ہے

## ۱۲۔ جان تھامس طوماسؔ:[۱] John Thomas-Toomas

جان تھامس مشہور شخصیت جارج تھامسن کا بیٹا تھا۔ جو مشہور فوجی مہم جو اور ایک سپاہی کہ جس کی قسمت کو اس کے مستقبل میں بہت دخل تھا۔ جان تھامس کا باپ سردھنہ میں اعلیٰ عہدہ پر مامور تھا۔ جان تھامس کی سن پیدائش و سنِ وفات نہ معلوم ہے۔ جبکہ اس کا خاندان بیگم سمرو کا پنشن یافتہ تھا اور وہ خود دہلی میں مشاعروں اور ادبی سرگرمیوں میں شریک ہوتا تھا۔ شاہ نصیرؔ کا شاگرد تھا اور اس کا تخلص طوماسؔ تھا۔

سکسینہ[۲] کے انتخاب میں طوماس کے صرف دو شعر ملتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

توقیر لکھ بمصرع طوماسؔ تو غزل اے آہ کھینچ دے مہِ بالا نشیں پہ خط

---

سودا ہے زلفِ یوسفِ ثانی کا اسقدر روتے ہیں ہم کھڑے سرِ بازار زار زار[۳]

---

[۱] یورپین اور انڈویورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۶۵ تا ۷۰۔

[۲] صہ ۱۲، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

[۳] مذکورہ شعر فراسوؔ کے دیوانِ تجنیسِ مکرر میں ہو بہو موجود ہے جبکہ دونوں اشعار رام بابو سکسینہ کے انتخاب میں دیئے گئے ہیں۔ غالباً طوماس کا کلام دستیاب نہ ہوسکا۔

## ۱۳۔ الیگزینڈر ہیڈر لے آزاد:[۱] Alexander Heatherly-Azad

غالباً اُردو کا وہ بہترین نظم نگار تھا۔ اس نے اُردو شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی۔ وہ شاعری میں نواب زین العابدین خان عارف کا شاگرد تھا۔ جو غالبؔ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک مکمل دیوان بعد از انتقال چھوڑ گیا۔ جس میں قصائد، غزل، قطعات، تضمینیں، ایک مختصر مثنوی، منظور رقعات وغیرہ۔ اس کی نظمیں اس کی قادر الکلامی اور فن شناسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ بہت ہی کم عمری یعنی ۳۲ ربرس کی عمر میں انتقال کر گیا۔ یقیناً اینگلو انڈین شعراء میں اسے اوّلیت حاصل ہے۔ اور وہ تمام شعرائے اُردو میں صفِ دوّم کا شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ''خم خانۂ جاوید'' (جلد اوّل) میں لالہ سری رام نے اسے فرانسیسی قرار دیا ہے۔ جو سرے سے غلط ہے۔ جبکہ اس کے خاندانی ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ برطانوی افسر تھا۔ الور، بھرت پور اور جے پور کے لئے آزاد کے خاندان کی نمایاں خدمات رہیں۔

والد کا نام جیمس ہیڈر لے تھا۔ الیگزینڈر ہیڈر لے آزاد کی زندگی کے بارے میں تفصیلات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آزاد کا دیوان ہی اس ضمن میں معلومات کا خزینہ ہے۔ اور اس دیوان پر دو دیباچے تھامس ہیڈر لے اور بھرت پور کے شوکت علی کے تحریر کردہ ہیں۔ وہ ۷رجولائی ۱۸۶۱ء بمقام الور وفات پا گیا۔ اور یقیناً وہ ۱۸۲۹ء میں ہی پیدا ہوا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اُسے الور کی فوج میں کپتان ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا۔ اس نے الور کے مہاراجہ شیودھیان سنگھ کی شان میں قصائد لکھے۔ گوالیار کے مہاراجہ سندھیا، جھجر کے نواب عبدالرحمٰن اور اپنے بھائی تھامس ہیڈر لے کے لئے بھی ایک قصیدہ لکھا۔ شاید وہ ان ریاستوں میں مستقل ملازمت کا طلبگار تھا۔ اس کا دیوان اس کے بڑے بھائی تھامس ہیڈر لے نے شوکت علی کی ادبی معاونت کے ذریعے ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ سے شائع کیا۔ اس دیوان میں حضرت عیسیٰ کی شان میں ایک مسدس ہے، ردیف وار غزلیں ہیں، طویل قطعات ہیں، عارف کی موت، پر ایک مرثیہ ہے، ایک مختصر مثنوی اور ناسخ و غالبؔ کی غزلوں پر تضمینیں شامل ہیں۔ اسی دیوان میں دو نظمیں ایسی ہیں جن سے خاندانِ ہیڈر لے آزاد کے بارے میں معلومات ممکن ہوئیں۔ ان نظموں کی کہیں اور شائع شدہ نوعیت نہیں ہے۔

---

[۱] ۱- یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۷۰ تا ۷۹۔

۲- مقالاتِ عبدالماجد دریا آبادی از عبدالماجد دریا آبادی۔

## نمونۂ کلامِ آزادؔ[1]

گئے کدھر کو وہ گرم ہو کر کہ تپ رہی ہے زمیں سراسر
قدم قدم پر اُنھوں نے گویا بچھائی ہے رہگذر میں آتش

نہیں مرکب ہیں میرے عنصر جدا ہیں فرقت میں تیری وہ بھی
کہ پانی آنکھوں میں خاک تن پر ہوا ہے سر میں جگر میں آتش

---

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے — سر دُھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع
اہلِ محفل جو ہیں انجام سے غافل آزادؔ — شام سے صبح تلک رہتی ہے افسوس میں شمع
تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہووے — ہے یہ ظلمت کدۂ عاشق مایوس میں شمع

---

جوابِ خط نہ سہی نامہ بر تو آجاتا — کیا نہ جان نے اتنا بھی انتظار دریغ
یہی ہے فکر کہ جب چاہے ہم سے لے لیوے — خدانے جان بھی دی ہے تو مستعار دریغ
شباب پر مرے ہنستا ہے عالمِ پیری — خزاں سے ہو گئی بدتر ہمیں بہار دریغ
یہ لاغری نے مرے حق میں بوئے ہیں کانٹے — نظر میں سب کی کھٹکتا ہوں مثلِ خار دریغ

---

نہ چھوڑ ہاتھ سے دامانِ صبر کو آزادؔ — ہر ایک کام کا ہوتا ہے اضطراب میں نقص

---

نہ ہاتھ رکھ مری نبضوں پہ تفتہ دل ہونمیں — نہ ہو کہ ہاتھ اُٹھا بیٹھے ہاتھ سے نبّاض

---

تم اپنے لمعۂ عارض سے اسکو دے ڈالو — ذرا سا نور جو ہو آفتاب میں پیوند
یہ مفلسی ہے کہ آزادؔ شب کو جیبّے میں — لگاتا پھرتا ہے ہر روز خواب میں پیوند

---

[1] صہ۱۲تا۲۹، انتخابات، یورپین اوراَنڈویورپین شعرائے اُردووفارسی از رام بابوسکسینہ۔

"Isfan"

## ۲۵۔ اسفان دہلوی:[۱]

اسفان کا ذکر عیارالشعراء از خوب چند ذکاء دہلوی میں ہے۔ اور اس تذکرے میں خوب چند ذکاء اسفان کو اپنا خاص دوست بتاتے ہیں۔ اس کا اصل نام اسٹیفن تھا۔ دہلی میں پیدا ہوا تھا۔ اور دہلی میں ہونے والے اکثر مشاعروں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ غالباً وہ نواب ظفریاب خاں کے دربار سے وابستہ تھا اور شاہ نصیر دہلوی کا شاگرد تھا اور ۱۸۰۲ء تک وہ زندہ تھا۔

### نمونۂ کلامِ اسفان[۲]

خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط  کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے ٹکڑے

اسفان کا کلام سوائے مذکورہ شعر کے دستیاب نہ ہوسکا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدیاں ہندوستانی طرزِ بود و باش میں نمایاں تبدیلیوں کی صدیاں کہلائی جاسکتی ہیں۔ چونکہ ۱۷۶۵ء میں مغلیہ تاجدار سے لارڈ کلائیو نے دیوانی کے اختیارات لیکر بنگال اور جنوب کی حکمرانی کا ڈول ڈال دیا تھا۔ محلِ نظریات یہ ہے کہ سب سے پہلے اُردو اور مقامی (ہندوستانی) زبان و ثقافت میں غیر ملکی مشنریوں نے حصہ لیا۔ اور برطانیہ کے غلبہ سے قبل اکثر مشنریز کیتھولک تھیں۔ برطانیہ کے غلبے کے بعد کیتھولک پروٹسٹنٹوں کے مرہونِ منت ہوگئے۔ یقیناً مقامیوں کے ساتھ ساتھ برطانوی کیتھولک عیسائیوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ کیوں کیتھولک و کلیساؤں کے قیام کی اجازت بھی اربابِ ایسٹ انڈیا کمپنی (برطانیہ) کی رہینِ منت ہو کر رہ گئی تھی۔ اُس کی مثال سردھنہ آگرہ اور سیالکوٹ کے کیتھولک کلیسا[۳] ہیں کہ جو مذکورہ کمپنی کی اجازت سے تعمیر ہوئے۔ اس منظرنامے میں پرتگالیوں، ولندیزیوں اور بالخصوص فرانسیسیوں کو بہتر زندگی گزارنے کے لئے منافقانہ حد تک مصالحانہ رویے اختیار کرنے پڑے ہوں گے۔

---

[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۸۹۔

[۲] صہ ۳۷۷، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

[۳] خطباتِ گارساں دتاسی مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالحق، نظرِ ثانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سال اشاعت ۱۹۷۹ء، حصہ اوّل، صہ ۲۱۷۔

پورا ہندوستان غیر ملکیوں کی آماجگاہ نظر آتا ہے۔ شمالی ہند سے جنوبی ہند تک ایسے غیر ملکی شعراء و ادباء اپنی تخلیقات کے ساتھ رونق افروز نظر آتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کچھ غیر ملکیوں کا احوال تو اس طرح کا ہے کہ جیسے وسط ایشیا یا افغانستان کے پٹھان روہیل کھنڈ میں نسلاً آباد ہوئے اور اپنے آباء کی زبان وثقافت بھول کر ہندوستان میں ضم ہو گئے۔ غیر ملکی نثر نگاروں پر اس کا اطلاق کم ہوتا ہے البتہ غیر ملکی شعراء کی خاصی تعداد ہندوستانی رنگِ ثقافت میں ضم ہوئی اور ان کی شاعری اس بات کی دلیل ہے۔ مثلاً پرتگالی شاعر حکیم مفتوں (جس کا تعلق بھرت پور سے تھا) کا ''ہاتھ بھر'' ردیف کو نبھانا انتہائی مشاقی کا کام ہے اور پھر یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ غیر ملکی شعراء اپنے آپ کو منوانے کے لئے مشکل زمینوں کا استعمال کرتے ہیں۔ پچھلے صفحات پر ہمارا یہ دعویٰ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمام شعراء فراںسو کے معاصرین ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے متعلق بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ فراںسو کیتھولک عیسائی اور اس پر مستزاد فرانسیسی نژاد رجرمن تھا۔

فراںسو کے معاصرینِ نثر ونظم کو دیکھتے ہوئے فراںسو کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ بھی ان غیر ملکیوں کی صف کا نمائندہ ترین فرد ہے کہ جس نے اپنے آپ کو ہندوستانی رنگ میں رنگ لیا۔ اور پھر یہیں کا ہو رہا۔ اور اسی طرح اس کی بیٹی میڈلین فراسو (جس کا بیٹا جارج پیش شور، شوؔر میرٹھی کے نام سے جانا جاتا ہے۔) کا خاندان بھی ہندوستانی ثقافت میں ضم ہو گیا۔

فراںسو کی نثر ونظم کا موازنہ اگر اس کے معاصرین سے کیا جائے تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جرمن فرانسیسی اپنی مثال آپ تھا۔ نیز اُسے اس کے حالات یا وقت نے اپنی تخلیقات پر نظرِ ثانی کرنے کی مہلت نہ دی یا یہ کہ وہ اپنے شب و روز کے مشاغل میں اس طرح کھو گیا کہ اُسے کاتب کے لکھے ہوئے مسودوں کے پروف تک پڑھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ راقم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ قصہ عشق افزا اس کی ہمہ دانی کا مظہر ہے۔ کاش وہ بختی بائی کے ساتھ ساتھ اپنی تخلیقات پر بھی توجہ دے لیتا تو یقیناً آج اس کا موازنہ غیر ملکیوں کے بجائے مقامیوں سے بھی ممکن ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

## فراسو کی کتب - تعارف وتبصرہ

فراسو کے نثری اور شعری سرمائے کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک تنہا شخص جو صرف ایک پشت سے ہندوستان میں ہو، جرمن کہلاتا ہو! اتنا کام کرسکتا ہے! اور کام بھی مختلف اور متنوع! اس کے نثری سرمائے میں لغات بھی ہیں اور قصّے بھی۔ اسے جتنی دلچسپی مقامی اور روایتی نوعیت کی داستانوں سے ہے اسی قدر کسی بھی یورپی ماہرِ لسانیات کی طرح اُردو کے لسانی پہلوؤں سے بھی!

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے عطا کردہ ذخیرہ سے براہِ راست استفادہ کیا اور فراسو کو ئین کو اُردو کے یورپین معماروں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کا مضمون[1] پیارے لال شاکر میرٹھی کے مضمون[2] کے بعد میں محققانہ بصیرت کے ساتھ تحریر کیا گیا۔ شاکر میرٹھی سے قبل رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب[3] ۱۹۳۸ء میں مکمل کر لی تھی اور جو ۱۹۳۹ء میں اشاعت کے لئے دیدی گئی تھی۔ مذکورہ تینوں حضرات نے فراسو کی مندرجہ ذیل کتب کا ذکر کیا ہے۔۔ ملاحظہ فرمایئے۔

نثری کتب:

۱۔ مسرت افزا (مختصر اُردو لغت)

۲۔ لغاتِ اُردو مفصل

۳۔ کتاب مرأۃ حسن وعشق (گلدستۂ حسن وعشق)

۴۔ گلبنِ تمنا (جلد نہم از جامِ جہاں نما) اُردو زبان میں فنِ انشاء کی کتاب

۵۔ عشق افزا (مہ طلعت اور ماہ رو، مہر نگار اور محمود شاہ کا قصہ اُردو میں)

۶۔ عشرت النساء

---

[1] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۴ء۔ یہی مضمون مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء (اس مقالے میں ادبی دنیا کے مضمون کو بنیاد بنایا گیا ہے)

[2] جرمن نسل کا اُردو شاعر، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا ۱۹۳۹ء، صفحہ نمبر ۴۷ تا ۹۷۔

[3] Preface: European & Indo-European poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena

## ۱۸۔ سلیمان شکوہ گارڈنر فناؔ:[1]

Suleman Shikoh Gardner-Fana

وہ جیمس ویلنٹائن گارڈنر کا بڑا بیٹا تھا۔اس کی ماں شہزادی قمر چہرہ عرف ''ملکہ ہومانی بیگم'' جو شہزادہ سلیمان شکوہ کی متبنیٰ تھی۔اور سلیمان شکوہ دہلی کے بادشاہ شاہ عالم کا بیٹا تھا۔ویلنٹائن نے سلیمان شکوہ کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا تھا۔وہ ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوا۔اور چھاؤنی میں جہاں وہ اپنے کنبے کے ساتھ رہتا تھا۔۷۱ برس کی عمر میں مرا۔سلیمان شکوہ عربی ،اُردو ، فارسی ، انگریزی اور ہندی روانی سے بولتا تھا اور پشتو کی بھی شُد بدر کھتا تھا۔سلیمان شکوہ خود کو پیدائشی شاعر کہلوانا پسند کرتا تھا۔اس کا تخلص فناؔ تھا۔اس کا لکھنؤ ی شعراء کا مطالعہ خاصا وسیع تھا۔اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا کہ شاعری میں اس کا کوئی استاد تھا یا نہیں ۔وہ اپنے ناقدانہ شعور پر انحصار کرتا تھا۔وہ شاعروں کا سرپرست اور عظیم دوست تھا۔شعرائے لکھنؤ ، دہلی اور علیگڑھ اسے اپنی فلاح و بہبود کا ضامن تصور کرتے تھے۔آگرہ کے مرزا عنایت علی بیگ مہر شاگردِ آتش اور مہر کے بھائی شاگردِ ناسخ سلیمان شکوہ کے دوست شعراء کے حلقے میں شامل تھے۔اور کچھ عرصے کے لئے اس کے ہاں مقیم بھی رہے۔صنفِ ریختی کے معروف شاعر جان صاحب رام پور اور حیدرآباد میں اپنے فن کی قدر دانی کے بعد آخری عمر میں چھاؤنی سلیمان شکوہ کے ہاں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

### نمونۂ کلامِ سلیمان شکوہ فناؔ [2]

تیرا عاشق بنا میں کس لائق بندہ گندہ ترا میں کس لائق
عشق تیرا مجھے نصیب کہاں مرتبہ یہ بڑا میں کس لائق
تو شہنشاہِ بزمِ ماہ وشاں اور حقیر گدا میں کس لائق
بندگی بھی تو ہو نہیں سکتی بندہ بھی گر بنا میں کس لائق
کیا مجالِ سخن جو دم ماروں حوصلہ کیا مرا میں کس لائق
عشق میں تیرے او بُتِ کافر
تو بقا اور فناؔ میں کس لائق

---

[1] یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۱۷ تا ۱۱۹۔

[2] صہ ۱۱۷ تا ۱۲۱، انتخابات، یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

شکوۂ جور پہ کس ناز سے کہتا ہے وہ یہ مذہبِ عشق میں جائز ہے ستانا دل کا
آن کی آن میں کر لیتا ہے اپنا مائل ہائے کس طرز سے سیکھا ہے رجھانا دل کا
آخرش جان گئی ہم نہ یہ کہتے تھے فنؔا
راس آئے گا نہ تجھ کو یہ لگانا دل کا

---

کچھ میسّر معالجا نہ ہوا جب تلک درد بے دوا نہ ہوا
غیر سے فیصلہ طلب ہے، وہ ہم سے کوئی معاملا نہ ہوا
دل کو میں خاک میں مِلا دیتا ہائے افسوس دوسرا نہ ہوا
حسرتیں کیسی کیسی ہیں اے دِل حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا
نہ کھلا بھید عشق بازی کا خود سے جبتک میں آشنا نہ ہوا
آفریں باد فکر مست فنؔا
جو ہوا شعر عاشقانہ ہوا

---

اے فنؔا کیا کہوں کہ کیا ہے دل خاص اک صورتِ خدا ہے دل
جُز ہے اور کُل و جُز جامع مظہرِ کُل کبریا ہے دل
منزل دل ظہور نامِ خدا ظرف انوار لا اِلٰہ ہے دل
دل کی بے صورتی جو صورت ہے معنیٔ محض تو بجا ہے دل
کیا ہی صورت وہ ہے نمود و وجود وجہاں جو دکھا رہا ہے دل
معنیٔ محض کیا وہ خاص وجود صورت و معنی ایک سا ہے دل
نطق اُس کا وہ جبرئیل امیں آپ پیغمبر خدا ہے دل
دل کی صورت میں تھا خدا جو فنؔا
تو خدا میں فنا ہوا ہے دل

---

## ۱۹۔ ڈینئیل سقراط نتھینیل گارڈنر شکر:[۱] Daniel Socrates Nathaniel Gardner-Shukr

ڈینئیل سقراط بمقام چھاؤنی ۲۲ر فروری ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوا۔ ابتدا میں اپنے والد سلیمان شکوہ فنا سے اصلاح لی۔ بعدازاں مرزا عباس حسینی ہوش لکھنوی کا شاگرد ہو گیا۔ ہوش لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اور وہ آفتاب الدولہ ارشد علی خان قلق کے شاگرد تھے جو استاد ناسخ کے شاگرد تھے۔ شکر نے نہایت مشاقی سے اُردو و فارسی میں شاعری کی۔

؎ گل نہ ہوجائے کہیں شمس و قمر کی بتی　　دیکھو سرکی مرے ناسورِ جگر کی بتی

## ۲۰۔ بینجمن جونسٹن فلاطون:[۲] Benjamin Johnston-Falatun

وہ ۱۸۸۶ء میں ۵۰ر برس کا تھا۔ اس نے اُردو و فارسی میں شاعری کی۔ وہ فارسی میں اسیر اللہ امیر مدراسی کا شاگرد تھا۔ اُردو میں مرزا مہدی حسین حنا کا شاگرد تھا۔ جو مومن کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر بینجمن جونسٹن کا شاعرانہ نام یعنی تخلص فلاطون تھا۔ تذکرۂ ضخیم میں لکھا ہے کہ حیدر آباد دکن میں اسے ڈاکٹر بینی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اور وہ ریاستِ حیدر آباد دکن میں ملازمت کرتا تھا۔

### نمونۂ کلامِ فلاطون[۳]

کیوں خزاں میں سر پٹک کر مر نہ جائے عندلیب　　ہے بقائے گل سے وابستہ بقائے عندلیب

جوشِ گل سے کم نہیں کچھ بلبلوں کا بھی ہجوم　　ٹہنی ٹہنی پر نظر آتی ہے جائے عندلیب

کیا کرے گلشن سے اس کا آب و دانہ اُٹھ گیا　　دام میں خود پھنس گئی بیٹھے بٹھائے عندلیب

شاہدِ گل صاحب زر ہے چلے گا کچھ نہ زور　　اس کی آنکھوں میں ہے کیا مرگ ونوائے عندلیب

جان دیکر عشق گل میں سوگئی آرام سے　　دردِ بے درماں ہوا آخر دوائے عندلیب

---

۱۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۱۹ تا ۱۲۱۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۳۸ تا ۱۳۹۔

۳۔ صہ ۱۰۰، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

## ۲۱۔ حکیم ڈان آگسٹین ڈی سلوا مفتوںؔ:[1] Hakim Don Augustine De Sylva-Maftoon

مفتوںؔ حکیم ڈان ایلس (Hakim Don Ellise) کا بیٹا تھا۔ وہ ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ اور بھرت پور میں اپنے والد کے پیشے طبابت سے منسلک رہا۔ اور اس کی طبابت اس کے انتقال ۱۸۵۶ء تک جاری رہی۔ اس کی وفات بھرت پور میں ہوئی اور وہیں اس کی قبر ہے۔ اس نے مس ایلن سے شادی کی۔ جو سردھنہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ مس ایلن کا انتقال بھی بھرت پور میں ۶۵ ر برس کی عمر میں ہوا۔ آگسٹین کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ اس کا تخلص مفتوںؔ تھا اور وہ مرزا علی ماہ کا شاگرد تھا۔

### نمونۂ کلامِ مفتوںؔ[2]

لٹکی جو اُن کی زلف گرہگیر ہاتھ بھر ۔۔۔ پاؤں کی بڑھ گئی مرے زنجیر ہاتھ بھر

قاتل کے دل کو آپ سے گر کر بڑھا دیا ۔۔۔ اوچھی پڑی تھی ورنہ وہ شمشیر ہاتھ بھر

کس جا پہونچ کے آہ تھکی دیکھئے نصیب ۔۔۔ جس وقت رہ گیا فلک پیر ہاتھ بھر

قاتل کو رحم دیکھئے آیا ہے کس گھڑی ۔۔۔ پہلو میں جبکہ غرق ہوا تیر ہاتھ بھر

جلاد کے جو پاؤں میں کی گدگدی تو پھر ۔۔۔ تیغہ اُگل پڑا دمِ تکبیر ہاتھ بھر

تیرِ نگاہ کس کا لگا دست زور سے ۔۔۔ آلودہ خوں جو اُچھلے ہے نخچیر ہاتھ بھر

یکدست وصف دست نگاریں رقم کروں ۔۔۔ کاغذ کا بند ہو پئے تحریر ہاتھ بھر

ذکر اس مژہ کا ہو جو مرقع کی سیر میں ۔۔۔ کر جائے جست آہوے تصویر ہاتھ بھر

رنگ حنا میں بوے وفا کا نہیں ہے نام
مفتوںؔ کے خوں میں اے بُتِ بے پیر ہاتھ بھر

---

[1] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۵۶ تا ۱۵۷۔

[2] صہ ۱۲۶ تا ۱۲۸، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

## ۲۲۔ حکیم جوزف ڈی سلوا:[1] Hakim Joseph De Sylve-De Sylva

جوزف ڈی سلوا حکیم ڈان آگسٹین ڈی سلوا کا بیٹا تھا۔ وہ ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوا اور ۷۱ برس کی عمر میں بمقام بھرت پور ۱۹۰۹ء میں وفات پا گیا۔ اس کی بیوی جولیانا تھی۔

### نمونۂ کلامِ جوزف ڈی سلوا[2]

خوش اب ہو اے گنہگارو مسیح دنیا میں آیا ہے ۔۔۔ مبارک دوستو وہ صلح کا پیغام لایا ہے
شکم سے کنواری مریم کے جنم آج اُس نے پایا ہے ۔۔۔ وہ فرزندِ خدا ہے یہ فرشتے نے بتایا ہے
نبوت کی نظر سے وہ عما نوال کہایا ہے ۔۔۔ اُلوہیت ہے اُس میں حق مجسم ہو کے آیا ہے
وہ ہے نورِ جہاں ظلمت کے پردے کو اُٹھایا ہے ۔۔۔ محبت اُس نے ایسی کی صلیبی دُکھ اُٹھایا ہے
پھنسوں کو دامِ عصیاں کے نئے سرے سے چھڑایا ہے ۔۔۔ فلک سے روح کا دریا یہیں پر لا بہایا ہے
جنم کا جو کہ اندھا تھا اُسے بینا بنایا ہے ۔۔۔ مرا مُردہ تھا لاذر چوتھے دن اُس کو جلایا ہے
منجی بن کے ہم سب کا ہمیں حق سے ملایا ہے ۔۔۔ ہوا کفارہ دنیا کا لہو اپنا بہایا ہے
ہوا دن تیسرے زندہ ہمیں جلوہ دکھایا ہے ۔۔۔ گیا جب آسماں پر ہم نے روح القدس پایا ہے
پدر کے دہنے جا بیٹھا ہمیں بھی واں بلایا ہے ۔۔۔ بھلا نبیوں میں کس نے ایسا اعلیٰ رتبہ پایا ہے
دلِ عصیاں زدہ میں اب تو یوسفؔ کے سمایا ہے ۔۔۔ کہ کیجئے بندگی اُس کی ہمیں جس نے بنایا ہے

---

[1] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۱۵۸ تا ۱۵۹۔

[2] صہ ۱۲۸ تا ۱۲۹، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

## ۲۳۔ ڈکاسٹہ:[۱] Da Costa (Calcutta)

ڈکاسٹایالوئیس ڈکاسٹا کلکتہ میں مقیم تھا۔صوبہ جاتِ بنگال، بہار، اڑیسہ کا اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا۔ اُردو کا عمدہ شاعر تھا۔

### نمونۂ کلامِ ڈکاسٹہ[۲]

کل ہم تمھارے کوچے میں آئے چلے گئے ہے ہے ہزار اشک بہائے چلے گئے

کیوں دل سے شاد ہوویں نہ ہم دوستو سُنو وے جاتے جاتے ہم کو بلائے چلے گئے

کچھ رنج و غم کا حال نہ پوچھو کہ کیا ہوا الفت کو ہم تو یارو نبھائے چلے گئے

وہ باغبانِ حُسن جو آئے تو کل ادھر تخمِ و داد دل میں جمائے چلے گئے

ٹک طرف میرے دیکھ کے جھٹ چتونوں کو پھیر وہ آپ ہنس کے ہم کو رُلائے چلے گئے

ہم ہی فقط ہیں دل جو گنواتے ہین ورنہ سب آکر جہاں میں کچھ تو کمائے چلے گئے

کل اُس پری کی بزم میں سب مِل کے برملا
تیری غزل ڈکاسٹہ گائے چلے گئے

## ۲۴۔ بیپٹسٹ عروج سردھنہ:[۳] Baptiste of Sardhana "Uruj" and "Battees"

شورؔ میرٹھی کی بیاض میں اس کی چھ غزلیں ملتی ہیں۔ جسپر عنوان ''سردھنہ کے بتّیس صاحب'' اور تخلص عروجؔ تحریر ہے۔ پہلی غزل میں تخلص عروجؔ ہے جبکہ دوسری اور تیسری میں تخلص بتّیس ہے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

---

۱؎ ''بنگال کے انگریز مصنفین'' از پروفیسر ایس کے حسنی، رسالہ افکار برطانیہ میں اُردو نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۱۹۲۔

یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ، صہ ۱۶۷ تا ۱۶۹۔

۲؎ صہ ۱۴۷ تا ۱۴۸، انتخابات، یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ۔

۳؎ یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ، صہ ۲۸۸۔

## نمونۂ کلامِ عروجؔ [1]

محشر سے میرے سوزشِ دل کو سبوق ہے　　بس نفخِ صُور بھی مجھے اک بانگ بوق ہے

میں وہ ہُمائے اوج ہوں اُڑجاؤں عرش پر　　پر کیا کروں کہ پاؤں میں دامِ علوق ہے

فصاد عبث لگانہ مری رگ، پہ نیشتر　　یاں جائے خوں بھرا ہوا غم سے عروق ہے

کیا خاک دل لگے کہ نہیں ٹھہرتا کوئی　　ملکِ عدم کو جائے چلا جوق جوق ہے

قلّابہ عشق. سے کوئی نِکلا نہیں عروجؔ
دامِ فریب یہ کوئی طوقِ عنوق ہے

---

کل نہایا جو مرا غنچہ دہن پانی میں　　بلبلِ زار گیا بُلبُلا بن پانی میں

دیکھ کر تاب لبِ لعل رُخِ جاناں کی　　شرم سے غرق ہوا لعلِ یمن پانی میں

جوششِ گریہ نے طوفاں کیا یاں تک برپا　　ڈُوبا رہتا ہے سدا میرا بدن پانی میں

دوستو اس مرے، تم خواب کی تعبیر تو دو　　تیرتے دیکھے ہیں شب میں نے ہرن پانی میں

ہیں مگر کان کے بالے کے شناور کرتے　　بلبل آئنہ رکھتی ہے وطن پانی میں

غرق ہو بحرِ تفکّر میں نہ نِکلا بیتیںؔ
تیرنے کا تجھے سکھلایا تھا فن پانی میں

---

[1] صہ ۳۷۵ تا ۳۷۶، انتخابات، یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

"Isfan"

## ۲۵۔ اسفان دہلوی:[۱]

اسفان کا ذکر عیارالشعراء از خوب چند ذکاء دہلوی میں ہے۔ اور اس تذکرے میں خوب چند ذکاء اسفان کو اپنا خاص دوست بتاتے ہیں۔ اس کا اصل نام اسٹیفن تھا۔ دہلی میں پیدا ہوا تھا۔ اور دہلی میں ہونے والے اکثر مشاعروں میں شرکت کیا کرتا تھا۔ غالباً وہ نواب ظفریاب خاں کے دربار سے وابستہ تھا اور شاہ نصیر دہلوی کا شاگرد تھا اور ۱۸۰۲ء تک وہ زندہ تھا۔

### نمونۂ کلامِ اسفان[۲]

کر ڈالوں گا اک دم میں ترے آن کے ٹکڑے　　خط کا یہ جواب آیا لکھا جو کبھی پھر خط

اسفان کا کلام سوائے مذکورہ شعر کے دستیاب نہ ہوسکا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدیاں ہندوستانی طرزِ بود و باش میں نمایاں تبدیلیوں کی صدیاں کہلائی جاسکتی ہیں۔ چونکہ ۱۷۶۵ء میں مغلیہ تاجدار سے لارڈ کلائیو نے دیوانی کے اختیارات لیکر بنگال اور جنوب کی حکمرانی کا ڈول ڈال دیا تھا۔ محلِ نظر بات یہ ہے کہ سب سے پہلے اُردو اور مقامی (ہندوستانی) زبان و ثقافت میں غیرملکی مشنریوں نے حصہ لیا۔ اور برطانیہ کے غلبہ سے قبل اکثر مشنریز کیتھولک تھیں۔ برطانیہ کے غلبے کے بعد کیتھولک پروٹسٹنٹوں کے مرہونِ منّت ہوگئے۔ یقیناً مقامیوں کے ساتھ ساتھ برطانوی کیتھولک عیسائیوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ کیوں کیتھولک وکلیساؤں کے قیام کی اجازت بھی اربابِ ایسٹ انڈیا کمپنی (برطانیہ) کی رہینِ منّت ہوکر رہ گئی تھی۔ اُس کی مثال سردھنہ آگرہ اور سیالکوٹ کے کیتھولک کلیسا[۳] ہیں کہ جو مذکورہ کمپنی کی اجازت سے تعمیر ہوئے۔ اس منظرنامے میں پرتگالیوں، ولندیزیوں اور بالخصوص فرانسیسیوں کو بہتر زندگی گزارنے کے لئے منافقانہ حد تک مصالحانہ رویّے اختیار کرنے پڑے ہوں گے۔

---

[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۸۹۔

[۲] صہ ۳۷۷، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

[۳] خطباتِ گارساں دتاسی مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالحق، نظرِ ثانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سالِ اشاعت ۱۹۷۹ء، حصہ اوّل، صہ ۲۱۷۔

پورا ہندوستان غیر ملکیوں کی آماجگاہ نظر آتا ہے۔شمالی ہند سے جنوبی ہند تک ایسے غیر ملکی شعراء و ادباء اپنی تخلیقات کے ساتھ رونق افروز نظر آتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کچھ غیر ملکیوں کا احوال تو اس طرح کا ہے کہ جیسے وسط ایشیا یا افغانستان کے پٹھان روہیل کھنڈ میں نسلاً آباد ہوئے اور اپنے آباء کی زبان و ثقافت بھول کر ہندوستان میں ضم ہو گئے۔غیر ملکی نثر نگاروں پر اس کا اطلاق کم ہوتا ہے البتہ غیر ملکی شعراء کی خاصی تعداد ہندوستانی رنگ ثقافت میں ضم ہوئی اور ان کی شاعری اس بات کی دلیل ہے۔مثلاً پرتگالی شاعر حکیم مفتوں (جس کا تعلق بھرت پور سے تھا) کا ''ہاتھ بھر'' ردیف کو نبھانا انتہائی مشاقی کا کام ہے اور پھر یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ غیر ملکی شعراء اپنے آپ کو منوانے کے لئے مشکل زمینوں کا استعمال کرتے ہیں۔ پچھلے صفحات پر ہمارا یہ دعویٰ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمام شعراء فراسو کے معاصرین ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے متعلق بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ فراسو کیتھولک عیسائی اور اس پر مستزاد فرانسیسی نژاد، جرمن تھا۔

فراسو کے معاصرینِ نثر و نظم کو دیکھتے ہوئے فراسو کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ بھی ان غیر ملکیوں کی صف کا نمائندہ ترین فرد ہے کہ جس نے اپنے آپ کو ہندوستانی رنگ میں رنگ لیا۔ اور پھر یہیں کا ہو رہا۔ اور اسی طرح اس کی بیٹی میڈلین فراسو (جس کا بیٹا جارج پیش شور، شور میرٹھی کے نام سے جانا جاتا ہے۔) کا خاندان بھی ہندوستانی ثقافت میں ضم ہو گیا۔

فراسو کی نثر و نظم کا موازنہ اگر اس کے معاصرین سے کیا جائے تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جرمن فرانسیسی اپنی مثال آپ تھا۔ نیز اُسے اس کے حالات یا وقت نے اپنی تخلیقات پر نظرِ ثانی کرنے کی مہلت نہ دی یا یہ کہ وہ اپنے شب و روز کے مشاغل میں اس طرح کھو گیا کہ اُسے کاتب کے لکھے ہوئے مسودوں کے پروف تک پڑھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ راقم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ قصہ عشق افزا اس کی ہمہ دانی کا مظہر ہے۔ کاش وہ بخت بائی کے ساتھ ساتھ اپنی تخلیقات پر بھی توجہ دے لیتا تو یقیناً آج اس کا موازنہ غیر ملکیوں کے بجائے مقامیوں سے بھی ممکن ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

## فراسو کی کتب - تعارف وتبصرہ

فراسو کے نثری اور شعری سرمائے کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک تنہا شخص جو صرف ایک پشت سے ہندوستان میں ہو، جرمن کہلاتا ہو! اتنا کام کرسکتا ہے! اور کام بھی مختلف اور متنوع! اس کے نثری سرمائے میں لغات بھی ہیں اور قصّے بھی۔ اسے جتنی دلچسپی مقامی اور روایتی نوعیت کی داستانوں سے ہے اسی قدر کسی بھی یورپی ماہرِ لسانیات کی طرح اُردو کے لسانی پہلوؤں سے بھی!

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے عطا کردہ ذخیرہ سے براہِ راست استفادہ کیا اور فراسو کوئین کو اُردو کے یورپین معماروں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کا مضمون[1] پیارے لال شاکر میرٹھی کے مضمون[2] کے بعد میں محققانہ بصیرت کے ساتھ تحریر کیا گیا۔ شاکر میرٹھی سے قبل رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب[3] ۱۹۳۸ء میں مکمل کر لی تھی اور جو ۱۹۳۹ء میں اشاعت کے لئے دیدی گئی تھی۔ مذکورہ تینوں حضرات نے فراسو کی مندرجہ ذیل کتب کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

### نثری کتب:

۱۔ مسرت افزا (مختصر اُردو لغت)

۲۔ لغاتِ اُردو مفصل

۳۔ کتاب مرأۃ حسن وعشق (گلدستۂ حسن وعشق)

۴۔ گلبنِ تمنا (جلد نہم از جام جہاں نما) اُردو زبان میں فنِ انشاء کی کتاب

۵۔ عشق افزا (مہ طلعت اور ماہ رو، مہرنگار اور محمود شاہ کا قصہ اُردو میں)

۶۔ عشرت النساء

---

[1] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۴ء۔ یہی مضمون مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء (اس مقالے میں ادبی دنیا کے مضمون کو بنیاد بنایا گیا ہے)

[2] جرمن نسل کا اُردو شاعر، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا ۱۹۳۹ء، صفحہ نمبر ۷۴ تا ۷۹۔

[3] Preface: European & Indo-European poets of Urdu & Persian by Ram Babu Saksena

۷۔ جامِ جمشید نما : فارسی نثر کی کتاب جو سات حصوں پر مشتمل ہے۔

ا) ید بیضا (حصہ اول) : بچوں کی تعلیم کے موضوع پر۔

ب) نسیم جاں فزا (حصہ دوم) : نوجوانوں سے خطاب۔

پ) عصائے موسیٰ (حصہ سوم) : بزرگوں سے خطاب۔

ت) دامنِ صحرا (حصہ چہارم) : محبت اور محبت کرنے والوں کے موضوع پر۔

ٹ) معقولاتِ طالع (حصہ پنجم) : صوفی ازم اور خدا کی آگہی کے بارے میں۔

ج) عشرت النساء (حصہ ششم) : مجامعت کے مختلف آسنوں کے بارے میں۔

چ) عشق افزا (حصہ ہفتم) : محبت کی کہانیوں پر مشتمل۔

۸۔ قصۂ عشق افزا (منحصر بفرد نثری قصہ)

<u>شعری کتب کی فہرست :</u>

ا۔ گنبدِ گیتی نما (دیوان) : اس میں قصائد شامل ہیں جن میں سے اکثر بیگم سمرو کی توصیف میں لکھے گئے ہیں۔

۲۔ مجموعۂ قصائد : اس میں ۱۴ قصائد شامل۔ جن میں سے تین مذہبی ہیں۔ آخر میں بہت سے قطعات ہیں جو تمام تر شخصی ہیں۔

۳۔ نظمِ انشا یا نسیم دلکشاء : منظوم مکتوبات کا مجموعہ۔

۴۔ دیوان ہجویات : اس مجموعے میں پتو، خارشت، میخوار، ژالہ باری کی ہجویات کے علاوہ سردھنہ کی رنڈی چندو کی ہجو، بڈھانے کی بھٹیاری کی ہجو، اور ہجو مکنو لال شامل ہیں۔

۵۔ نظم قطعات باوزانِ دوہرہ : بوزنِ متدارک مسمیٰ مقطوع رمل مسدس مقصور یعنی فعلن فعلن فاعلن، فعلن فعلن فاعلات۔ اس میں کم وبیش ۸۰۰ رفردیات ہیں۔

۶۔ دیوان فارسی مع انتخابِ فارسی ۷۔ دیوان ہزلیات ۸۔ دیوان غزلیات

۹۔ قصیدۂ مبارکباد فتح قلعہ بھرت پور : در بیانِ شجاعت و دلیری صاحبانِ عالیشان انگریز بہادر دام صولتہٗ۔

۱۰۔ مجموعۂ مثنویات : ۱۴؍مثنویات پر مشتمل ہے۔

(۱) کششِ عشق (۲) چراغِ خانہ عشق (۳) گلشنِ عشق (۴) مطلعِ نور (۵) افراطِ نشاط

(۶) سرنامۂ ایام[1] (۷) اندوہ رُبا[2] (شراب) (۸) آتشِ سودا (۹) دشتِ عبرا[3] (۱۰) شمع انوار

(۱۱) عالمِ شوق (۱۲) سرمایۂ بہار (۱۳) مجموعہ استہزاء (۱۴) تنبیہہ الغافلین (فارسی)۔

۱۱۔ مثنوی ظفر الظفر (فارسی) : اس میں ہنگامہ غدر کی آپ بیتی بیان کر کے انگریزوں کی فتح و کامرانی کا تذکرہ ہے۔

۱۲۔ مثنوی آرام جاں : لغاتِ مفصّل میں اس مثنوی کا ذکر ہے۔

۱۳۔ گلزارِ ہفت خلد : لغاتِ مفصّل میں اس منظوم تصنیف کا ذکر آیا ہے۔

۱۴۔ انتخابِ مولانا حسرت موہانی : فراسو فرنگی منتخب دیوانِ فراسو۔

۱۵۔ فراسو کے دواوینِ اُردو (دو نسخے) : ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی۔

## فراسو کی نثری کتب

فراسو نے ۱۸۵۸ء میں جب وہ ۱۸؍برس کا تھا ''مسرت افزا (لغت)'' تالیف کی۔ بعد ازاں انسائیکلوپیڈیا کی طرز پر لغاتِ مفصّل ترتیب دی۔ بقول ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ''فرانسو کی نثر کی کتابیں موجودہ حالت میں اسکی نظم کی کتابوں پر ترجیح رکھتی ہیں اور ان میں سے بعض تو یقیناً اس قابل ہیں کہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوں۔ علی الخصوص فرانسو کی لغتِ مفصّل تو اس بات کا بجا استحقاق رکھتی ہے[4]۔''

---

[1] سکسینہ کی فہرست میں اس مثنوی کا نام ''Shermai Aram'' ہے۔

European & Indo-European peots of Urdu & Pesian by Ram Babu Saksena page no. 275

[2] سکسینہ کی فہرست میں اس مثنوی کا نام ''Andohzada'' ہے۔

European & Indo-European peots of Urdu & Pesian by Ram Babu Saksena page no. 275

[3] سکسینہ کی فہرست میں اس مثنوی کا نام ''Dasht-i-Mubbara'' ہے۔

European & Indo-European peots of Urdu & Pesian by Ram Babu Saksena page no. 275

[4] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو۔ مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، ص ۷۷۔

فرانسو کے عہد سے قبل ہی یورپین اہلِ قلم کے ذریعے لغت نویسی کا فن ترقی پا چکا تھا اور حسبِ ذیل قواعد و لغات منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔

گریرسن کے مطابق اُردو کی سب سے پہلی لغت کورج کے جو پرتگالی کا ایک قلمی نسخہ تھا جسکی تالیف سورت کے مقام پر ۱۶۳۰ء میں ہوئی[۱]۔

اُردو زبان کی پہلی باقاعدہ گرامر جان جوشوا کیٹلر (John Joshua Ketelaor) ولندیزی نے ۱۷۱۵ء میں تالیف کی[۲]۔

بنجمن شلز ے (Benjamin Schultz) عیسائی مبلغ کی Grammatica Indostanica ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مطابق ۳۰ رجون ۱۷۴۱ء میں مدراس میں تالیف ہوئی[۳]۔

''قواعد نویسی کا تیسرا بڑا ماہر جسے کیٹلر اور شلز سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہیڈ لے تھا[۴]''۔ ہیڈ لے نے ۱۷۶۵ء میں اُردو زبان کے صرف و نحو پر ایک رسالہ لکھا۔

مختصر یہ ہے کہ فرانسو کی لغات سے قبل فرگوسن، گلیڈ وِن، گلکر ائسٹ، ڈنکن فوریس، کیٹلر کی لغات منظرِ عام پر آ چکی تھیں جبکہ فرانسیسی برٹرینڈ کی لغت پیرس میں ۱۸۵۸ء میں طبع ہوئی[۵]۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس سال پیرس برٹرینڈ کی لغت شائع ہوئی اسی برس فرانسیسی جرمن نژاد[۶] فرانسو نے بھی لغت کی تکمیل کی۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے بیان کے مطابق ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یورپین حضرات کو ہندوستانی زبانوں کی لسانی تحقیق سے بڑی دلچسپی تھی۔ فرانسو کی لغت کی کتابیں بھی اسی سلسلے سے تعلق

---

[۱] صہ ۱۶، اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد۔

[۲] صہ ۱۹، قواعد اُردو از مولوی عبدالحق۔

[۳] صہ ۲۱، اُردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ از ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد۔

[۴] ''اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ'' از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار' برطانیہ میں' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۲۷۔

[۵] ''اُردو نثر کے ارتقاء میں انگریزوں کا حصہ'' از مولوی عبدالحق، رسالہ افکار' برطانیہ میں' نمبر، سالِ اشاعت ۱۹۸۱ء، صہ ۲۱۔

[۶] فرانسو کو فرانسیسی جرمن اُسکی والدہ کے اعتبار سے لکھا ہے کہ اُسکی والدہ مسلمہ طور پر فرانسیسی تھی اور فرانسو نام فرانسیسی زبان سے علاقہ رکھتا ہے لہٰذا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اُس کے آباؤ اجداد اٹھارہویں صدی سے قبل ہی فرانس میں انارگی کے آثار کے بعد جرمنی منتقل ہو گئے ہوں۔ (مؤلف)

رکھتی ہیں اور کئی اعتبار سے قدر اور توجہ کے قابل ہیں جیسا آگے آنے والی تفصیل سے ظاہر ہوگا۔''

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ اپنے مضمون ''اُردو کا جرمن شاعر فرانسو'' مطبوعہ ادبی دنیا اگست ۱۹۴۴ء صفحہ نمبر ۶۸ تا ۷۲ میں ''مسرت افزا'' اور ''لغاتِ مفصّل'' کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مسرت افزاء: ''دراصل ایک لغات ہے جس میں فرانسو نے صرف اپنے اشعار بطور سند پیش کئے ہیں۔ افسوس ہے کہ مصنف نے لغات کی کہیں بھی تشریح کرنے کی کوشش نہیں کی ورنہ یہ کئی اعتبارات سے ایک عمدہ لغت ہوتا۔ اس میں ایک اور خامی یہ ہے کہ اساتذہ کے اشعار سے استشہاد کرنے کی بجائے اپنے ہی اشعار پیش کئے ہیں ایک اور بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ اس میں بیشتر خالص ہندوستانی الفاظ درج ہیں۔''

''بااین ہمہ اس سے لغت کا ایک ہیولیٰ تیار ہوگیا ہے کتاب میں بعض جگہ الفاظ موجود ہیں لیکن ان کی سند میں اشعار نہیں۔ اس قسم کے بیاض بکثرت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرانسو نے الفاظ پہلے لکھ لئے تھے پھر ارادہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ اپنے کلام سے شواہد مہیا کیے جائیں گے لیکن تکمیل کی فرصت نہ ملی''۔

''مسرت افزا'' کے دیباچے میں فراسو کی عبارت یہ ہے:

''باسم پاک اللہ تعالیٰ...... (مجروح)......در عین عالم شروع شباب رغبت ومیل تمام کہ شوق بملا حظہ اشعار قدماء بزبانِ دری و اُردوئے معلّٰی از دواوینِ ریختہ مثلِ شاہ حاتم ومیرزا رفیع السودا و میر تقی میر وشاہ نصیر وانشاء اللہ خاں و مصحفی و میر سوز وغیرہ کے ہوا۔ شاہ نصیر الدین کو استاد اس فن کا تعین کی اور کتب لغات و اصطلاحاتِ اشعار دواوین کو مطالعہ میں رکھا۔ سخن ہائے استادانِ ماضیہ وحال سے استفادہ حاصل کیا مختصر کلام تا از بع......(؟) کہ ۱۸۵۸ء مصنف زندہ وحیات بانتخاب اشعارات دیوان اُردو ریختہ تصنیفات خود سے اس نسخۂ 'مسرت افزا' کو بہ نظرِ غور صاحبانِ والاشان عالی دودمانِ انگریز بہادر دام صولتہٗ کے زمان میں اختتام پہنچا کر شہرہ جمیع خاص وعام میں جلوہ افروز کیا۔ تا نتائج دولت ابد مقرون صفحات روزگار و اوراق لیل ونہار پر باقی ومشتہر رہے۔ ابدالدہر ارباب فہم ودانش واصحابِ عقل (و) بینش نفع اکمل حاصل فرمائیں کہ اسے نظیر و مثال شعری کام میں لائیں کہ اہلِ محفل و شائقان اس فن کے دل وجان کو گرمادیں۔ امیدوار جناب ایزد تعالیٰ تقدس سے ہے کہ شعرائے زمان وزمانیان حال واستقبال شاعر پسندان وصاحبانِ سخن بلاغت شعار شائقان سخن فہمانِ ہنگام ملاحظہ (؟) اس گلدستۂ بے خزاں کو مطالعہ میں لاکر مصنف مسرت افزاء کو بدعائے خیر یاد فرماویں وزبان شکوہ شکایت دراز نہ کریں۔ والسلام''

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مسرت افزا کے بارے میں محققانہ تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مسرت افزا میں الف سے لے کر یا تک سب ردیفیں ہیں۔ لیکن یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ کہیں کہیں سے اوراق ضائع ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ بعض ردیفوں کے الفاظ نسبتاً کم درج ہیں۔ بعض موقعوں پر فرانسو نے خود ہی بعض شواہد قلمزد کر دیئے ہیں اور بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں لغات کو بدل دیا ہے۔ میں اس موقع پر 'مسرت افزا' کی ایک فصل اس کتاب کے عام انداز کو واضح کرنے کی غرض سے پیش کرتا ہوں۔ یہ ''در باب الفارسی مع التاء الفوقانیہ'' ہے۔ یہ باب اس وجہ سے انتخاب کیا گیا ہے کہ اس میں نسبتاً شواہد کم ہیں جو ان اوراق میں بآسانی درج کیے جا سکتے ہیں اور ملال انگیز طوالت کے بغیر ناظرین کو کتاب کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ ذیل میں میں لغات مسلسل لکھتا جاتا ہوں جن الفاظ کے ساتھ شواہد ہیں وہ درج کر دوں گا۔''

(اقتباس ''مسرت افزا'')

پتا ۔ پنا ۔ پتر ۔ پتھر ۔

چکیاں چل جائیں سر پر تو بھی بیداری نہ ہو آہ کیا پتھر پڑے بندی اثر پر ان دنوں

سخت جانی کو نہ اپنی دیکھ حیراں ہو خدا بت پرستی اتنی کی میں نے کہ دل پتھر ہوا

پترا ۔ پت ۔ پت جھڑ ۔

نکل کے عالمِ وحشت میں شہر سے سوئے دشت ہم آئے سائے میں جس نخل کے ہوا پت جھڑ

پتلا ۔ پتلا ۔

اس کی طینت میں بھریں خالق نے ہیں نیرنگیاں شعبدے نیرنگ کے مٹی کا پتلا کر گیا

پتلی ۔

آنکھیں دکھائے وہ گلِ رعنا کسی طرح ان پتلیوں کا دیکھیں تماشا کسی طرح

پتیلا ۔ پتنگ ۔ پٹ ۔ پٹا ۔ پج ۔ پچھم ۔ پنجر ۔ پچھاڑ ۔

دو چشم نے دلِ عاشق کو کر دیا لاچار دو ناتواں نے پچھاڑا ہے اک توانا کو

پچتانا ۔ پدر ۔ پر ۔ پرت ۔ پرتاب ۔ پرنج ۔ پرچہ ۔ پرچھائیں ۔ پڑیہ ۔ پرخاش ۔

مرا دل دوست ہے دشمن کا دشمن دوستداروں کا ہر انسان ہے ہو جو بر سرِ پرخاش ہوتا ہے

پرپُرزہ ۔ پرپرے ۔ پردہ ۔

بے اختیار آنکھ لڑائی ہے گر تمہیں پردہ حجابِ رخ سے اُٹھا ہو جے روبرو

پردہ در ۔ پردہ دری ۔ پردہ پوش ۔ پردہ زربفت ۔ پردار ۔ پردم ۔ پرسرخاب ۔ پُرساں ۔ پرش (؟) پرست ۔ پرسش ۔ پرستان ۔ پری ۔ پری خانہ ۔

حسن کا جلوہ ترا ہے کہ پری خانہ ہے جس نے دیکھا ترے مکھڑے کو وہ دیوانہ ہے

پرور ۔ پرورش ۔ بصد خونِ جگر کی دل کی پرورش ہم نے

پرواز ۔ پرکھ ۔ پرگٹ ۔ پری وش ۔ پرن ۔ پرورده ۔

پروردہ حسن کے ہیں ترے پھول گُل تمام چرچا چمن میں ہے ترا اے رشکِ نو بہار

پرواہ ۔ پروان ۔ پریشان ۔

اس کے پیچ و تاب سے دل میرا کچھ واقف نہیں زلف کے کوچے میں جو آیا پریشاں حال ہے

پرکالہ ۔

جلوۂ حسنِ جہاں سوز دکھا کر مارا کیسا پرکالۂ آتش نے جلا کر مارا

پریدہ ۔ پری پیکر ۔

اے پری پیکر میں دل سے تیرا دیوانہ ہوا یہ ہوا روشن میں تیری شمع کا پروانہ ہوا

پرہیز ۔ پژمردہ ۔ پنہاں ۔ پژوہش ۔ پس ۔ پست ۔ پستی ۔ پستان ۔ پسلی ۔ پسار ۔ پسر ۔ پشت ۔

پشتِ خمیدہ کب متحمل ہو بار کی کیوں کرنہ بے گناہوں کے خوں سے ہو چرخ کج

پشت ۔ دست ۔

جلوۂ پشت دشت نور افشاں مہِ خجل اس ابر میں پنہاں

پشتی بان ۔ پشتارہ ۔ پشک ۔ پشم ۔ پشیماں ۔ پشہ ۔ پف سپل ۔

جوش پر ہے بحرِ دل کا میرے موجیں مارنا پل زدن میں اشکِ چشمِ تر مرا دریا ہوا

پلاّ ۔ پلاؤ ۔ پلک ۔ پلّہ ۔ پلارک ۔ پنّا ۔ پنہاں ۔ پنجہ ۔

کسی دیوانے کا سن چاکِ جگر کا احوال دیکھیے لکھتا ہوں (؟) میں پنجہ و ناخن اپنے

پنجرہ ۔ پنکھا ۔ پنیر ۔ پو ۔ پوت ۔ پوٹ ۔ پوج ۔ پوجا ۔

خدا کی بندگی ہو جائے بت پرستی جھوٹ بتوں کو میں نے جو پوجا ہوا خدا دل گیر

پوچ ۔ پود ۔ پور ۔ پوری ۔ پوش ۔ پوشش ۔ پوشاک ۔ پوریاں ۔ پھایا ۔ پہاڑ ۔

پھاڑ۔ پھٹ ۔ پھٹکا ۔

بدگمانی سے یقیں پاس نہ میرے پھٹکا سچ ہے یہ وہم کا دارو نہیں لقمان کے پاس

پھدک ۔ پہر ۔ پہرا ۔ پھپھولا ۔ پھل ۔ پھلا ۔ پھولا ۔

آج پھولا چاہتا ہے کو اس گلشن میں گل چشم تر رکھتا ہوں سودائی ہوں مجنوں سے زیاد

پھول ۔ پھبن ۔ پھونک ۔

عشق کی آتش دلِ بے حس(؟) میں میرے پھونک دی جان کر کوڑا مرے دل کو خس و خاشاک کا

پھلجھڑی ع

دہن ہے پھلجھڑی باتوں میں اُس کی پھول جھڑتے ہیں

پھندنا ۔ پھانسی ۔ پھنس ۔ پھوٹ ۔ پھوٹی ۔

پھوٹی ہوئی قسمت نے دکھایا اُسے ویران اک روز یہ قصر (؟) بھی تھا خانۂ معمور

پھونچا (پہنچا) ۔

آیا نہ ہات ہات میں پائی نہ دسترس پونچے تلک بھی ہاتھ نہ پہنچا کسی طرح

پہونچی (پہنچی) ۔

پہنچی نہ پست عقل کبھی فکرِ تیز کو وضع سبک ہی جس کی ہو پھر اُس کا کیا گناہ

پھن ۔ پیا ۔ پے ۔ پیادہ ۔ پیار ۔ پیام ۔ پیٹ ۔ پیداپیش ۔ پیشاب ۔ پیشانی ۔ پیش

دہن پیک ۔ پیک ۔ پیکان ۔ پیکر ۔ پیرا ۔ پیل ۔ پیلا ۔ پیمان ۔ پیمانہ ۔

ہو گیا لبریز پیمانہ ہمارے عیش کا جام اک رخصت کا اب ہم کو پلایا چاہیے

پے - پیدائش - پیدا - پیچش - پیان - پیچ - پیغام - پیر - پیرہن - پیتم بر - پیشوا -
پیش بین - پیچدار - پیکار - پیائش - پیمود - پیزار - پیوند وغیرہ''

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے مذکورہ مضمون میں لغاتِ مفصّل کا بھی اقتباس درج کیا ہے۔اس کے بارے میں اسی مضمون میں رقمطراز ہیں:

''فرانسو کی دوسرے کتاب جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اس کا صحیح نام معلوم نہ ہوسکا یہ بھی ایک لغت کی کتاب ہے بلکہ ایک ناقص سا انسائیکلوپیڈیا ہے جو پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کے کتب خانے سے یونیورسٹی میں منتقل ہوا ہے۔اس کی دوجلدیں ہیں افسوس ہے کہ اس میں صفحات کی ترتیب کچھ درست معلوم نہیں ہوتی۔اس لئے کہ ردیف الف کے بہت سے اجزاء جلد ثانی میں نظر آتے ہیں اور ردیف ب جلد اوّل میں ہے۔ غرض اس بارے میں یہ کہ دومجلد اس کی الگ الگ تصانیف کے باقی ماندہ اوراق ہیں یا ایک ہی تصنیف ہے۔جس کے اوراق کی ترتیب میں فرق آ گیا ہے۔اب میں اس خیال کے ماتحت کہ دراصل ایک ہی تصنیف ہے جس کے اجزاء میں تقدیم وتاخیر واقع ہوگئی ہے۔اس کے مضامین کی ضروری تفصیل بیان کرتا ہوں''۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مزید فرماتے ہیں کہ'' جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں فرانسو کی یہ تصنیف خالی خولی لغت نہیں بلکہ اس کی اسکیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرانسو کا منشاء ایک طرح کا انسائیکلوپیڈیا اُردو کا تیار کرنا تھا۔اس میں سب زبانوں کے تمام وہ الفاظ کے معانی پہلے فارسی میں بیان ہوئے ہیں اس کے بعد اُردو میں اکثر موقعوں پر شعرائے اُردو کے اشعار سے استناد کیا گیا ہے۔فرانسو کے اپنے اشعار بھی بہ کثرت ملتے ہیں۔اس میں بعض علمی ،تاریخی اورفنّی الفاظ کی نہایت طول طویل تشریحیں موجود ہیں۔لغاتِ فرانسو میں علمی بحثوں کا انداز جدید ترین تو نہیں ہے لیکن اپنے عصر کے اعتبار سے اس کے اندراجات خاصے مفصّل اور جدید رنگ لیے ہوئے ہیں۔بعض الفاظ کے ہندی ،ترکی ،کشمیری ،انگریزی ،پشتو اور عربی مرادفات بھی ملتے ہیں۔فرانسو کی طبیعت میں ظرافت کی طرف خاصا میلان نظر آتا ہے چنانچہ جابجا کہانیاں ،نقلیں ،لطیفے ،نکتے اور افسانے تشریح کے ضمن میں لائے گئے ہیں۔مثلاً ذیل کے الفاظ کی تشریح ملاحظہ ہو'':۔ (اقتباس لغاتِ مفصّل)

آبدست ،آب دزد ،آتا ،آخوند ،آدم ،آدر ،آدم ،ابدال ،آنڈ ،فولاد ،قاصی ،قرض ،فاسق ،فاجرہ ،فالنامہ ، فتوا ،باز ،بازرگان ،برہمن ،بیسوا وغیرہ۔

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے مطابق ''فرانسو کو مفتیوں، قاضیوں اور ملاؤں کی کہانیوں سے خاص دلچسپی تھی۔ جنسی اور شہوانی قسم کے لطیفے اور غلیظے بھی کتاب میں کافی ہیں۔ تاریخی الفاظ پر فرانسو کے نوٹ کچھ زیادہ تو نہیں لیکن جو ہیں خاصے طویل ہیں۔ مثلاً ''بیدر اور تلنگ'' کی تشریح میں دکن کی مختصر سی تاریخ دے دی ہے۔ فارسی شاعری کے مخصوص استعاروں اور تشبیہوں کو قدرتی طور پر بڑی جگہ دے دی ہے۔ مثلاً اشک، آہ، فلک، شمع، پروانہ وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب کا مرتبہ ایک عام لغت سے کچھ زیادہ نہیں۔ مگر بعض موقعوں پر اچھی معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً آداب کی بحث میں فنِ انشاء کے ضروری امور زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ اسی طرح آئین کی بحث کسی حد تک مفید ہے۔ فرانسو نے 'شالہ مار' کوتر کی لفظ قرار دیا ہے اور اس کے معنی آرام محل لکھا ہے۔ فلذات کی تشریح بھی طویل ہے۔''

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مزید تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''فرانسو اپنے مذہبی معتقدات میں بہت پختہ ہے ہر چند کہ وہ اپنی کتاب کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتا ہے اور مسلمانوں کے گہرے معاشرتی اثر میں ڈوبا ہوا ہے لیکن اسلام اور قرآن پر حملہ اور اعتراض کرنے سے بھی نہیں چوکتا مثلاً ابن عبداللہ اور قرآن کی تشریح میں جہاں مناظرہ کے عنوان سے قرآنی تعلیمات پر معترض ہوتا ہے۔

فرانسو نے اس لغات میں اپنے اشعار سے بکثرت استشہاد کیا ہے۔ دہرے، غزلیں، مثنوی کے اشعار، رباعیاں غرض ہر صنفِ نظم انتخاب تشریحوں کی شہادت میں نظر آتے ہیں۔ شاہ نصیر[۱] (جنہیں فرانسو اکثر موقعوں پر شاہ نصیرالدین لکھتا ہے) میر تقی میر، سودا، جرأت، نظیر اکبر آبادی، رنگین، جان صاحب، ہدایت وغیرہ کے اشعار بھی بطور سند لائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ صاحبقران کے اُردو اشعار سے بھی استناد کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بھائی بند، پاپوش وغیرہ۔ رائج الوقت زبانوں اور بولیوں کے نام بھی لیتا ہے مثلاً علاوہ اُردو کے جسے ہندی بھی کہتا ہے۔ لہجۂ مردم دہلی دیار، ہندی، پوربی وغیرہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ فرانسو اس لغات میں الفاظ کے تلفظ کی تعریفیں نہیں کرتا وہ اپنے مآخذ کا ذکر کہیں نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کے زمانے میں اُردو کی بعض لغات تصنیف ہو چکی تھیں۔ اس لغات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مصنف کی کسی منظوم تصنیف (غالباً دیوان) کا نام ''گلزار ہفت خلد'' تھا۔

---

۱۔ اُستاد فرانسو کوئن

اس کی ایک مثنوی کا تذکرہ بھی اس لغات میں آیا ہے۔ جس کا نام ''مثنوی آرام جان'' تھا۔ افسوس کہ یہ لغات مکمل نہیں اس کا آغاز ندارد۔ مندرجہ ذیل ردیفیں (کم وبیش) اس میں موجود نہیں۔

ردیف 'الف' کے بعض اجزاء، اس کے بعد 'ب' سے لیکر 'ث' تک (تقریباً مکمل)، اس کے بعد 'ف' اور 'ق' کے بعض اجزاء۔ لیکن موجودہ حالت میں کتاب کی ترتیب درست نہیں ہے۔ 'الف' کے الفاظ کو جلد اوّل میں آنا چاہیے تھا۔''

مسرت افزا کی نوعیت مختصر لغت کی ہے جبکہ لغاتِ مفصّل انسائیکلوپیڈیا کی طرز پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بآسانی اخذ کی جاسکتی ہے کہ فراسوفورٹ ولیم کالج کے نثری کارناموں سے بخوبی آگاہ ہے نیز اُردو میں داستانی ادب سے بھی واقف ہے۔

گلدستۂ حسن وعشق: ''کتاب مراۃ حسن وعشق موسوم بہ ''گلدستہ حسن وعشق [1]'' (ورق ۱۴۹۔الف)

یہ نسخہ ''دیوان فرانسوؔ'' کے نسخۂ اوّل میں ہے۔ اور دیوان کے خط سے اس کا خط مختلف ہے۔ یہ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں فرانسو نے اپنی جدّتِ طبع کا ثبوت دیا ہے۔ یہ ایک طرح کی بیاض ہے۔ سب سے پہلے مصنف نثر میں کچھ عاشقانہ مطالب لکھتا ہے جو غالباً شعرائے فارسی کے اشعار سے ماخوذ ہیں۔ اس کے بعد اُردو اور فارسی کے اہم مضمون اشعار میں لاتا ہے۔ اس بیاض کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فرانسوؔ کو شعرائے فارسی کے کلام پر بڑا عبور تھا۔ فردوسؔی، انورؔی اور خاقانؔی سے لیکر متوسّطین ومتاخرین تک سب کے اشعار پیش کرتا ہے۔ اشعار کا انتخاب کرتا ہے۔ اشعار کا انتخاب بڑا عمدہ، حسبِ موقع اور برمحل ہے۔ اسی طرح اُردو کے اشعار بھی دلپسند اور دلنشین ہیں۔

کتاب کا دیباچہ موجود ہے۔ اگرچہ اس کی بعض سطریں کتابوں کے عشاقِ جفا کار یعنی کیڑوں کی نذر ہوگئیں۔ اور کچھ دستبردِ زمانہ کا شکار ہوکر ضائع ہوگئیں ہیں۔ بہرحال جو موجود ہے درج ذیل ہے:۔''

(اقتباس دیباچہ گلدستہ حسن وعشق)

''.........ثنائے لاتعد خدائے پاک کو کہ خلقتِ انسان کو بحسنِ خلق.........مخلوق کو پیدا کیا و بتائیدِ ربوبیّت صاحبِ حسن وعشق مشتہر ومنور بنایا۔ انواع ثناوصفات وستائش بے انتہا سزاوار قادر قدیر مقدس خداوندِ کبریا ونعت گوناگوں بذات مجمع صفات حضرت عیسیٰ مسیح روح اللہ صلوات اللہ علیہ۔

[1] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۲۷۔

خامہ جامع نویسانِ نسخہ رنگین وسرانجام بخش کارسترگ آئینِ حال واحوالِ عاشقانِ حقیقی ومجازی ومعشوقانِ پردہ دار وبے پردہ کے۔ بہرروش صورتِ آغاز تا اختتام بخشا۔ من بعد ہیچمدان ناچیز ناتوان فرانسو کوئین ولد جان کا دلیو کوئین قوم جارمن از ولایت پولند مصنفِ کتاب بہ نظرِ فیض اثر صاحبان سخن نظم ونثر بہدیہ تازہ ولطفِ بے اندازہ باشعار وغزلیات ورباعیات بزبان اُردوئے معلّٰے بسان بہار نقش ونگارچین بہ ہزار شگفتگی وشادابی برنگ سبدِ گل گلزار رشکِ رخسار گلعذار ہمیشہ بہار پیش نظر صاحبان بلاغت شعار کے پردہ چہرۂ حقیقت سے اٹھایا''

کتاب کا نام دیباچے میں مرقوم نہیں۔ البتہ خاتمے میں جس کی عبارت اس سے پہلے درج کی جا چکی ہے موجود ہے۔ اب میں اس کتاب کا طرز ظاہر کرنے کے لئے کچھ فقرات پیش کرتا ہوں جن سے اندازِ تصنیف کے علاوہ مصنف کی نثر کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آغاز فقراتِ عاشقانہ ۔ ''اوقاتِ عاشق فراق دیدہ ہجراں کشیدہ باشعار خوانی وبہ اظہار حال زبانی لیل ونہار بغم یار جانی کے گذرے ظہور لاثانی ہے''۔ اس کے بعد غزل فرانسو کی دی گئی ہے۔

فقرہ۔ ''جو شرائط عالم واقع میں درجان آئے مشاہدہ میں دیدۂ عاشقان میں جلوہ دکھائے''۔

فقرہ۔ ''بے قرار عشق ومحبت کو بے وصال محبوب حقیقی رغبت بمعشوق طلسم ظاہری دشوار ہو''۔

عاشق سرائے (؟) معشوقہ میں کس قدر روز وشب دستِ روزگار ستم شعار سے پنجۂ دشمنانِ اغیار ظلم کار سے کھینچ کر معشوق کو کنج عزلت میں لایا۔ فرانسو صاحب

فقرہ صفتِ معشوق۔ ''حسن معشوق نے گوئے صباحت وملاحت کی آفتاب وماہتاب سے لی۔ یک جلوہ سراپا ناز سے ہزار درِ عشرت ومسرت روے ودل عاشق پر کھولے۔ نرگس نے چشم بند کر کے سرخجالت کا نیچے زمین پر جھکایا۔ سرو شمشاد نے خجل ہو کر قامتِ گل ولالہ میں کیا نگاہ تبسّم آمیز فتنہ انگیز۔''

اشعار سراپا معشوق:

ماہ چرخِ چنبریں لکھ مطلعِ انوار کو
صورتِ شمس الضحیٰ کہہ صفحۂ رخسار کو

کیوں بیاضِ سادہ لکھوں میں رُخِ دلدار کو
سورۂ یوسف کہوں اس مصحفِ رخسار کو

ہے شبِ یلدا دیا ہے دہ طلسمِ ابرِ شام
دودِ آہِ عاشقاں لکھ زلف کے طومار کو

ایک اور فقرۂ نثر ملاحظہ ہو:۔

''عاشق نے قصۂ معشوق کو گوش کیا، خود کو فراموش کیا، آہ گرم وسرد جگر سے کھینچی، اشکِ حسرت دیدہ سے

برسایا، خون دل چشم سے گرایا، روتا کہتا تھا مثل میں بے چارہ جہان سے آوارہ کو اس کو اکب (کذا) شہبر قدر وشوکت سے کیا نسبت، لیکن اے معشوقہ کشور محبت دولتِ دنیا کو اور ایامِ حسن جوانی کو کیا اعتبار، یہ سراپا ناپائدار، نہیں ہے ان کو ایک جا قرار کہیں ناز ہے اور کہیں نیاز ہے۔ مدعی مدگانِ نظر عقلا میں لائقِ بقا سے نہیں، با سبابِ ظاہر اعتماد حسب ونسب کا برقرار ہے۔"

اس کے بعد صائبؔ کی ایک غزل ہم مضمون درج ہے۔

غرض گلدستۂ حسن وعشق میں اسی طریق سے عاشقانہ مطالب کو ادا کرنے کے لئے اشعار (اپنے اور دوسرے شعراء کے جمع کئے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس کتاب میں بھی فرانسو کی اور کتابوں کی طرح) فحش اور عُریاں خیالات کا اظہار بہت ہے۔ مصنف کے لئے یہ مضمون بہت دلچسپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب اس میدان میں اترتا ہے تو صفحوں کے صفحے سیاہ کرتا جاتا ہے۔ (ورق ۱۴۹-الف، دیوانِ فرانسو[1] نسخۂ اوّل، ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی)

گلدستۂ حسن وعشق کو اس کے نثری انداز کی طرف خفیف اشارہ کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ مصنف لہو ولعب کا رسیا تھا اس لئے عاشقانہ مطالب کے اظہار کے لئے نثر کا سہارا لیتا ہے لیکن یہ نثر نگاری شاید اشعار کے بعد ہوتی ہے جبکہ یہاں ایسا لگتا ہے کہ نثر اشعار کی فضا بنانے کے لئے لکھی گئی ہے۔ جبکہ دیباچہ روایتی نوعیت لیے ہوئے ہے۔

گلبنِ تمنا (یا جلد نہم از جامِ جہاں نما): ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کے[2] مطابق "دیوانِ فرانسو کے نسخۂ اوّل کے صفحات ۱۴۹-الف سے ایک اور کتاب شروع ہوتی ہے۔ جس کا نام "گلبنِ تمنا" بتایا گیا ہے۔ مگر سرنامے میں اسے "جلد نہم از جامِ جہاں نما" بھی کہا گیا ہے۔ اس کے دیباچے کی ساری عبارت کو نقل کرتا ہوں۔"

(دیباچۂ گلبنِ تمنا)

روح القدس

رب یسر | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | وتمم بالخیر

"(سرنامہ) گلبنِ تمنا، کتاب نثر، عبارات بطرزِ انشاء پردازی بخطاب القاب وآداب از اعلیٰ باوسط و

---

[1] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۴ء۔

[2] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۴ء۔

از اوسط بادنیٰ از تالیف فرانسو کوئین صاحب، جلد نہم از جامِ جہاں نما شروع ہوتی ہے۔

بدو خدا۔

(دیباچہ) زداہر جواہر حمد وسپاس بیرون از انداہ قیاس نثار بارگاہِ رب العلاء نیازِ کبریا محض بفیض و احسان و فضل نا متناہی جہان و جہانیان کو بہزار زینت وزیبائی کے تشریف ہستی کا پہنایا ہے۔ جس کو چاہا بافسر خلافت فرماں روائی مرتبہ بلند سلطنت وکشور کشائی کے سرفراز وار جمند فرمایا، تعالیٰ تقدّس شانہ واعظم برہانہ تواتر احسانہ' و درود نا محدود بر مہر سپہر رسالت شمع انجمن نبوت و ہدایت سرورِ انبیاء و رسل سر جریدہ ہادیان کہ رایت علیہ ونصرت بر ساحت جہان برافرشتہ آئنہ دین وایمان کو بمصقل حسن اجتہاد زنگ شرک و بدعت سے متجلّی کیا۔

مکشوف مرأت رائے ..........(؟) یہ نسخہ ہے گلبنِ تمنا، علومِ انشاء وفنونِ املا حسبِ استعداد م: کہ فراسو گاڈلیب کوئین تسوید مکاتبات ومراسلات بہ ضمن تمنائے احیا واہل طلب صفائح زبان پر برنگ نامہٴ اعمال کو اسود کیا، امید زبان دوستان طالبان فن سے اس قدر ہے کہ فقرات وعبارات ہیچ پوچ پر خیال نہ کر کے حسب الامکان نظر استہزاو خوردہ گیری

سے معاف رکھ کر قلم باصلاح جاری کریں، عیوب سے مخفی ومجتب رکھیں''۔

اس کے بعد کتاب شروع ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے عنوانوں کے ماتحت مختصر سے بیانات ہیں۔ مثلاً بیانِ معنیٰ انشاء کے نیچے لکھا:

''انشاء مصدر ہے لغت میں بہ معنی پیدا کرنا، دراصطلاح ارباب دارالانشاء نثر ہے..........وعبارت ہے سلیس، جو کچھ منشی بنام خورد و بزرگ و برابر کے لکھے انشاء اس کا نام ہے''

منشی کے عنوان کے نیچے لکھا ہے:

''صیغہ اسم فاعل لغت بمعنی پیدا کنندہ، در اصطلاح شخص صاحب ملکہ ہر علم میں مہارتِ تام ہر فن میں صورت تمام رکھے۔ تقریر تحریر الفاظ کہ ملال لاوے اس سے احتراز واجتناب لازم ہے۔ اور تطویل کلام سے پرہیز کرے۔ تا سامع کے لئے مکروہ طبع کے نہ ہو''۔

حاصل یہ ہے کہ اس طریق سے مصنف آسان عبارت میں انشاء اور منشی سے متعلق مطالب کو ذہن نشین کراتا جاتا ہے۔ اس کے بعد کے عنوانات یہ ہیں۔

معنیٔ املا (اس کے ضمن میں انشاء اللہ خاں کا حوالہ دیا گیا ہے۔) اقسامِ نثر مرجز، مرصّع، عاری، بلاغتک معنی، سلامت کا معنی، بیان اقسام مکتوب، توقیع وفرمان ونشان، بیان فصاحت (کذا) منشی، بیان انکسار نویسی، ذکر قواعد نامہ نویسی، قاعدہ آداب والقاب، مقام خاتمہ، مقام یوم وتاریخ وسنہ وسال۔

اس کے بعد تاریخ علمِ انشاء کو ایک خاص عنوان سے شروع کرتا ہے۔ اور خطوط نویسی کے ۳۸ قواعد بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد تجلّی اوّل بالقاب وآداب ............سلاطین وشاہزادگان وبیگمات، پھر القاب عرائض و مراتب اعلیٰ مثل بادشاہان ............مرشد وپدر واستاد......وغیرہ وغیرہ۔

اظہار تعظیم شقہ ورسیدن کتابت اعلیٰ واوسط وادنیٰ کے وغیرہ وغیرہ۔

عرض عدم رسید واستدعائے توجہ......الخ، رقعہ سفارشی عذر تقصیر............استدعائے عفو جرائم رسید ہدیہ وتحفہ۔

(آغاز ورق ۱۴۹-الف، دیوان فرانسو نسخۂ اوّل، ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی)[۱]

گلبنِ تمنا کا دیباچہ فارسی آمیز نثر سے مملو ہے۔ نیز ناقص وناتمام ہے۔ کتاب علمِ انشاء پر ہے۔ دیباچے میں غایتِ کتاب بیان کی گئی ہے۔ اس دور کے لحاظ سے یہ کتاب بھی صاحبانِ عالیشان کے لئے زیادہ مفید نظر آتی ہے۔ لیکن باعتبارِ عصر حاضر اس کی افادیت دو چند اس لحاظ سے ہے کہ اُردو سے علمِ انشاء کا روایتی تسلسل ٹوٹ چکا ہے۔ اس کا مطالعہ گم شدہ کڑیوں کی تلاش میں بنیاد کا کام دے سکتا ہے۔

عشق افزا: ''دیوان فرانسو کے نسخۂ اوّل میں ایک اُردو افسانہ (قصہ) بھی ہے جو دفعتاً شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا دیباچہ اور ابتدائی حصہ ندارد۔ اس کا صحیح نام بھی معلوم نہ ہوسکا۔ مضمون سے معلوم ہوا کہ یہ پرانے طرز کی عشقیہ کہانی ہے۔ جس کے کردار ماہ جبیں۔ ماہ طلعت، مہر نگار، گل جر، ماہِ پیکر اور محمود شاہ ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ اُردو کے اشعار بکثرت دیئے گئے ہیں۔ اور سٹائل پر تکلّف ہے۔ محبوب کے سراپا کا مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ خاتمے میں مصنف نے اپنا نام لکھا ہے۔ اور افسانے کا نام شاید 'دلکشا' دیا ہے[۲]۔''

عشق افزا روایتی نوعیت لیے ہوئے ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فراسو ہندوستانی ثقافت پر مضبوط گرفت رکھتا تھا اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے اس نوع کے قصے فارسی واُردو میں یکساں رقم کئے ہوں۔

---

۱۔ اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۷۴۔

۲۔ اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۷۴ تا ۷۵۔

کیونکہ جامِ جمشید نما کے ساتویں حصّے کا نام بھی عشق افزا ہے۔ یہ قصّہ فارسی میں ہے اور اسکا موضوع بھی محبت ہے جبکہ قصہ عشق افزا (نسخۂ باقر) بھی عشق و محبت کا موضوع لیے ہوئے ہے۔

عشرت النساء (رسالہ در صفتِ زناں): ڈاکٹر سید محمد عبداللہ[1] کے مطابق ''دیوانِ فرانسو کے نسخۂ ثانی میں ایک اور رسالہ ہے جو اوّل و آخر سے ناقص ہے۔ اور دیوان سے مختصر خط میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور قوموں کی عورتوں کے حسن کی تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے اس کی تائید میں قدیم شعرائے فارسی اور اُردو کے اشعار سے استناد کیا ہے اور جا بجا اپنے اشعار بھی لائے گئے ہیں۔ بعض جگہ سراپا بھی دیا ہے۔ اور حسبِ معمول عُریاں اور فحش اشعار بھی موجود ہیں۔ کتاب کا نام معلوم نہ ہوسکا لیکن ایک جگہ سرخی ہے ''شعر فرانسو مصنف عشرت النساء'' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسالے کا نام ''عشرت النساء'' ہی ہوگا''۔

عشرت النساء ہندوستانی عورتوں کے حسن و جمال کے مظاہروں کا بیان ہے جبکہ جامِ جمشید نما کا چھٹا حصہ عشرت النساء فارسی میں ہے اور اسکا موضوع ''مجامعت کے مختلف آسن'' کے بارے میں ہے۔ مذکورہ کتب اس کی نجی زندگی کا آئینہ ہیں اور بختی بائی[2] کے ساتھ فراسو کے گذری ہوئی زندگی کا حاصل بھی۔

جامِ جمشید نما: رواں رواں نثر میں لکھا گیا ہے۔ اور یہ فارسی زبان میں فراسو کی مہارت کا بیّن ثبوت ہے۔

The Jaam-i-Jahan Numa is written in excellent fluent prose and is an eloquent testimony to his great knowledge of persian.

---

[1] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۴۷ تا ۵۷۔

[2] شادی کیے بغیر فراسو اور بختی بائی کا طویل ساتھ رہا۔ بعد از انتقال وصیت کے مطابق فراسو نے تمام جائیداد بختی کے نام کر دی تھی (دیکھیے)
Francis Gatlib Koine "Farasoo".1777-1861 A.D.

European & Indo-European peots of Urdu & Pesian by Ram Babu Saksena page no. 265

[3] European & Indo-European peots of Urdu & Pesian by Ram Babu Saksena page no. 274

فارسی نثر کی کتاب ہے جو سات حصّوں پر مشتمل ہے۔ پچھلے صفحات پر تفصیل دی جا چکی ہے۔ اس فارسی کتاب سے فراسو کی فارسی میں غیر معمولی استعداد کا نہ صرف اندازہ ہوتا ہے بلکہ موضوعات کو دیکھتے ہوئے بلا جھجک یہ کہا جا سکتا ہے کہ فراسو اس شکست و ریخت سے گذرنے والے معاشرے کا نمائندہ ترین فرد تھا۔

قصہ عشق افزا: قصہ عشق افزا کو متعارف کروانے والے ڈاکٹر محمد باقر[1] ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق عشق افزا کا مخطوطہ مجھے قیامِ پاکستان کے بعد لاہور کے ایک بازار سے ملا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مخطوطہ لاہور میں کیسے اور کب پہنچا۔ لیکن قیاس کرتا ہے کہ دورانِ فسادات میں جب لاہور کے بہت سے نجی کتب خانوں کو لوٹا گیا تو اس وقت یہ نسخہ بھی کسی کتاب خانے سے نکل کر بازار میں پہنچ گیا۔ یہ مخطوطہ[2] فراسو کا 'قصہ عشق افزا' ہے۔''

قصہ عشق افزا مقفیٰ و مسجع نثر کا روایتی نمونہ ہے۔ اسکا آغاز حضرت عیسیٰؑ کی نعت سے بعنوان روح القدس سے ہوتا ہے اور اس میں فراسو اپنے اور قصے کے مطابق یوں رقم طراز ہے:

''ہیچمدان ناتوان فراسو کوئین ولد جان گاڈلیب کوئین قوم الیمان اگرچہ لیاقت و استعداد اسقدر نہیں رکھتا کہ آپکو بزمرۂ اہلِ علم نظم و نثر جانے مگر باتفاق ہنگام ایام بے دلی و پریشاں حالی بعشقِ لیلیٰ وشی جو بزمانہ بوقلموں سے چندے علمِ تنہائی و گوشہ گیری میسر ہوا۔ اس وقت خیال دل دردمند پر گذرا کہ ایک افسانہ رنگین و دلچسپ تازہ و پر درد بصد شکر فگاری تحریر کرے و بہ شیریں گفتاری کہ کوئی قصہ تازہ و کہن اس کے سوز و گداز کو نہ پہنچے و گوش فریاد پیش گانِ تعشق اندیش سوائے اس شیریں حکایت کے خواہش نہ کرے سوائے سیر اس قصہ کے کسی کہانی پر دل نہ دھرے علیٰ

---

[1] جرمن شاعر فراسو کا قصہ عشق افزا، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۵۰ء، صہ۳۷۔

اُردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں از ڈاکٹر محمد باقر، ۱۹۷۲ء، صہ۹۹۔

[2] اب یہی مذکورہ مخطوطہ قومی عجائب گھر پاکستان کراچی کی زینت ہے۔ سلسلہ نمبر ۵۰۸، مخطوطہ نمبر N.M. 1965_24۔

مصنف: فراسو کوئین ''قصہ عشق افزا'' تقطیع: ۲۹ ۱/۴ × ۱۹، س م۔ اوراق: ۹۲، سطور ۱۵۔ خط: نستعلیق۔

اوسط سنہ کتابت: وسط تیرہویں صدی ہجری (قیاساً)۔ کاتب: نہ معلوم۔ کاغذ: ہلکا بادامی، چکنا دبیز۔

روشنائی: متن سیاہ اور عنوانات و اشعار سرخ روشنائی سے تحریر کئے گئے ہیں۔

مندرجات: اس میں ایک عشقیہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس قصہ کو جا بجا اپنے اشعار سے مزین کیا ہے۔

صفحہ نمبر: ۳۷۸، ۳۷۹۔ فہرست مخطوطاتِ اُردو قومی عجائب گھر پاکستان کراچی۔ مؤلف: ڈاکٹر ظفر اقبال۔ سالِ اشاعت: ۱۹۹۱ء

ہذالقیاس بکلامِ فارسی وزبانِ ہندی کے جسے اُردوئے معلّٰے خطاب کرتے ہیں اس داستان کومترجم کرکے داکثر غزل ومثنوی ورباعی وفرد برمحل ومقام بہ پیرایشِ نگارش میں لاکے دل افروز انجمن کیا تارشتہ شوق عاشقوں۔کے ساتھ آوے وجان دیوانگاں کی ذوق جنوں اٹھاوے وسینہ بے قراراں سرمایہ بےقراری پاوے وسرگشتگان وادیٔ یاس کومنزلِ حصولِ امید پر پہنچاوے وآتش محبت ہر دل سوختوں کی جان میں دوبالا کرے وحاضرانِ محفل کاشمع وارجگر گلاوے آخرکار بہزار حسن وخوبی نام اس قصہ کاعشق افزا موسوم کیا۔مگرامید چمن پیرایانِ سخنوری وگلشن آرایانِ گستری سے یہ ہے کہ اس رنگین گلزارِسخن کوفیض نظارہ سے آب ورنگِ قبولیت عطاکریں اور جونہال موافق مدعا مناسب مقام نہ دیکھیں بہ باغبانی اصلاح بجائے لائق ترتیب دیں اوراس بے پیرو بے برگ نوا نے جوجوہراز خار خاطر سے اس گلزارِرنگیں بار کو بآراستگی فراہم کناں گفتار چنیں وچناں سے معاف فرماویں۔

بیت:

جہاں جرم سے گو ہے ہر سر بسر ‏ تو بخشش پر اس کی ہے سب کی نظر

تصویرِمصنف کتاب: فراسوکوئین قوم الیمان ساکن ولایت پولینڈ‘‘

(قصہ عشق افزا، مخطوطہ صفحہ نمبر۱۱-الف ب، سلسلہ نمبر ۵۰۸، فہرستِ مخطوطات اُردو قومی عجائب گھر پاکستان کراچی، مؤلف ڈاکٹر ظفر اقبال سال اشاعت ۱۹۹۱ء)

قصہ عشق افزا کی تفصیل اگلے صفحات پر تدوین متن اور مقدمہ کی صورت میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔اور دیکھیں گے کہ فراسو کے اسلوب نثر کے محاکمہ سے اس کی شخصیت کا ایک نیا روپ بحیثیتِ نثر نگار سامنے آئے گا۔

فراسوکوئین کے نثری سرمایہ میں آٹھ کتب ہیں جس میں ایک فارسی زبان میں ہے اور اس کے سات حصے ہیں۔اس سرمایہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس زمانے کے چلن کے مطابق اسے اُردو نثر کا بھی شعور تھا اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عصر سے واقف تھا بلکہ اُردو وفارسی کے نثر ونظم کے معروف اور اہم ترین ادباء وشعراء کے کارہائے نمایاں سے بھی آگاہ تھا۔جیسا کہ پچھلے صفحات میں مسرت افزا کے دیباچہ کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔اس سے اس کے ذوقِ شعری کا پتہ چلتا ہے۔چونکہ بنیادی طور پر وہ شاعر تھا اس لئے اس نے شعراء کے نام داخلِ دیباچہ کئے۔یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ اپنے عہد میں یا اس سے قبل لکھی جانے والی کتب سے آشنا نہ

ہو۔ یہی وجہ ہے کہ راقم نے مسرت افزا کے بیان سے قبل اہم قواعد ولغات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ لغت نویسی کے ضمن میں ہم جانتے ہیں کہ اس فن میں یوروپینز نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ فراسو کی لغت نویسی بھی قریباً اسی زمرے میں آتی ہے کہ اس نے اشعار بطور سند پیش کر کے مسرت افزا (لغت) کو عمومی طور پر قابلِ فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسا اس نے یوں بھی کیا ہوگا کہ برطانوی حکمرانوں سے صلہ کی تمنا غالباً ہمیشہ اس کے پیشِ نظر رہی۔ اس بات کی تصدیق ''مسرت افزا'' کی حسبِ ذیل سطور سے بھی بآسانی ہو جاتی ہے۔

''مسرت افزا کو بنظرِ غور صاحبانِ والا شان عالی دودمان انگریز بہادر دام صولتہٗ کے زمان میں اختتام پہنچا کر شہرہ جمیع خاص و عام میں جلوہ افروز کیا۔ تا نتائج دولت ابد مقرون صفحات روزگار و اوراق لیل و نہار پر باقی و مشتہر رہے۔[۱]''

فراسو کوئین شاہ نصیر دہلوی کے معروف تلامذہ میں سے ہے۔ جیسا کہ شاہ نصیر کی شاعری سے ظاہر ہے کہ اس کے ہاں ذخیرۂ الفاظ کے اضافے اور ان کے استعمال پر نہایت زور رہا اور شاہ نصیر کے انتقال سے قبل ان کا دکن اور لکھنؤ[۲] جانا اور وہاں کے زبان و بیان اور وہاں کے شعراء سے ادبی ولسانی تعلق استوار رکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُردو میں مکمل لغات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہوگی۔

مذکورہ تجزیہ کلیاتِ شاہ نصیر مرتبہ ڈاکٹر تنویر علوی سے اخذ کردہ نہیں ہے بلکہ یہ خیال فرہنگِ آصفیہ مؤلف مولوی سید احمد دہلوی کے دیباچوں اور ان کے فرہنگ میں پہلے مضمون بعنوان ''اثنائے تالیف کے مصائب، ہمارا استقلال اور دولتِ آصفیہ کی بدولت ان کا مبارک مآل'' سے پیدا ہوا۔ وہ مذکورہ لغت پر کام کرنے والے شرکاء کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''ابتدائی معاونوں میں سے شاہ بہاء الدین صاحب عرف عبداللہ شاہ دہلوی متخلص بہ بشیر سجادہ نشین حضرت سید مخدوم صدر جہاں قدس سرہٗ و نبیرہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی نے بھی محنت سے آنکھ نہ چرا کر ۱۸۸۶ء میں انتقال فرمایا''۔[۳]

---

۱۔ اُردو کا جرمن شاعر فرانسو۔ مطبوعہ ادبی دنیا اگست ۱۹۴۴ء از ڈاکٹر سید محمد عبداللہ۔

۲۔ کلّیاتِ شاہ نصیر، مرتبہ ڈاکٹر تنویر علوی (دیکھئے دکن اور لکھنؤ کے سفر کا احوال مع سنین)

۳۔ فرہنگِ آصفیہ (جلدِ اوّل) صہ ک۔

مولوی سید احمد دہلوی کے بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کی اس لغت (فرہنگِ آصفیہ) میں خانوادۂ شاہ نصیر دہلوی کی جگر کاوی بھی شامل ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ شاہ نصیر کا شعورِ لسانی تلامذہ کو منتقل نہ ہوتا۔ جبکہ لغات کی ضرورت برطانوی راج کے بعد تو دو چند ہوگئی ہوگی۔ چونکہ انگریز اب اس قابل ہو چلے تھے کہ وہ اُردو زبان وادب سے براہِ راست استفادہ کرسکیں۔ اس کی بہترین مثال باغ و بہار کی وہ اشاعت ہے جس کے ساتھ انگریزی اُردو لغت بھی دی گئی ہے۔ میرے پیشِ نظر باغ و بہار کا ۱۸۵۱ء میں شائع شدہ وہ نسخہ ہے کہ جو ولیم واٹس کے چھاپے خانے میں تیسری دفعہ چھاپا گیا۔

فراسو بحیثیت نثر نگار تمام یورپینز میں نمایاں ترین ہے۔ ہمیں کوئی ایسا یورپین نہ اس کے بعد نظر آتا ہے نہ اس کے بعد کہ جسے ہم واقعی فنافی الادب کہہ سکیں۔ راقم کے خیال میں اس کی تخلیقی قوت اس کی راہ میں مزاحم رہی اور وہ اپنی تخلیقات کی اشاعت سے بے نیاز رہا۔ سرمستی و سرشاری کی زندگی گزارتا رہا۔ اس سے تو یہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ کاتب سے لکھوائے جانے والے متون کے پروف بھی پڑھ سکے۔ اور اپنی تخلیقات پر نظرِ ثانی کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ دراز تک پردۂ خفا میں رہا اور اس کا نواسا جان شور میرٹھی تک اس کا حقیقی وارث نہ بن سکا۔

## فراسو کی شعری کتب

۱۔ گنبد گیتی نما (دیوان): [۱]

اس میں جو قصائد شامل ہیں اُن میں سے اکثر بیگم سمرو کی توصیف میں لکھے گئے ہیں اور چند ظفریاب خاں کی تعریف میں ہیں۔ یہ دیوان ۲۴۰ رصفحات پر محیط ہے۔

۲۔ مجموعۂ قصائد: [۲]

اس میں چودہ (۱۴) قصائد شامل ہیں۔ جن میں سے تین مذہبی ہیں۔ آخر میں بہت سے قطعات ہیں جو تمام تر شخصی ہیں۔

۳۔ نظمِ انشاء یا نسیمِ دلکشاء (منظوم مکتوبات): [۳]

منظوم مکتوبات پچاس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور فراسو کی سوانح نگاری کے لئے اس میں بعض دلچسپ تفصیلات بھی موجود ہیں۔ وہ مختلف ادوار میں تحریر کئے گئے خطوط ہیں۔ اور ان میں نواب ظفریاب خان (Nawab Zafaryab Khan)، بیگم سمرو (Begum Sumru)، میجر لوئس ڈیریڈن (Major Louis Derridon)، آگسٹائن (شاید Augustine De Sylva of Agra)، جیمس گیرن ((James Garan (Gardner))، فرانسس (Francis)، جان صاحب (John Thomas)، مولہ جان (Mamolo Jan)، اپنی محبوبہ اور دیگر کو مخاطب کیا گیا ہے۔ خطوط کی شاعری سلاست وروانی کے ساتھ ساتھ رواں اور مربوط ہے۔ خطوط اکثر چھوٹی سطور یں لکھے گئے ہیں۔ [۴]

---

[۱] یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۲ (۱)۔

[۲] جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷ (۲)۔

[۳] جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷ (۱) اور یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۳ (۴)۔

[۴] یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۵۔

فراسو نے بڑی تعداد میں قصائد لکھے۔ان میں سے اکثر بیگم سمرو کی توصیف میں لکھے گئے ہیں۔اور روایتی طرز کے حامل ہیں۔جن میں عام طور پر تلوار، تیر اندازی، بہادری، گھوڑوں، خیموں، محلات، ذاتی خوبصورتی یا حسن، آرائشِ ساز وسامان، سخاوت، انصاف، فوج، ہمدردی اور ان کے دیگر اعلیٰ اوصاف و وقار کی تعریف کی گئی ہے۔آخر میں قصائد کا اختتام معمول کی دعا سے ہوا ہے۔جو ان کی طویل عمری اور خوشحالی سے عبارت ہے۔اسی دعا کے ساتھ ایک درخواست اعلیٰ عہدے یا انعام کے لئے بھی ہے۔قصائد کی تشبیب میں تنوع پایا جاتا ہے۔کبھی کسی قصیدے میں باغ کا ذکر ہوتا ہے اور کسی میں ستاروں یا نجوم سے آغاز کیا جاتا ہے۔ایسے بھی قصائد ہیں جو شاہ عالم بادشاہ کی جانب سے بیگم سمرو کو القابات تفویض کیے جانے کے مواقع پر لکھے گئے۔اس کے علاوہ دسہرے، بسنت، ایڈ پاسکو(Id Pasko)، ناٹل(Natal)، رومن کیتھولک میں تہواروں، بیگم کی صحت یابی اور ایڈ پاسکو کے مواقع پر تخلیق کئے گئے۔اس کے علاوہ ایسے بہت سے قطعات ہیں جن میں بیگم سے عفو و درگزر کی درخواست کی گئی ہے اور واجبات یا انعامات کا بھی فراسو خواستگار ہے۔ بسنت میلے کے حوالے سے کم از کم تیرہ [۱۳] نظمیں ہیں۔نواب ظفریاب خان کی شان میں بھی چند قصائد اور قطعات ہیں۔اس کے علاوہ ایسے قصائد بھی ملتے ہیں جو برطانوی افسران کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ ان افسران میں لارڈ کمبر میئر (Lord Comber Mere)، چارلس مٹکاف(Sir Charles Metcalfe)،فریزر صاحب(Mr. Fraser) رہائش پذیر دہلی اور جناب اسٹرلنگ (Mr. Starling) شامل ہیں۔لارڈ کمبر میئر کی توصیف میں کہا گیا قصیدہ پانچسو پچاس (۵۵۰) اشعار پر مشتمل ہے۔غالباً یہ ایک ریکارڈ ہے۔

ان قصائد میں سے کئی ایک میں فراسو نے اپنی تعریف میں اشعار کہے ہیں (یعنی تعلّی سے کام لیا ہے)۔ یہاں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

میں ہی وہ شاعر تر اطوطیٔ خوش لہجہ ہوں

ہند سے ایران تلک جس کا سخن ہے گیا

میں ہی وہ شاعر ہوں کہ جس کا ہے آج

ہند سے ایران تلک ...... (؟) اشتہار

تمہارا فدوی دل و جان سے فراسو ہے
گئے ہیں ہند سے ایران تلک مرے اشعار
میں فراسو وہ ترا ہوں شہرِ ملک اشعار
جس کے آگے ہوئے سب طوطیٔ گویا اب کم[۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ فراسو کوئن بیگم سمرو کا درباری شاعر تھا اور اس نے کئی یادگار مواقعوں پر ستائشی نظمیں کہہ کر پیش کیں۔ جب وہ ہندو تہواروں پر لکھ رہا ہوتا تو ہندی الفاظ نہایت مہارت سے استعمال کرتا ہے اور بسنت پر لکھی ہوئی کئی نظمیں فراسو کی گہری واقفیت کی غماز ہیں۔ فراسو فارسی زبان میں خاصی دستگاہ رکھتا تھا۔ جبکہ عربی میں بھی اُسے خاصی شُد بُد تھی۔ فراسو نے اپنی ایک نظم میں عربی کا مصرعہ لکھا ہے۔ جبکہ اُردو نظموں میں فارسی الفاظ و تراکیب کا برمحل اور آزادانہ استعمال فراسو کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک قطعہ (جس میں وہ بیگم سمرو سے عفو و درگزر کا طالب ہے) میں کہتا ہے کہ ؎

عصیان کے انبار سے گو پُر ہوں چپ وراس　　　تم اپنے کرم سے مرے دل میں نہ رکھو پاس
فرمایا ہے مجرموں کے حق میں یوں خدا نے　　　الکاظمین، الغیظ، العافین عن الناس[۲]

قصیدہ کی تخلیقی توانائی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فراسو کوئن کو فنِ قصیدہ میں کمال حاصل تھا۔

۴۔ دیوانِ ہجویات:[۳] (اس مجموعے میں پسّو، خارشت، میخوار، ژالہ باری کی ہجویات کے علاوہ سردھنہ کی رنڈی چندو کی ہجو، بڑھانے کی بھٹیاری کی ہجو اور ہجوِ مکنو لال شامل ہیں۔)

---

۱؎ جملہ اشعار رام بابو سکسینہ کی کتاب ''یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

۲؎ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۴۔

۳؎ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷ (۳)۔

ان کی ہجو یہ شاعری میں شرابیوں ،پسوؤں ،ژالہ باری اور بارش ،خارش ،ایک طوائف ،ایک بھٹیاری اور تین کونی لڑکوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ نظمیں شگفتہ پیرایہ میں لکھی گئیں ہیں۔ آخری پانچ نظمیں نہایت فحش ہیں اور حوالہ بنائے جانے کے لائق نہیں ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فراسو میں مزاح کا جوہر بھی موجود تھا۔ اور وہ شدید طنز آمیز نظمیں بھی لکھ سکتا تھا۔

فحش نگاری چونکہ اس زمانے کی ایک عام روش تھی اس اعتبار سے اس کی مذکورہ نظموں میں عامیانہ پن پایا جاتا ہے۔ اور فی الواقع خال خال ہی کوئی شاعر اس روش سے اپنا دامن بچاپاتا تھا۔

۵۔ <u>قطعات باوزان دوہرہ:</u>[۱] (بوزنِ متدارک مسمی مقطوع ،رمل ،مسدس مقصور یعنی فعلن فعلن فاعلن ،فعلن فعلن فاعلات۔ اس میں کم وبیش آٹھ سو فردیات ہیں)۔

ہندی دوہرے ۶۴ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں ہندی الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں اور بیشتر دوہروں میں مقولے نظم کئے گئے ہیں۔ مثلاً

اپنے سبھی ہیں مہربان سب کو کریں سلام　　　پیغمبر اور دیوتا صنم اور خدا اور رام[۲]

۶۔ <u>دیوانِ فارسی مع انتخابِ فارسی:</u>[۳] (ابتداء میں پچاس ساٹھ رباعیات ،ازاں بعد غزلیات و دیگر کلام فارسی مثل مبارکباد وغیرہ)۔

فارسی دیوان حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اور اَسّی صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن ان میں سے کئی صفحات سادہ ہیں۔ اور غزلیں بھی نامکمل ہیں۔ چند غزلیں حافظؔ اور دیگر ممتاز شعرائے فارسی کی زمینوں میں کہی گئیں ہیں۔ فراسو کو فارسی زبان پر مکمل دسترس تھی۔ جسے اس نے نہایت مہارت اور خوبی سے اشعار کا جامہ پہنایا۔

---

۱۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی ،مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا ،اگست ۱۹۳۹ء ،صہ ۴۷(۵) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ ،صہ ۲۷۳(VI)۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ ،صہ ۲۷۵۔

۳۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی ،مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا ،اگست ۱۹۳۹ء ،صہ ۴۷(۷) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ ،صہ ۲۷۳(VII-VIII)۔

۷۔ دیوانِ ہزلیات:[1] (نہایت گندہ اور فحش کلام ہے۔)

چند صفحات پر فحش غزلیں اور مخمس ہیں۔ ان کا مطالعہ ہیجان خیزی کے ساتھ ساتھ خجالت کا باعث بنتا ہے۔ اور سینہ بہ سینہ سفر کرتا ہوا کلام رفیع احمد خان[2] کی یاد دلاتا ہے۔

۸۔ دیوانِ غزلیات: [3] (در صنعتِ تجنیسِ مکرر مسمّیٰ تجمل جوزا۔ قابلِ تعریف چیز ہے۔)

بارہ صفحات پر مشتمل غزلیں صنعتِ تجنیس مکرر میں لکھی گئیں ہیں۔ جو اس زمانے کی نہایت مقبول صنف تھی۔ یہ غزلیں فراسو کی قادرالکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ؎

تیرے منہ کی دید کی رکھتا نہیں مہتاب تاب | اور لبوں کو دیکھ کر ہے منفعل عناب تاب[4]

اس کی چھاتی پر فراسو بار دیکھ | دے دیا دل ہم نے آخر ہار ہار[5]

۹۔ قصیدۂ مبارکباد فتح قلعۂ بھرت پور: [6] (در بیانِ شجاعت و دلیری صاحبانِ عالیشان انگریز بہادر دام صولتہٗ)

سات صفحات پر تہنیتی نظم ہے جو برطانوی فوج کی قلعۂ بھرت پور پر فتح کے موقعے پر تحریر کی گئی ہے۔

نمونہ: ؎

ہولی میں یہ جنگ بھرت پور تو نے فلک اٹھائی ہے | توپ تفنگ کی پچکاری اور رنگ کی دارو بنائی ہے

گولوں کے نقارے ہیں سنگینوں کی شہنائی ہے! | سوزِ جگر مہتاب ہوئے اور راکٹ بم کی ہوائی ہے[7]

---

۱۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ۴۷(۸) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۲۷۳(IX)۔

۲۔ رفیع احمد خاں، یادوں کی برات از جوش ملیح آبادی۔

۳۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ۴۷(۹) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۲۷۳(X)۔

۴۔ صہ۳۱۳، انتخابات (حصہ اُردو و فارسی) یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

۵۔ صہ۳۱۷، انتخابات (حصہ اُردو و فارسی) یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

۶۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ۴۷(۱۰) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۲۷۳(XI)۔

۷۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ۲۷۶۔

۱۰۔ مجموعہٴ مثنویات: [۱] (۱۴ مثنویاں۔جن میں سے ایک تنبیہہ الغافلین فارسی میں ہے۔)

یہ مثنویاں تین سو صفحات پر محیط ہیں۔انھیں فرداً فرداً زیر بحث لانا ممکن نہیں ہے۔اور نہ ہی ایسا کرنے میں کوئی فائدہ ہے[۲]۔مثنویوں میں گریز پایا جاتا ہے اور ان میں حوالے نقل کئے گئے ہیں۔

مثنوی شمعِ انوار میں مولانا روم کی مثنوی سے حوالے دیئے گئے ہیں۔جبکہ ''چراغِ خانہٴ عشق'' گویا انشاء، جرأت اور مصحفی کی غزلیں ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ فراسو[۳] انشا کے متعلق بہت بلند رائے رکھتا ہے۔اپنے ایک قطعہ میں وہ اپنے عہد کے بہت سے اہم شعراء کا تذکرہ کرتا ہے اور انشا کو اپنے عہد کا سب سے بڑا شاعر قرار دیتا ہے۔چند ایک مثنویات میں بیگم سمرو کی شکار کی مہمات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

۱۱۔ مثنوی ظفر الظفر (فارسی): [۴]

اس میں ہنگامہٴ غدر کی آپ بیتی بیان کر کے انگریزوں کی فتح و کامرانی کا تذکرہ کیا ہے۔

---

۱؎ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷ (۴) اور یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۳ (V)۔

۲؎ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۵۔

۳؎ شاہ نصیر کا شاگرد ہونا اور انشا کی بڑائی کو تسلیم کرنا فراسو کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی غمازی کرتا ہے۔(مؤلف)

۴؎ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷ (۶) اور

MAULANA AZAD LIBRARY, ALIGARH UNIVERSITY.

1432

Masnavi-ye Zafar oz-Zafar Mowsum be Fath Namah-ye Angreiz

M.C. No.: 350/2, Subject: Poetry, Author: Faraco, Script: Nasta'liq, Lines: 13, Folios: 197, Language: Persian

انٹرنیٹ کی اطلاع کے مطابق مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ میں مثنوی ظفر الظفر کا قلمی نسخہ موجود ہے۔جیسا کہ ہم فراسو کے نام کے ہجے کے ضمن میں ''فراسو کی سوانح'' میں بحث کر چکے ہیں، انٹرنیٹ سے موصولہ مخطوطے کے ضمن میں بھی فراسو کے انگریزی نام کے ہجے مختلف ہیں جو اس سے پہلے کہیں اور دستیاب نہ ہو سکے۔

نمونۂ کلام:

انتخابِ مثنوی فارسی مسمٰی ،ظفر الظفر
(فتح نامہ انگریز)

آغاز:[۱]

| | |
|---|---|
| بایں رزم نامہ چو پرداختم | نختیں ز میرٹھ بیاں ساختم |
| زخیلِ سیاہان بدکار خو | زآقائے خود روسیہ رزم جو |

اختتام:[۲]

| | |
|---|---|
| فتح نامہ گفتم بہ لفظِ دری | کشادیم برخویش کسوت زری |
| فراسو دلم از سخن سیر نیست | سخن ہا چو تیرست شمشیر نیست |
| شدآرایشِ نظم ایں داستاں | بہ سیر وتماشاے خورد و گلاں |
| دریں قصہ نظمے بہ چستی گذشت | کتاب سخن رادرستی گذشت |

۱۲۔ مثنوی آرامِ جاں:[۳]

لغاتِ مفصّل میں اس مثنوی کا ذکر ہے۔

۱۳۔ گلزارِ ہفت خلد:[۴]

لغاتِ مفصّل میں اس منظوم تصنیف کا ذکر آیا ہے۔

---

۱؎ صہ۳۴۹،انتخابات (حصہ اُردو و فارسی) یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابوسکسینہ۔

۲؎ صہ۳۵۲،انتخابات (حصہ اُردو و فارسی) یورپین اور انڈ و یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابوسکسینہ۔

۳؎ اُردو کا جرمن شاعر فرانسواز سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ۶۸ (۱۹)۔

۴؎ اُردو کا جرمن شاعر فرانسواز سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ۶۸ (۲۰)۔

۱۴۔ فراسو کے دواوینِ اُردو (دو نسخے)[۱] (ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی۔)

''ذخیرۂ کیفی میں فرانسو کے ضخیم دیوان کے دو نسخے موجود ہیں۔ اس کے پہلے نسخے کا نمبر K.P.F.I.3 ہے۔ اس کی تقطیع بڑی ہے۔ ہر صفحے پر دو دو کالم ہیں۔ بظاہر یہ نسخہ فرانسو کا خودنوشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس بارے میں کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی۔ تاہم خیال یہی ہے کہ یہ مصنف کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ ہر صفحے میں ۲/کالم ہیں۔ ایک کالم میں نثر ہے اور دوسرے کالم میں غزلیات۔

دیوان کے دوسرے نسخے کا نمبر K.P.F.I.3 ہے۔ اس کے اوراق بڑی تقطیع پر ہیں۔ یہ نسخہ بھی غالباً فرانسو کا خودنوشتہ ہے۔ ہر صفحے پر دو کالم ہیں۔ اس دیوان میں چونکہ نثر کا رسالہ صرف ایک ہے۔ اس لئے دیوان کے بیشتر حصے میں ایک کالم خالی پڑا ہے۔

اس دیوان کی ترتیب میں بھی فرانسو نے بڑی جدّت سے کام لیا ہے۔ اس نے غزلیات کو عام دستور کے مطابق ردیف کے حروف کے اعتبار سے مرتب نہیں کیا۔ بلکہ قافیے کے حروف کے مطابق اس بڑی ترتیب کے ساتھ ضمنی ترتیب ردیف کی بھی چلتی ہے۔

ایک بڑے لطف کی چیز اس دیوان میں یہ نظر آئی ہے کہ شاعر بعض موقعوں پر غزل سے پہلے ان قوافی کی ایک فہرست دے دیتا ہے جن کا استعمال اس غزل میں کرتا ہے۔ مثلاً ورق ۳۷۔ الف پر:۔

انگ۔ اورنگ۔ آہنگ۔ پلنگ۔ ترنگ۔ تنگ۔ بنگ۔ چنگ۔ خرچنگ۔ دبنگ۔ جنگ۔ زنگ۔ سنگ۔ فرنگ۔ لنگ۔ نیرنگ۔ خدنگ وغیرہ۔

اسی طرح ورق صہ ۱۲۵ پر:۔

اوبل۔ اوجھل۔ اوچھل۔ تل جل۔ خلل۔ مثل۔ ذلل۔ کنول۔ گل۔ دخل۔ محل۔ مخمل۔ پل۔ نرمل وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح ایک اور غزل سے پہلے:۔ تامل۔ تساہل۔ بلبل۔ تجمّل۔ توکل۔ تفضل۔ تناول۔ تحمّل۔ تغافل۔ غل۔ قلقل۔ کاکل۔ تنزّل۔ تناول وغیرہ وغیرہ۔

---

[۱] اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۶۸ (۱۴)۔

اس دیوان میں سہ غزلے بلکہ اس سے زیادہ ہم مطلع غزلیں ملتی ہیں۔ فرانسو اُس زمانے کا شاعر ہے۔ جب دہلی کے مشاعروں میں شاہ نصیرؔ اور ان کے معاصرین مثلاً حکیم ثناء اللہ فراقؔ، حکیم قدرت اللہ قاسمؔ، میاں شکیباؔ، مرزا عظیم بیگ، شیخ ولی اللہ محبؔ، حافظ عبدالرحمٰن احسانؔ، طویل غزلوں، سنگلاخ زمینوں اور نا قابلِ عبور قوافی کے ذریعے قوت آزمائی کیا کرتے تھے۔ ایک سے زیادہ ہم مطلع غزلیں لکھنے سے یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا تھا کہ شاعر کو زبان اور بیان، قوافی اور ردیف پر کس درجہ قوت اور قدرت حاصل ہے۔

شاہ نصیر سنگلاخ زمینوں اور مشکل بحروں میں غزلیں لکھنے کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مطلع آبِ حیات میں اس بات کی شہادت میں موجود ہیں۔ ؎

سدا ہے اس آہ و چشم و تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
نکل کے دیکھو ٹک اپنے گھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

مقطع: ؎
نصیرؔ لکھی ہے کیا غزل یہ کہ دل تڑپتا ہے سُن کے جس کو
بندھے ہے کب یوں کسی بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

نیز وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

شب کو کیونکر تجھ کو ہے پھبتا سر پر طرّہ ہار گلے میں
جوں پروین و ہالۂ مہ تھا سر پر طرّہ ہار گلے میں

مقطع: ؎
اور بدل کے ردیف و قوافی لکھئے غزل اس بحر میں جلدی
تم نے نصیرؔ اب خوب پنہایا سر پر طرّہ ہار گلے میں

نیز ؎
بادہ کشی کے سکھلاتے ہیں کیا ہی قرینے ساون بھادوں
کیفیّت کے ہم نے جو دیکھا وہ ہیں مہینے ساون بھادوں

اس بارے میں اتنا مبالغہ ہوا کہ شعر و غزل کی مکھیاں تک اڑائی گئیں۔ فرانسو جیسا طومار نویس اس معاملے میں اپنے وقت اور دیس کی ریت سے الگ کیسے ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں ۱۷ اور ۲۲ اشعار کی غزلیں بکثرت موجود ہیں۔ اسی طرح سہ غزلے، پنج غزلے بلکہ ہفت غزلے بھی ہیں۔ وہ غزلیں جن میں ردی کے الفاظ چار سے زیادہ بلکہ پورے پورے فقرے ہوں۔ اس دیوان میں بہت ہیں۔

مثال کے طور پر ذیل کی غزل ۔

ہے چشمِ تر آبِ رواں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
ہووے کسی کو کچھ گماں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
تیرِ ستم پہنچا بجاں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
آخر ہوا یوں امتحاں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
کوئی دم کے ہیں ہم میہماں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
ہے ہر نفس ریگِ رواں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے
باتوں میں باتیں ہیں نئی باتوں میں باتیں پیار کی
پر ہر سخن آزارِ جاں کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

وغیرہ وغیرہ۔

''فرانسو کے اس دیوان میں جہاں تک میں معلوم کر سکا۔ غزلیات کے علاوہ کوئی اور صنفِ نظم موجود نہیں۔ اس کے اشعار میں خاصی پختگی اور متانت نظر آتی ہے۔ مگر طومار نویسی کی علت کی بدولت اکثر موقعوں پر شعر برائے قافیہ ہے۔ فرانسو کی بیشتر زندگی رندی، لااُبالی پن اور عیش پسندی میں گزری۔ اس کے تاثرات قدرتی طور پر اس کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں عُریانی اور فحش گوئی بھی ہے۔ مگر یہ بات موجودہ دور کے عریاں نویسوں کو ضرور سُن رکھنی چاہیے کہ فرانسو کی عریاں نویسی، اس کی قابلیت اور قدرتِ اظہار کی کوتاہی کا بہانہ اور پردہ نہ تھی۔ بلکہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اسے کہہ سکتا تھا۔ بخلاف جدید دور کے مدعیانِ ''واقعیت'' کے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کو کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اسی لئے جو کچھ کہتے ہیں نہ کہنے کے برابر ہے نہ سننے کے لائق۔ فرانسو کے کلام میں بُتِ فرنگ، محبوبانِ بے پردہ، بنگلہ، مۓ ارغوان، بتِ فرانسیس، بوس و کنار، غرض ہوا و ہوس کے تمام مناظر و واقعات نہایت عمدہ اور پختہ زبان میں ادا ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ فرانسو کی جدّت پسند طبیعت اُردو شاعری بلکہ سارے ادب میں نئی راہیں پیدا کرنے کے لئے بے تاب نظر آتی ہے۔ مگر ہمارے بزرگوں نے شاعری کی علمی بنیادوں کی مضبوطی کے بارے میں جو کڑی شرائط لگا رکھی تھیں ان کی تکمیل، قافیہ و ردیف کی مشق اور الفاظ و تراکیب پر قدرت، اور مناسبات و تلازمات سے گہری واقفیت کے بغیر ناممکن تھی۔ شاعری عبارت ہے اظہار جذبات سے

جس کے لئے زبان و بیان کے خوبصورت سانچوں اور قالبوں کی بے حد ضرورت ہے۔ اور یوں تو درِدِل کا اظہار ''نثر'' کے بے رنگ نقوش سے بھی ہو ہی جاتا ہے۔ مگر آپ خود جگر کو جب تک رنگین و حسین شیشہ و مینا میں بھر کر سوز و گداز کی محفل میں نہ لائیں گے بلند پایہ شاعر نہیں کہلا سکیں گے۔

اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فراؔنسو کی شاعری میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ ایک غیر قوم اور ملک کا باشندہ جسے ہندوستان میں آئے ہوئے ابھی ایک ہی پشت گذری ہے، اُردو فارسی کے مخصوص پیرایہ ہائے بیان سے کس درجہ آشنا ہو جاتا ہے۔ ہم فرانسو کی ذہانت اور اس کے ساتھ ساتھ اس زمانے کی عمومی تربیت کے طریقوں کی کامیابی سے ضرور حیران رہ جاتے ہیں۔ اگر فرانسو کے دیوان سے اس کے تخلص کو دُور کر دیا جائے تو بھی ہم اس کے کلام سے اندازہ لگا سکیں گے کہ وہ پچھلی صدی کا اچھا پختہ مشق شاعر تھا'' [۱]

۱۵۔ شمس الذکاء: [۲]

مختلف شعراء کی شاعری کا مجموعہ جسے ۱۷۹۲ء میں مرتب کیا گیا۔ شاید یہ فراسو کی پہلی تالیف ہے۔ شمس الذکاء غزلوں کا سمپوزیم ہے۔ جسے فراسو نے مرتب کیا ہے۔ جو نہایت قابلِ قدر کام ہے۔ فراسو نے یہ مجموعہ ۱۸ برس [۳] کی عمر میں مرتب کر کے اسے نواب ظفریاب خان کو پیش کیا تھا۔ جو ان دنوں دہلی میں رہائش پذیر تھے۔ شمس الذکاء کی غزلیں مصرع طرح پر لکھی گئیں تھیں۔ اور غالباً یہ ان مشاعروں کا ریکارڈ ہے جو نواب ظفریاب خان کے گھر پر منعقد ہوتے تھے۔ اس مجموعے میں جن شعراء کی غزلیں شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں: دلسوزؔ، فراسوؔ، ناصرؔ دہلوی، نشاطؔ، قربانؔ شاگردِ فراقؔ، میرنؔ، ظفرؔ دہلوی، رفیقؔ، ارمؔ، تمناؔ، سید رضیؔ خاں صاحب، اسیرؔ، امینؔ، محبتؔ، قاصرؔ، حسنؔ، مرزا بڈھن شفیقؔ، عاشقؔ، سردھنے کا ہرچند، منعمؔ، فراقؔ (فارسی گو)، ذکاؔء، منشیؔ، نائیؔ، ہدایت فتنہؔ، فخری بیخودؔ، وارستہؔ اور غالب علی خاں غالبؔ۔ یہ تمام شعراء دہلی میں مقیم تھے۔ اور ظفریاب خاں کے مشاعروں میں طرحی غزلوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

---

۱۔ اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء۔

۲۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۳ (XII)۔

۳۔ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۶۔

وہ شعراء جو مشاعرے میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو پاتے وہ اپنی طرحی غزلیں مشاعرے میں پڑھنے کے لئے بھیج دیتے تھے۔ بہت سے شعراء ظفریاب خاں کے ذاتی دوست اور ساتھی تھے۔ اور ان کے فیض و کرم اور عطا سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ فراسو کی کچھ اُردو غزلیں اس انتخاب سے بھی لی گئی ہیں جو انتخاب حسرتؔ موہانی[1] نے شائع کیا تھا۔ جنہوں نے یہ غزلیں فراسو کی کسی اور بیاض سے نقل کی تھیں جو اب دستیاب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شورؔ صاحب کی بیاض میں بھی فراسو کی آٹھ غزلیں شامل ہیں۔ لیکن فراسوؔ کا الگ سے اُردو غزلوں کا کوئی دیوان موجود نہیں ہے[2]۔ سوائے صنعتِ تجنیسِ مکرر کے دیوان کے۔

اینگلو انڈین شاعری یا یوریشین نسل کے شعراء میں فراسو کو ایک غیر معمولی شخصیت کا حامل ہے۔ نیز اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی بھی اُردو کا یوریشین شاعر اس کی ہمسری کرنے سے قاصر ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس کا کلام مختلف وجوہ اور اس کی لااُبالی طبیعت کے باعث زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا یا یوں کہیئے کہ اس کی لاپرواہی نے اُسے پردۂ خفا میں چھپا رکھا۔ ہم اس دعویٰ کی دلیل میں اس کا کلام اس مقالے میں شامل کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ اختصار بھی ممکن ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کی شاعرانہ عظمت اس بات کی متقاضی نظر آئی کہ ہم تمام دستیاب کلام کو مقالے کی زینت بنائیں۔

---

[1] رام بابو سکسینہ کے مطابق حسرت موہانی کے انتخاب کا ماخذ شمس الذکاء ہے۔

(یوریشین اور انڈو یوریشین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۲۷۶۔)

جبکہ شاکر میرٹھی کا بیان ہے کہ فراسو کا ایک دیوان علی گڑھ لائبریری میں تھا۔ جس کا مختصر انتخاب مولانا حسرت موہانی نے شائع کیا ہے۔ مگر اب وہ دیوان لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

(جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۴۷)

[2] رام بابو سکسینہ کے مطابق فراسو کا سوائے صنعتِ تجنیسِ مکرر کے اُردو غزلیات کا کوئی دیوان نہیں ہے۔ جبکہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے زیرِ مطالعہ اُردو دیوان کے دو نسخے رہ چکے ہیں۔ ذخیرۂ کیفی پنجاب یونیورسٹی میں پہلے نسخے کا نمبر K.P.F.I.3 اور دوسرے نسخے کا نمبر بھی یہی درج ہے۔ جبکہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے مذکورہ دواوین میں سے انتہائی اختصار کے ساتھ نمونہ کلام بھی دیا ہے۔

(اُردو کا جرمن شاعر فرانسو از ڈاکٹر سید عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۶۳ تا ۶۸ اور ۷۵ تا ۷۷)

اس مقالے میں نمونۂ کلام از ڈاکٹر سید محمد عبداللہ[1]، نمونۂ کلام از پیارے لال شاکر میرٹھی[2]، انتخابِ حسرت موہانی (فراسوفرنگی)[3]، انتخابات (یورپین شعراء[4]) یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ اور قصۂ عشق افزا میں درج کلامِ فراسو دیا جا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

---

۱۔ اُردو کا جرمن شاعر فرانسوا از سید محمد عبداللہ، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۷۷۔

۲۔ جرمن نسل کا اُردو شاعر از پیارے لال شاکر میرٹھی، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۷۶ تا ۷۹۔

۳۔ انتخابِ سخن، جلد یازدہم، سلسلۂ اساتذہ متفرق، مرتبہ حسرت موہانی ۱۹۸۳ء۔

۴۔ یورپین اور انڈ یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ، صہ ۳۱۲ تا ۳۶۲۔

# نمونۂ کلام از پیارے لال شاکر میرٹھی

(''جرمن نسل کا ایک اردو شاعر''، مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۳۹ء، صہ ۶۷ تا ۹۷ (۹۴/اشعار))

## ردیف ''ا''

پھبتا ہے کیا ہی تجھ کو اے یار مسکرانا  ٹک واسطے خدا کے یک بار مسکرانا
غنچوں کو اے ستم گر تیرے دہن کے آگے  ہنسنا تو یک طرف ہے دشوار مسکرانا

---

ہمارا یار ہم سے جب تلک باہم نہ ہووے گا  جو دل میں درد ہے ہرگز دوا سے کم نہ ہووے گا

---

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا  رفتہ رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہوا

---

سر بدن سے ہو جدا اور ہاتھ شانے سے جدا  پر نہ سر میرا ہو تیرے آستانے سے جدا

---

دیکھا ہے جب سے پیرہن اُس نو بہار کا  دامن نہیں ہے ہات میں صبر و قرار کا

---

بیعت کروں نہ کیونکر پیر مغاں کی زاہد  ہے دستگیرستاں مشکل میں جام و مینا

---

دیکھا ہر طرف کو محفل میں اے فراسو  بیٹھے تھے ہم جدھر کو اُس نے اُدھر کو نہ دیکھا

---

ایسا تو کوئی ہم نے سنگیں جگر نہ دیکھا  ہم مر گئے تڑپ کر تم نے اِدھر نہ دیکھا
دیر و حرم کے گھر میں گھر ہے بشر کا لیکن  گھر میں خدا کے ہم نے انساں کا گھر نہ دیکھا

جو آپ کی دوری میں دل پر مرے غم گذرا　فرہاد پہ کم گذرا مجنوں پہ بھی کم گذرا
تھا رات فرآسو کا میہماں وہ شیریں لب　کیا کہیے مزا اُس سے جو کچھ کہ بہم گذرا

---

ضعفِ پیری نے سرِ راہ بٹھا کر مجھ کو　کوکبِ چرخ سے بھی آنکھ لڑانا سیکھا
اپنا ہی قصۂ جانسوز فرآسو تو لکھ　یک قلم لکھنے سے کیوں ہاتھ اُٹھانا سیکھا

---

چاہیئے بیمار تیرے بعلِ لب کو چوس لے　وقت مرون سے ستی کو پان کا کھانا روا
کون بچتا ہے فرآسو ہاتھ سے اس موت کے　عاقبت سوئے عدم انسان کو جانا ہے روا

---

گُل کھاتے کھاتے سینہ یہ رشک چمن ہوا　جو داغِ دل اُٹھا وہی لعلِ یمن ہوا
رہ کر اُڑھائی چادر آبِ رواں اُسے　مردہ کوئی جو آگے مرے بے کفن ہوا
تاحشر رکھا مجھ کو امانت زمین نے!　میلا مرا نہ ایک بھی تارِ کفن ہوا
اک پل زدن میں چشموں کے چشموں کو بھر دیا　دریائے اشک چشم کا جب موجزن ہوا
داغِ وفا کا سکّہ یہ عاشق چلا گیا　بازارِ عشق میں جو وفا کا چلن ہوا
ہمراہ ہے فرآسو کے اک لشکرِ طفول[1]　مشہور اُس کا وادی میں دیوانہ پن ہوا

## ردیف ''ب''

مت میری لاش کو چمنِ یاسمیں میں داب　اے رشکِ گُل تو اپنی گلی کی زمیں میں داب
ابرو کماں کے تیر ستم میں نے سینکڑوں　رکھے ہیں تودۂ دلِ اندوہ گیں میں داب
رولو فرآسو کھول کے دل. بزم یار میں!　تاچند غم کو رکھو گے جانِ حزیں میں داب

---

[1] بجائے اطفال۔۔؟ (ادارہ)

## ردیف ''ح''

گاتے ہیں قولِ معرفت مرغِ چمن علی الصباح　　ہلتے ہیں آ کے وجد میں سرو و سمن علی الصباح
بھولے فراؔسو عقل و ہوش محو ہوئے بیک نگاہ　　آج سُنے جو رشکِ مہ تیرا سخن علی الصباح

## ردیف '' د''

رکھ اُس کے تصوّر میں سدا دیدۂ تر بند　　لازم ہے کہ کاشانۂ خلوت کا ہو در بند

## ردیف '' ر''

رُوٹھ کر پھاڑو گریباں تم ہمارا کھینچ کر　　ہم منا لیں گے تمہیں دامن تمہارا کھینچ کر
اپنے تُو بختِ سکندر پر فراؔسو مت اکڑ　　دیکھ ذلت مرگیا آخر کو دارا کھینچ کر

---

ہو کیوں نہ مہر و ماہ کا دماغ آسمان پر　　دن رات جبہ سا ہے ترے آستان پر
قامت ہے مثل سرو، دہن غنچہ، رُخ چمن　　کیا ہی بہارِ حُسن ہے اُس نوجوان پر

---

حیرت رہی نہ دیدۂ مہتاب کو فقط　　تکتے رہے تمام ستارے پلنگ پر
پڑتی نہیں ہے کل کسی کروٹ ذرا مجھے　　پھرتا ہُوں لوٹتا ہوا سارے پلنگ پر

---

اے دلِ مضطر تو زیرِ خاک نالوں کو نہ چھیڑ　　چین لے اب تو عدم کے سونے والوں کو نہ چھیڑ
کیوں وبالِ جاں کیا چاہے ہے ناصح زندگی　　تیرہ بخت اس زلف کے آشفتہ حالوں کو نہ چھیڑ
اے فراؔسو سن بقولِ شخص کیا ہے فائدہ!　　دم میں خوش دم میں خفا ہوجانے والوں کو نہ چھیڑ

## ردیف '' س''

بیٹھے ہیں غیر یوں مرے دلبر کے آس پاس　　ہو خار جس روش سے گُلِ تر کے آس پاس

---

## ردیف ''ق''

گئی نہ دل سے تہِ خاک اُلفتِ معشوق برنگِ خار ہوں بے جاں بدولتِ معشوق

## ردیف ''گ''

آہِ سوزاں کا مری ہر گز اثر ہوتا نہیں لگیو اے بیدرد اس تیرے دلِ پُر فن میں آگ

---

## ردیف ''م''

یار سے دور ہوگئے ہیں ہم سخت رنجور ہوگئے ہیں ہم
رات کوچہ میں یار کے سو بار تا بمقدرور ہوگئے ہیں ہم
جلتے دل کی فراموش کر کے سیر موسیٰ طور ہوگئے ہیں ہم

## ردیف ''ن''

اب کی جو ملے مجھ سے تو یار ہے اور میں ہوں اس وعدہ خلافی کی تکرار ہے اور میں ہوں
وہ دل مرا مانگے ہے، میں وصل کا طالب ہوں انکار ہے اور وہ ہے، اقرار ہے اور میں ہوں
وہ دن گئے جب تیرا دیدار تھا اور میں تھا اب روبرو آنکھوں کے دیوار ہے اور میں ہوں

---

خوب نہیں اسقدر حُسن پہ کرنا غرور لے لے کے انگڑائیاں دیکھو ہو پر چھائیاں
تم جو فراموش سے یوں رہتے ہو ناخوش سدا کس نے یہ باتیں تمہیں سچ کہو سکھلائیاں

---

پڑے ہیں کاٹنے پیری میں اب عذاب کے دن وہ نوجوانی کہاں اور کہاں شباب کے دن
کہوں میں دل کے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ خدا کسی کو دکھائے نہ اضطراب کے دن

---

ساتھ اپنے سدا لشکر ہے گریہ و نالے کا شوکت اسے کہتے ہیں، حشمت کے یہ معنی ہیں
ہم خاک ہوئے تو بھی در سے نہ ٹلے تیرے اُلفت اسے کہتے ہیں، چاہت کے یہ معنی ہیں

---

نہ تختِ روم کی خواہش نہ ملکِ شام لیتے ہیں　　تمہارے نام کو ہم صبح سے تا شام لیتے ہیں

---

کیوں نہ دل میرا کرے اب اضطراب آغوش میں　　ایک شب بیٹھا نہ وہ خانہ خراب آغوش میں

ردیف ''و''

روئے روشن ہے ترا پیش نظر دیکھیں تو　　آنکھ کرتے ہیں اُدھر شمس و قمر دیکھیں تو

خانۂ چشم تو اشکوں نے بہا بھی ڈالا　　آئے کیا خاک نظر، نورِ نظر دیکھیں تو

چشم سی چشم ہے دیکھیں تو تجھی کو دیکھیں　　تو ہی پھر آوے نظر ہم کو جدہر دیکھیں تو

چشمِ عالم میں ہو خورشیدِ قیامت بے نور　　حشر کے روز مرے داغِ جگر دیکھیں تو

زلف و رُخ کا ہے تمہیں دھیان فراسو صاحب　　کب تلک روؤ گے تم شام و سحر دیکھیں تو

---

میں تو پڑا ہوں در پر اُن کے اُن کو کچھ فرمانے دو　　بھوکا تھا اس ناز کا میں بھی گالیاں مجھ کو کھانے دو

---

آباد ایک روز نہ دیکھا کبھو اِسے　　کیا لے کے میں کروں دلِ خانہ خراب کو

ردیف ''ہ''

دل لے کے تم ن جی بھی لیا کیا مضائقہ　　کیا کام دوستی میں کیا کیا مضائقہ

آنکھوں سے جو نہ دیکھا نہ کانوں سے تھا سنا　　دکھلا ان آنکھوں نے وہ دیا کیا مضائقہ

دل کی تپش کو جی کے مرے اضطراب کو　　تم نے تو آزما ہی لیا کیا مضائقہ

خوشنود اُس کے رکھا فراسو نے جان دی　　اُلفت کا پاس اُس نے کیا کیا مضائقہ

ردیف ''ی''

آہ و فغاں و گریہ و سوز و تپاک و درد　　کیا ہم بھی ساتھ اپنے یہ سرانجام لے چلے

---

دردِ پُر غم ہے ناتوانی ہے مرگ کا نام زندگانی ہے
یہ جو دشمن غمِ نہانی ہے یہ بھی ایک اپنا دوست جانی ہے
غافل ہم اُس سے وہ رہے ہم سے عمرِ رفتہ کی قدر دانی ہے
سوزِ دل کس طرح زباں پر آئے لب ہے خاموش بے زبانی ہے
قصر تعمیر کر چکے ہیں۔ بہت منزلِ گور اب بنانی ہے
اور بھی اِک غزل فرآسو پڑھ اب یہ ہنگامِ شعر خوانی ہے

---

در جاناں پہ گر اپنی جبہ سائی ہوتی دیر و کعبہ میں ہماری نہ رسائی ہوتی
پُشت پامار کے ہم تخت سے دور ہو جاتے جو میسّر ترے کوچہ کی گدائی ہوتی
غم و درد و الم، اندوہ و فغاں کا ہے ہجوم ایک دل اس میں بھی کس کس کی سمائی ہوتی
اپنی تقصیر نہیں یار زمانہ ہے بُرا کرتے ہم جس کا بھلا اُس سے برائی ہوتی
عاشقی میں نہ خلل تیری فرآسو آتا آنکھ ناصح کو اگر تو نے دکھائی ہوتی

---

کیوں اُتر جائیں بھلا ہم خاطرِ دلدار سے اُس کا مطلب مجھ سے اور میرا ہے مطلب یار سے
بندش رشتہ ہے ہم کو اِک بُتِ عیّار سے کب مسلمانوں کو میرے عار ہے زنار سے
یاس وغم کے ہوں مضامیں جس میں وہ پڑھئے غزل ہم تو ہوتے ہیں فرآسو خوش ترے اشعار سے

---

شگفتہ زخم ہے داغِ جگر سے مرا سینہ بہارِ بے خزاں ہے
خدا پنہاں ہے اور بندہ ہے ظاہر نہاں بھی چشمِ بینا میں عیاں ہے
پڑی ایڑی پہ آکر اُس کی چوٹی ! زمیں کے سر بلائے آسماں ہے
کہاں سے آئی اور جاتی کدھر ہے یہ جوں ریگِ رواں عمرِ رواں ہے
زمینِ شعر بالا ہے فرآسو زمینِ شعر سے پست آسماں ہے

دل اُس کے دم میں نہ آتا وہ یار کس کا ہے　　کسی کے دل پہ بھلا اختیار کس کا ہے
لگا ہے تارِ نفس میں یہ ناخنِ مضراب　　کہو یہ پردے میں بجتا ستار کس کا ہے
کرو نہ نالہ و گریہ سدا فراؔسو تم　　وہ بے وفا ہے صنم غمگسار کس کا ہے

پیارے لال شاکر میرٹھی نے فراؔسو کے صنعتِ تجنیسِ مکرّر میں سے ایک شعر درج کیا ہے جو یہ ہے:
سودا ہے زلفِ یوسفِ ثانی کا اس قدر　　روتے ہیں ہم کھڑے سرِ بازار زار زار

پھر لکھتے ہیں:
''دوسرے قابلِ ذکر چیز دوہرہ کے اوزان میں فردیات ہیں۔ ان میں ہر قسم کے مضامین نظم کئے ہیں۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بادِ ہوائی زیست ہے آئی اور چلی　　دولہ کی سی برات ہے چھائی اور چلی

---

بے مرضی اللہ کی ہووے کب کچھ اور　　وہ چاہے تو آن میں ہووے سب کچھ اور

---

دل لینا کچھ اور ہے دلداری کچھ اور　　سَر دینا کچھ اور ہے سرداری کچھ اور

---

جینے سے مرنا بھلا ہم تو مرتے ہیں　　ایسا جینا کیا کریں دُکھ ہی بھرتے ہیں

---

ابرو اُس کی قتل پر میرے مٹک چلی　　مُنہ میں نے موڑا نہیں گردن ڈھلک چلی

---

چھاتی پر اپنے کھلے سر کے بال نہ ڈال　　یہ بے ریشہ آم ہیں اِن کو پال نہ ڈال

---

## نمونہ کلام از ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

(''اُردو کا جرمن شاعر فرانسو''، مطبوعہ ادبی دنیا، اگست ۱۹۴۴ء، صہ ۷۷ (۱۵/اشعار))

لکھتے ہیں شوق سے غزلِ عاشقانہ ہم　　مطرب سُنیں گے نغمہ ترا اور ترانہ ہم
خاروں کی طرح رکھتے ہیں اپنا خزانہ ہم　　حرص و ہوا کی سینے میں اپنے جگہ نہیں
نغمہ ترا تو کب ہے سزا وار گوشِ عشق　　مطرب سُنائیں تجھ کو اب اپنا ترانہ ہم
کیونکر نہ اس میں صورتِ جاناں ہو جلوہ گر　　دلِ صاف کو سمجھتے ہیں آئینہ خانہ ہم
حال اس کا ہے جو پیچ و خمِ زُلف کے تلے　　سمجھے نہ کیونکہ اس کو دلا دام و دانہ ہم

اُلجھا ہے دل فرانسو کا زلفوں کے تار میں
رکھنے لگے ہیں ہات میں بھی اپنے شانہ ہم

---

دیکھ عالم اِبروئے قاتل کے تیغِ تیز کا　　رُتبہ حاصل ہے شہیدِ خنجرِ خونریز کا
حُسن ہے عالم ہویدا ہے شرابِ تیز کا　　وصل کی شب کا ہے عالم ساغرِ لبریز کا
غیر ساقی بس قامت ہے دمِ ساغر کشی　　قلقلِ مینا ہے ہردم شور رستا خیز کا
عشق سے نفرت ہے ہم کو حُسن سے ہے احتراز　　کوئی پوچھے تو بتادیں ہم سبب پرہیز کا

---

رہتا ہے جو طپاں دلِ غم ناک رات دن　　جاتا ہے دردِ دل سوئے افلاک رات دن
دے کیونکہ چین گردشِ افلاک رات دن　　روندے ہے اس کو توسنِ چالاک رات دن
آزادگی کے ساتھ چلے تو چلے گئے　　طے کرتے ہم ہیں راہِ خطرناک رات دن
گذرے ہے روز چرخ سے میرا خدنگ آہ　　ہے کشمکش میں جو دلِ غمناک رات دن
صبح شگفتہ شام کو پژمردہ ہوگیا　　افسردہ ہے مرا دلِ صد چاک رات دن

---

# منتخب دیوانِ فراسو

از حسرت موہانی[1] (۱۰۹/اشعار)

## ردیف ''ا''

پھبتا ہے کیا ہی تجھکو اے یار مسکرانا　　ٹک واسطے خدا کے یکبار مسکرانا
گر جائے گی سبھوں کی نظروں سے اس کے آگے　　اے برق دیکھیو مت زنہار مسکرانا
غنچوں کو اے ستمگر تیرے دہن کے آگے　　ہنسنا تو یکطرف ہے دشوار مسکرانا
شاعر ہے پوچ گوئے اپنی پہ آپ قائل　　یارو نہ اُسکی سنکر اشعار مسکرانا

---

ہمارا یار ہم سے جب تلک باہم نہوے گا　　جو دل میں درد ہے ہرگز دوا سے کم نہویگا

---

ہاتھوں نے نہ اک تار گریبان میں چھوڑا　　پاؤں نے نہ اک خار بیابان میں چھوڑا

---

کہیں رہتا نہیں بن چاک ہمارا سینا　　ناصحا زخم کو سینے کے وہ بارا سینا

---

دم خفا مجھ سے ہوا اور میں خفا دم سے ہوا　　رفتہ رفتہ یہ مرا حال ترے غم سے ہوا

---

سر بدن سے ہو جدا اور ہاتھہ شانے سے جدا　　پر نہ سر میرا ہو تیرے آستانے سے جدا
کیا بہانے تھے تجھے اَے چشمِ آنسو بزم میں　　ہوگیا وہ یار تجھسے اس بہانے سے جدا
یوں دلِ آوارہ اپنا اے فراسو گم ہوا　　مرغِ وحشی جیسے ہووے آشیانے سے جدا

---

مجھکو کہتے ہیں بڑا ڈھب ہے تجھے یاری کا　　سوچنا طور ذرا آپ کی عیّاری کا

---

[1] صہ ۶۳ تا ۶۸، انتخاب سخن جلد یازدہم، مرتبہ حسرت موہانی، اُتر پردیش اُردو اکادمی، سالِ اشاعت ۱۹۸۳ء۔

نوٹ: رام بابو سکسینہ نے بھی حسرت کا انتخاب شائع کیا۔ انتخاب سخن کے انتخاب حسرت کو شامل کیا گیا ہے جبکہ رام بابو سکسینہ کی کتاب (یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو و فارسی) میں شامل مذکورہ انتخاب حذف کر دیا ہے۔ (مؤلف)

دیکھا ہے جب سے پیرہن اس نو بہار کا　　دامن نہیں ہے ہات میں صبر و قرار کا

---

ہیں داغ و آبلے سے یوں دلیمں جام و مینا　　جیسے دہرے ہوں ساقی محفل میں جام و مینا
گلشن میں دیکھہ بلبل کیا عکس سرو و گل سے　　ہے نہر کے کنارے ساحل میں جام و مینا
بیعت کروں نہ کیونکر پیر مغاں کی زاہد　　ہے دستگیرستاں مشکل میں جام و مینا
پُر خون یہ چشم و دل ہیں اپنے ہمیں غنیمت　　گو اب نہو ہماری محفل میں جام و مینا

---

عشق مجھکو اب تو اسحالت. پہ پہنچانے لگا　　دیکھکر ہر کوئی اشک آنکھومیں بھر لانے لگا
آئے ہے دامن کشاں شاید چمن میں پھر بہار　　ہاتھ پہولو نکا بہی کچھہ اب جیب تک جانے لگا
حال اس نوبت کو پہونچایا مرا اس عشق نے　　دیکھکر ہر کوئی اشک آنکھومیں بہر لانے لگا
پھرگئی شاید فرآسو کچھہ زمانے کی ہوا　　یاں سے خط جانے لگا اور وہانسے پہر آنے لگا

---

جو آپ کی دوری میں دلپر مرے غم گذرا　　فرہاد پہ کم گذرا مجنوں پہ بہی کم گذرا
تہا رات فرآسو کا مہماں وہ شیریں لب　　کیا کہیے مزا اس سے جو کچھہ کہ بہم گذرا

ردیف ''ب''

مت میری لاش کو چمن یاسمیں میں داب　　اے رشک گل تو اپنی گلی کی زمیں میں داب
ابرو کماں کے تیر ستم میں نے سینکڑوں　　رکھے ہیں تودۂ دل اندوہگیں میں داب
رو لو فرآسو کہول کے دل بزم یار میں　　تاچند غمکو رکھو گے جانِ حزیں میں داب

ردیف ''ت''

وصل ہے اسکی دوائی سو دوائی ہے سخت　　جی نچھوڑیگا مرا درد جدائی ہے سخت

## ردیف ''ث''

اے دستِ جنون تیرا گریبان ہے میراث    اے خار بیاباں ترا دامان ہے میراث
جو درد و الم کی جگر چاک ہے جاگیر    تو سوزشِ غم کی دل بریان ہے میراث
دیکھا نہ کبھو دلکو فراسو ترے خنداں    اسکی مگر اب زلفِ پریشان ہے میراث

## ردیف ''ج''

ہمکو کبھو تو بھلا نامہ و پیغام بھیج    دن کو ہی یا رات کو صبح کو یا شام بھیج

## ردیف ''ح''

گاتے ہیں قول معرفت مرغ چمن علی الصباح    ہلتے ہیں آگے وجد میں سرو سمن علی الصباح
بند قبا نہ پھول کے شرم سے کھولے باغمیں    دیکھے صبا کھلا اگر ترا بدن علی الصباح
بھولے فراسو عقل و ہوش محو ہوئی بیک نگاہ    آج سنے جو رشک مہ تیرا سخن علی الصباح

## ردیف ''خ''

واں ہے تمہاری بزم میں می سرخ جام سرخ    یاں ہیں سرشک خون سے آنکھیں مدام سرخ

## ردیف ''د''

رکھا سکے تصور میں سر دیدۂ تر بند    لازم ہے کہ کاشانۂ خلوت کا ہو در بند

## ردیف ''ر''

میں تو بیٹھا تھا غرض اس سے کنارا کھینچکر    لوگ آخر لے گئے مجھکو دوبارا کھینچکر
روٹھ کر پھاڑو گریبان تم ہمارا کھینچکر    ہم منالینگے تمہیں دامن تمہارا کھینچکر
اپنی تو بختِ سکندر پر فراسو مت اکڑ    دیکھ ذلت مر گیا آخر کو دارا کھینچکر

---

بلبلیں بولیں ہیں ہر دم نالۂ جانکاہ کر    گوش گل کیوں کر دیا تو نے مرے اللہ کر

---

ہو کیوں نہ مہر و مہ کا دماغ آسمان پر    ذرات جبہ سا ہے ترے آستان پر
قامت ہے مثل سرو دہن غنچۂ رخ چمن    کیا ہی بہارِ حسن ہے اس نوجوان پر

---

قدرت نہیں جو آؤں تمہارے پلنگ پر    جب تک نہ تم بلاؤ کہ آوے پلنگ پر
جسکے لئے بچھائے ہیں پھولونکی سیج روز    وہ گل کبھی نہ آیا ہمارے پلنگ پر
مہتابی پر محل شبِ ماہتاب میں (ق) تم میرے ساتھ سوئے جو پیارے پلنگ پر
حیرت رہی نہ دیدۂ مہتاب کو فقط    تکتے رہے تمام ستارے پلنگ پر
پڑتی نہیں ہے کل کسی کروٹ ذرا مجھے    پھرتا ہوں لوٹتا ہوں ساری پلنگ پر
منصف ہو تم ہی جس سے جدا تمسا ماہ ہو    وہ کالی رات کیونکر گذاری پلنگ پر
فرقت میں شب فرآسو صنم گلعذار کے    لگتے ہیں ہمکو پھول شرارے پلنگ پر

---

اے دلِ مضطر تو زیرِ خاک نالوں کو نچھیڑ    چین لے ابتو عدم کے سونیوالوں کو نچھیڑ
کیوں وبالِ جان کیا چاہے ہے ناصح زندگی    تیرہ بخت زلف کے آشفتہ حالوں کو نچھیڑ
اے فرآسو سن بقول شخص کیا ہے فائدہ    دم میں خوش دم میں خفا ہوجانیوالوں کو نچھیڑ

ردیف ''س''

بیٹھے ہیں غیر یوں مرے دلبر کے آس پاس    ہو خار جس روش سے گلِ تر کے آس پاس
اے مردمان یہ دیکھو کہ پھولونکے سیج ہے    لختِ جگر نہیں مرے بستر کے آس پاس

---

نہو اچھا یہ کبھو سینۂ افگار قفس    پر طوطی نہو گر مرہم زنگارِ قفس

ردیف ''ش''

مرا ہے سوز و گداز سے دل گھے بآب گھے بآتش    کہ جیسے رہتی ہے شمعِ محفل گھے بآب گھے بآتش

لب پہ تمہارے صبح سے تا سرِ شام ہے چہ خوش سمجھے یہ ہم کہ آپکا تکیہ کلام ہے چہ خوش
لیتے سلام بہی نہیں میرا کبھی غرور سے آپ کے اس غرور کو میرا سلام ہے چہ خوش
خوب غزل ہے گرم سی شعر ہیں پر شرر سبھی بارے فراؔسو تیرا بہی کیا ہی کلام ہے چہ خوش

ردیف ''ض''

کچے مکھڑے پہ ترے مہر کا قربان عارض کہ یہ مہتاب سے چمکے ہے دوچندان عارض

ردیف ''غین''

در پہ بیٹھا ہوں نہیں ہے آہ و زاری سے فراغ منہہ دکھا جاکر لے ایکدم شرمساری سے فراغ
دل فراؔسو جب سے اسکی چشم میگوں پر ہے غش مست رہتا ہوں میں کر کے ہوشیاری سے فراغ

ردیف ''ف''

میری تربت پر بشرطیکہ ہوں شنجرف کی حروف قتل کی ماجرے کے دیجولکہہ حرف کے حرف
حرف تسکین بہی کہیں اسمیں لکہا ہوویگا پڑہیو اس خط کے فراؔسو تو ہر اکطرف کے حرف

ردیف ''ق''

گئی نہ دل سے تہِ خاک اُلفتِ معشوق برنگِ خار ہوں بیجان بدولتِ معشوق

ردیف ''گ''

یوں ہے عشق لالہ رو سے مری پیراہن بہی آگ موسمِ گل جسروش ٹہرکاے ہے گلشن میں آگ
آہِ سوزاں کا میرے ہر گز اثر ہوتا نہیں لگیو اے بیدرد اس ترے دل پر فن میں آگ
طاس کا سنجاف ہے یا آہِ سوزاں سے مرے اے فراؔسو ہے لگی دلدار کے دامن میں آگ

---

قاصد یہ کہیو اُس بتِ مغرور سے الگ کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ

---

## ردیف ''ل''

آج کسنے ہے پیا ساغرِ مل برسرِ گل		کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گل برسرِ گل
کب تری مانگ میں موتی کی لڑی ہے ظالم		بوندیں شبنم کی مگر آئیں ہیں ڈھل برسرِ گل
گوش نازک ہے نہایت ہی نہالِ گل کا		دیکھہ بلبل نکر اس رنگ تتو غل برسرِ گل

---

شعاعِ خور سے اگر ہو لالی کا داغ روشن مراد حاصل		تو کیوں نہ خوش ہوکے بولے بلبل چراغ روشن مراد حاصل

## ردیف ''م''

آپڑا جب سے ہمیں شوخ دلارام سے کام		صبر سے کام نہ کچھہ ہمکو نہ آرام سے کام

---

یار سے دور ہوگئے ہیں ہم		سخت رنجور ہوگئے ہیں ہم
رات کوچہ میں یار کے سو بار		تا بمقدرور ہوگئے ہیں ہم
جلتے دل کی فراسو کر کے سیر		موسیٰ طور ہوگئے ہیں ہم

## ردیف ''ن''

اب کی جو ملے مجھسے تو یار ہے اور میں ہوں		اس وعدہ خلافی کی تکرار ہے اور میں ہوں
وہ دل مرا مانگے ہے میں وصل کا طالب ہوں		انکار ہے اور وہ ہے اقرار ہے اور میں ہوں
وہ دن گئے جب تیرا دیدار تھا اور میں تھا		اب روبرو آنکھونکے دیوار ہے اور میں ہوں
وہ یونتو گداؤں پر اشفاق نہیں کرتا		ایکدن شہ خوباں کا دربار ہے اور میں ہوں
دل غارتِ ایمان کو دے بیٹھا فراسو میں		بت خانہ کی اب در پر زنار ہے اور میں ہوں

---

جنکے لئے میں سہیں سینکڑوں رسوائیاں ہائے وہ پریاں ہیں اب سخت ہی ترائیاں
آپکا شکوہ نہیں اسمیں ذرا مہربان اپنی کئی کی یہ سب ہمنے سزا پائیاں
خوب نہیں اسقدر حسن پر کرنا غرور نے لیکے انگڑائیاں دیکھو ہو پر چھائیاں
تم جو فراسو سے یوں رہتے ہو ناخوش سدا کسنے یہ باتیں تمہیں سچ کہو سکھلائیاں

---

تمہارے وصل میں بھاتی ہیں یہ عتاب کے دن دکھائے حق نہ کسی ہجر میں عذاب کے دن
پھرے ہے دشت میں جوں گردباد اب تم بن گذرتے یوں ہیں دل خانمان خراب کے دن
کہوں میں دلکے تڑپنے کی کیا حقیقت آہ خدا کسیکو دکھائے نہ اضطراب کے دن
پڑے ہیں کاٹنے پیری میں اب عذاب کے دن وہ نوجوانی کہاں اور کہاں شباب کے دن
فراسو آہی وہ بالا نظر ہمیں چھکا وہ ماہتابی پہ بیٹھے جو مہتاب کے دن

---

مرتے ہیں ہوس میں ہم الفت کی یہ معنی ہیں غم تمکو نہیں کچھہ یہی غفلت کے یہ معنی ہیں
جب سے تمہیں دیکھا ہے آئینہ نمط ہمنے جھپکیں نہ کبھی پلکیں حیرت کے یہ معنی ہیں
دل چیز ہے کی پیارے واللہ جو تم مانگو ہم جی بھی تمہیں دیویں ۔۔۔کے معنی ہیں
کل پڑتی نہیں دلکو بن دیکھے تری صورت اس عالمِ صورت میں صورت کے یہ معنی ہیں
ساتھہ اپنے سدا لشکر ہے گریہ و نالے کا شوکت اسے کہتے ہیں حشمت کے یہ معنی ہیں
ہم خاک ہوئے تو بھی در سے نہ ٹلے تیرے الفت اسے کہتے ہیں چاہت کے یہ معنی ہیں
دل بند فراسو ہے اس شوخ کی کاکل میں جی چاہِ ذقن میں ہے چاہت کے یہ معنی ہیں

---

حال سے میرے کوئی تجھکو خبر کرتا نہیں یاں فقط بالاہے سو وہ بھی اثر کرتا نہیں

---

کیوں نہ دل میرا کرے اب اضطراب آغوش میں ایک شب بیٹھا نہ وہ خانہ خراب آغوش میں

نہ بختِ روم کی خواہش نہ ملکِ شام لیتے ہیں  تمہارے نام کو ہم صبح سے تا شام لیتے ہیں

---

## ردیف ''و''

میں تو پڑا ہوں در پر انکے انکو کچھہ فرمانے دو  بھوکا تھا اس ناز کا میں بھی گالیاں مجھکو کھانے دو

---

مکھڑا کہیں دکھاؤ تو الٹ کر نقاب کو  تا بھول جاؤں دلسے میں رنج و عذاب کو
آباد ایک روز نہ دیکھا کہو اُسے  کیا لیکے میں کروں دلِ خانہ خراب کو

---

تجھے معلوم ظالم اسگھڑی چاہت ہماری ہو  لگے تیرا کہیں دل اور تجھکو بیقراری ہو

## ردیف ''ہ''

یوں ہم آغوش ہوں پری کے ساتھ  جسطرح جسم ہووے جی کیساتھ

---

## ردیف ''ی''

آہ ہوس میں وصل کی دشنام لیچلے  کیا یاد ہم کرینگے کہ انعام لیچلے
آہ و فغاں و گریہ و سوز و تپاک و درد  کی ہم یہی راستہ اپنے سر انجام لیچلے

---

# انتخابِ کلامِ فراسو

## دیوانِ غزلیات در صنعتِ تجنیسِ مکرر[1]

### ردیف ''ا''

شکوۂ یار نہ کروں تو عبث ہر جاجا　　رازِ پنہاں کو نہ کر خلق میں بے پرداوا
ایک بوسہ کو بھی وہ اب مجھے ترساتا ہے　　کوئی بے ترس نہیں میرے بُتِ ترساسا
منفعل آپ کے رخسار سے ہے گر گلِ سُرخ　　دلِ پُر داغ سے اپنے بھی خجل ہے لالا
بُتِ کافر ترے کوچہ میں اگر آنکلے　　شیخ صاحب کا نہ ہرگز ہو کبھی برپاپا

### ردیف ''ب''

تیرے مُنھ کے دید کی رکھتا نہیں مہتاب تاب　　اور لبوں کو دیکھ کر ہے منفعل عناب ناب
دل مرا یوں حلقۂ کاکل میں پھنس کر رہ گیا　　جوں دبا دیوے شناور کو کوئی گرداب داب
سنگ پر در کے ترے سر کو پٹک کر اپنے آج　　تیرا گھلواؤں گا میں اے ماہرو ہر باب باب
شیخ بک بک کر مرید اپنے کی کھا جاتا ہے جان　　جب، تلک روغن میں سالن کے نہو غرقاب قاب
دیکھ کر چل ہیں فراسو کے پڑے لختِ جگر　　دیکھ پاؤں کے تلے مت یہ گلِ شاداب داب

### ردیف ''ت''

قتل کا میرے ارادہ ہے اگر دل میں ترے　　جُرم کے قابل تو کرلے پہلے کچھ اثبات بات
کہکشاں ہی منفعل ایسی نہیں اے ماہرُد　　ہے تمھاری مانگ کے آگے رہِ ظلمات مات
شیخ ہے کیا اے صنم طوفِ حرم کو چھوڑ دے　　گبر مجھ کو دیکھ کر مارے بفرقِ لات لات
لگ گیا جس سے فراسو دل وہی محبوب ہے　　عشق میں کب پوچھتا ہے کوئی نیکو ذات ذات

---

[1] صہ ۳۱۲، انتخابات، یورپین اوراِنڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

## ردیف ''چ''

مہرو مہ شمع گل بہار ایک دو تین چار پانچ　　جلتے ہیں تجھ سے گلعذار ایک دو تین چار پانچ

محنت و درد و رنج و غم اور الم یہ رات دن　　کرتے ہیں مجھ کو خوار و زار ایک دو تین چار پانچ

نالہ و گریہ آہ و اشک اور فغاں ترے بغیر　　میرے ہوئے ہیں دوستدار ایک دو تین چار پانچ

طاقت و تاب و خواب و خور اور قرار پیش کش　　لایا ہوں اپنے اے نگار ایک دو تین چار پانچ

فہم و ذکا و جان تن اور یہ دل مرے ہوئے　　تیرے غلام میرے یار ایک دو تین چار پانچ

وحشت و ضبط اور جنوں داغ و الم ہم اے صنم　　دے چلے تم کو یادگار ایک دو تین چار پانچ

عشوہ نگہ ادا و ناز اور ہے غمزہ ہمرکاب　　ساتھ ہیں پیرے شہسوار ایک دو تین چار پانچ

مینا و جام و آئینہ نرگس و چشم جلد آ　　کھینچ ہیں تیرا انتظار ایک دو تین چار پانچ

دولت و دین و تال و زر اور جہان تجھ پر سب　　کردیے ہم نے سب نثار ایک دو تین چار پانچ

پڑھ تو فراسو اور غزل جلد ردیف پھیر کر　　بیٹھے ہیں گرد غمگسار ایک دو تین چار پانچ

## ردیف ''د''

کر کبھی تو دل ہمارا غیرتِ شمشاد شاد　　دے کبھی عاشق کی اپنے قاتلِ بیداد داد

## ردیف ''ر''

مُنھ شتابی سے دکھا جا کھول کر دلدار در　　ورنہ جاوے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر

دل کبھی میں نے نہیں ہرگز کسی بُت کو دیا　　کیوں مرے سر باندھتے ہیں آپ کی سرکار کر

حیف تیرے دل پہ کیا پتھر پڑے شیریں دہن　　کوہکن کے غم میں پھوڑے ہے سر کہسار سر

بزم میں مستوں کی جا نکلے تھے شاید کیا کہیں　　دُرد مے میں کس لئے ہے شیخ کی دستار تر

لکھ بدل کر قافیے کو اے فراسو شعر تو　　ہو غزل جس میں تری مشہور اب وہ کار کر

چاہنے والوں پہ کھینچے کیوں نہ وہ شمشیر شر
قاتلِ عالم ہے اسکے حُسن کی توفیر فر

دیکھ اُس لیلی منش کی حُسن کی توفیر فر
مثلِ مجنوں ہے ہمارے دل میں بھی تدبیر بَر

تھی ہمارے تر کو خواہش بر میں آوے سیمبر
پر نہ آئی بر ہزار افسوس یہ تدبیر بَر

کرہے گوشِ گُل نہیں سُنتا کسی کو وہ فغاں
رو نہ اے شبنم عبث بلبل نہ کر تذکیر کر

خشک ہوں آنسو نہ کیونکر چشم میں اے مردماں
دل مرا سہا ہے کھا خونیں نگہ کا تیر تر

ہو قدم رنجہ ہمارے گھر کبھی خانہ خراب
بندرکھے کب تک اپنا دیدۂ تقدیر در

شیخ کو کہدو گدھی پر چڑھ حرم کو جا شتاب
خوش نہیں آتی ہے اب رندوں کو یہ تاخیر خر

کردیا آخر کو پاے دلبرِ سرکش کی نذر
اے فراسو اب بیاں کیجے گا کیا تفسیر سر

---

ہم نے تدبیریں بہت کین وصلِ دلبر کے لئے
بس کہ کیا کیجئے نہیں آئی کوئی تدبیر بر

قصر گو مثلِ فریدوں ہے ترا تو کیا ہوا
عاقبت جانا ہے اے مردم بنا تعمیر مر

غازہ افشاں تیرِ مژگاں تیری بر و ہے کہاں
خون سے صیدِ دل میں ہے تیرِ مژہ کا تیر تر

جاہ کی ہم کو ہوس نے خواہشِ توفیر فر
ہم گدا صحرا نشیں ہیں ہے ہمیں تدبیر بر

حیف کس تدبیر سے اُس نے بنائی تھی بہشت
پر نہ کچھ معلوم تھی شدّاد کو تقدیر در

خوبرو کوچے میں تیرے ہوگیا ہے قتلِ عام
تیرے کوچے میں نظر آئی ہمیں تکسیر سر

اُس جواں نے تیر مارا تھا کبوتر کو مرے
اب تلک اچھانہیں ہوتا وہ زخمِ تیر تر

---

کیوں نہ ہوں اب غم سے ہم اے غیرتِ گلزار زار　　ان دنوں میں ہوگئے تیرے بہت اغیار یار
بزم میں اسکی نکل آنکھوں سے مت کر فاش بھید　　ورنہ پاوے گا یہاں تو دیدۂ خونبار بار
ہے مزاج از بسکہ نازک اُس گُلِ شاداب کا　　باندھ مت باتوں کا اُس سے صاحب گفتار تار
پھیریو اُسکی رضا سے مُنھ نہ اے منصور تو　　واسطے تیرے کرے تیار گر دلدار دار
دیکھ مت کر اُس سے تو ہرگز زیادہ اختلاط　　کاکلِ پیچاں ہے اُسکی اے دلِ بیمار مار
اے فراسو جو کہ ہیں درویش دل برداشتہ　　کرتے ہیں دنیا کا وہ سب ازرہِ انکار کار

---

کھینچے نہ کیونکہ آہِ شرر بار بار بار　　بے ڈھب ہوے ہیں آپ کے اغیار یار یار
آنکھوں نے میری ابروے ابر دی گھٹا　　رو رو کے تیرے غم میں دلا زار زار زار
تیری نگہ کی تیغ میں برّش ہے اس قدر　　ڈالے ہے جسکے زخم پہ تلوار دار وار
خوبی دکھاتی ہے دہن و چشم کی ترے　　غنچہ سے آنکھ نرگسِ بیمار مار مار
ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہیں ہے کل　　جاتا ہوں دل کو دیکھ ترا ہار ہار ہار
خوش آئے سیرِ گل اُسے کیونکر کہ تم بغیر　　ہے دل فراسو کا گلِ بے خار خار خار

---

کوہکن ہی نے نہیں پھوڑا بسر کُہسار سر　　عشق کی آتش نے لاکھوں کردیے فی النار نر
ہم نہیں کہتے کہ ہم پر مہر کر یا ظلم کر　　جس سے عالم میں بھلا کہویں تجھے وہ کار کر
پرورش کرتا ہے اشجار مژہ کی تو عبث　　کچھ نہیں ملنے کا اس سے دیدۂ خونبار بر
وصل اُسکا کیونکہ آئے عاشقِ مفلس کے ہاتھ　　مانگتا ہو ہر گھڑی جو غیرتِ گلزار زر
زاہد خشک آگیا تھا بیچ میں رندوں کے کیا　　جو ہے مے سے آج تیرا جبّہ و دستار تر
لے خبر جلدی سے آکر اُسکی اے میرے مسیح　　ورنہ جائے گا کوئی دم میں ترا بیمار مر
خیر چاہے تو فراسو اُسکی محفل میں نہ جا　　لائے گا ناحق وہ مجھ سے دلبرِ سرشار شر

---

چشمِ شفار ہی نہ طبیبوں سے مردماں　　اُس چشم نے مجھے کیا بیمار مار مار
عالم سے جس نے دل تجھے بیگانہ کردیا　　ہوتا وہ کیوں نہیں بُتِ عیار یار یار
ساقی شتاب آکہ چمن میں ترے بغیر　　ہے فصلِ گل میں بھی دلِ میخوار خوار خوار
فرہاد ایک ہوگیا حمال کوہِ عشق　　ورنہ کسی سے اُٹھتا ہے یہ بار بار بار
گُل کی طرح سے سنبل کاکل کے ہجر میں　　ہیں اپنے جیب و دامن و دستار تار تار
غیروں کے سرکا طُرّہ نہ کر گلبدن کہ ہم　　چھاتی سے ہیں لگے ترے جوں ہار ہار ہار
جینے سے کیوں نہ ہاتھ اُٹھاؤں میں اب دلا　　بیٹھا ہے میرے قتل کو تیار یار یار
ابرو کو رشک مہ کے فراؔسو جو دیکھ لے　　اپنی ہلال پھینک دے تلوار وار وار

---

لختِ دل نکلے ہیں اب تو بار بار　　زور لایا دیدۂ خونبار بار
نالۂ و زاری کروں کیونکر نہ میں　　دل ہے میرا غیرتِ گلزار زار
تجھ کو اے شیریں نہیں معلوم کچھ　　کوہکن کی جانے ہے کہسار سار
چشمۂ خوبی ترے مکھڑے پہ اب　　پیتے ہیں پانی سدا ہم وار وار
اُسکی چھاتی پر فراؔسو ہار دیکھ　　دیدیا دل ہم نے آخر ہار ہار

---

ہے ترے مژگاں کا تازہ دل میں زخمِ تیر تر　　کھینچتا تُسپر ہے کیوں ابرو کی تو شمشیر شر
مثل مجنوں کے ہوئمیں حیرت زدہ اے دوستو　　عشق میں لیلیٰ وشوں کی ہے مجھے تدبیر بر
وصل تھا جب تو کُھلے تھا اب سدا رہتا ہے بند　　کھُولتی ہے دیکھئے کب وصل کا تقدیر در

---

سودا ہے زلفِ یوسفِ ثانی کا اسقدر روتے ہیں ہم کھڑے سرِ بازار زار زار
اُس شکِ مہ کے دانتوں پہ جس دن سے دانت ہے ہوتی ہے چشم میری گہربار بار بار
منصور جو خوشی سے سرِ دار پر گیا شاید کہ جانتا تھا وہ سردار دار دار
گلدستہ سی فراؔسو غزل میری دیکھ کر ہووے دلِ حدیقۂ پُرخار خار خار

## ردیف ''ز''

گر کریں افشا جہاں میں اسکا سب ہم راز راز عشق سے تو بھی نہ آوے عاشقِ جانباز باز
ہمدم اپنا اسطرح رہتا ہے نالہ دوستو جسطرح مطرب کا رہتا ہے سدا دمساز ساز
ہو نیاز و عجز بھی میرا پذیرا گاہ گاہ یوں سدا لازم نہیں اے دلبرِ طناز ناز
پنجۂ مژگاں ہے کیا تیری نگہ کا سخت گیر صید سے دل کے نہیں آتی ہے یوں خونباز باز

## ردیف ''ک''

دیکھ کر گلشن میں ہر دم تیرے دانتوں کی دمک زخمِ دلبر ہے چھڑکتی بوند شبنم کی نمک
یوں سرِ مژگاں پر میرے سختِ دل ہے جلوہ گر جیسے نیزہ پر نظر آتی ہے پرچم کی چمک
کا جو میں نے عرض کی اُس بات کی اُس شوخ سے پاس سے میرے گیا بتلا کے اک دھمکی دھمک
مُنھ چھپایا ابر کے پردے میں مہ نے ہو خجل رات چلمن سے جو برقِ حُسن کی چمکی چمک
راستبازوں کا فراؔسو کیوں نہووے جی نڈھال قہر ہے اُس تیغۂ ابروے پُر خم کی خمک

---

پی کے وہ مے مست بیٹھا ہے ہمارے جی میں ہے بھیجئے مثلِ کباب اب تل کے دل کو اُن تلک
یوں نظر آتا ہے مُنھ اوڑے دوپٹہ سے ترا جسطرح ابرِ سیہ سے جھلکے سورج کی جھلک
یہ نہیں اشراف کے کرتا نیازوں کے قبول اور اُٹھاتا ہے سدا اسفل کے یاروں کو فلک

---

## ردیف "ل"

شیشۂ دل چور ہے اس غم میں اپنا دلرُبا — پی نہ تو نے ایک دن بھی ہم سے باہم مِل کے مُل
گر یونہیں جاری رہے ٹک چشم میری رات دن — سیل یہ توڑے گی بحرِ بیکراں کے پل کے پُل
یک قلم ہنسنا ترا یہ دیکھ کر اے غنچۂ لب — مُنھ سبھی کلیوں کے گلشن میں گئے ہیں کِھل کے کُھل
جو فراسو نا گہاں دلبر وہ آنکلے اِدھر — تو ابھی کُھل جائیں عقدے ہجر کی مشکل کے گُل

---

کیا پریشانی کہوں اب اپنی میں بختِ سیاہ — بال وہ مہکے ہوے دل کے بنے جنجال جال
گرنہیں دل میں کہ مجھ پر کیجئے مہرو کرم — سُن تو لیجئے جان تھوڑا سا مرا فی الحال حال
لعل و دُر میں اشک ولختِ دل ابھی ضائع نہ کر — اے فراسو مفت میں ہوتا ہے یہ پامال مال

---

لگا کہنے میں کچھ اُن سے تو غصّہ ہو لگے کہنے — کیا کر تو نہ مجھ سے آنکریوں آجکل کل کل
ارادہ میرے گھر چلنے کا مدّت میں کیا تو نے — خدا کے واسطے کافر نہ یوں ہر دم مچل چل چل

---

## ردیف "م"

روز و شب دیتا ہے مجھ کو عشق کا پیغامِ غم — مدّتیں گذری ہیں دل سے کر گیا آرام رم
اک جہاں نالاں ہے میرے نالۂ شبگیر سے — اب تو یہ جوروستم کیجئے بُتِ خود کام کم
جب تلک ہے دم میں دم دم کا ترے ہمدم ہوں میں — غیر کی خاطر نہ دے مجھ کو سمن اندام دم
آبرو عشاق کی ملجائے گی سب خاک میں — مت کہیں محفل میں ہونا دیدۂ بدنام نم
کون ٹھہرا ہے فراسو میکدہ میں یاں کے آہ — عاقبت جاتا رہا یاں چھوڑا اپنا جام جم

---

جب سے ملتا ہے ہمارا وہ بُتِ خود کام کم کر گیا ہے تب سے یارب دل سے کچھ آرام رم
چشمِ میگوں نے صنم کی کر دیا ہے مجھ کو مست ابر کا پیالہ لگے ہے مجھ کو تیرا جامِ جم
غیر کے آگے نہ ہووے دیکھیئے افشاے راز اُس کی محفل میں نہ ہو جو دیدۂ برنام نم
طائرِ دل کوئی پھنستا ہے مرا اے دوستو مجھ کو دیتا ہے عبث زلفِ سیہ کا دام دم
روز کی وعدہ خلافی سے تری شیریں دہن اب تو لگتے ہیں تمھارے قول اور اقسام سم
جبکہ ہم پاتے نہیں تم کو فرآسو گھر کے بیچ باندھتے ہیں دل میں اپنے تب بہت اوہام ہم

---

جب تلک دل کا نہوگا تجھ سے اے خود کام کام تب تلک ہرگز نہ ہووے گا مرا آرام رام
دشمنی ہفتاد و وملّت سے رندوں کو نہیں شیخ جی کو بندگی تم کو برہمن رام رام
دل ہمارا لے لیا مژگانِ چشمِ یار نے طایرِ دل کو ہوئی یہ شاخِ کج بادام دام
مطربِ خوش نغمہ ہے اور یار ہے اور باغ ہے دے تو اب جم جم ہمیں اے ساقیٔ فرجام جام

## ردیف ''ن''

بات میری بھی کبھی اے غیرتِ ایمان مان میں فدا ہوں جان و دل سے مجھ کو مت انجان جان
تیرے تارِ زلف سے ہم طالبِ زنار ہیں حُسن کا ہم کو تو اپنے دے نیا نادان دان
ہے بنایا تم کو اے دلدار اپنے نور سے آب وگل سے ہی بنائے حق نے کیا انسان سان
آرزو ہے یاں تری گفتارِ شیریں کی سدا غیر کی باتیں سُنیں میرے یہ کیا امکان کان

---

یوں میں اپنے مُنھ سے کہوں ہوں نہ ہاں نہ ہوں
مطلب کی بات آپ سے کہیئے کہاں کہوں

کیونکر میں آؤں تیرے سخن کی لپیٹ میں
جبتک کہ تجھ سے واقفِ رازِ نہاں نہ ہوں

اغیاروں کو یار کے کیوں پاس آنے دوں
چھاتی پہ مونگ کس لئے صاحبدلاں دلوں

مرجاؤں اُسکے ہاتھ سے ہے اسمیں آبرو
تیغہ کے نیچے اُسکے میں کیوں جاہلاں ہلوں

پردے میں مانگتے ہو عبث دل مرا اجی
سینے سے دل نکال دوں اے دلبراں بُروں

تم سے تو جان تک بھی میں حاضر ہوں جانِ من
مانگے جو اور کوئی تو اے قدرداں نہ دوں

کیوں شیخ و برہمن کی کروں پیروی بھلا
ملّت میں اُسکی کس لئے میں کاملاں مِلوں

ٹٹی کی اُوٹ کھیلوں فراؔسو شکار کیوں
کیوں اُنکے اب طریق پہ جوں گمر ہاں رہوں

---

کچھ مُرغ دل ہی اپنا نہیں زلف کا اسیر
دیکھے ہیں اُسکے اور گرفتار اک دو تین

کیونکر کروں میں خواہشِ وصل اُن سے یاں بھلا
اغیار ہیں لگے پسِ دیوار اک دو تین

بیمار چشم ہے تری نرگس ہے یا ہیں ہم
بتلادو اور بھی کوئی بیمار اک دو تین

دل داغ داغ آتشِ حسرت سے ہوگیا
ڈالے گلے میں شوخ نے جو ہار اک دو تین

عاشق تمھارا سایۂ بالِ ہُما سمجھ
بیٹھے ہیں آترے پسِ دیوار اک دو تین

گل ہی نہیں فقط تیغِ یار کا
دیکھے بخوں طپیدہ جہ گلزار اک دو تین

دس بیس سو پچاس سے ڈرتے نہیں ہیں ہم
لڑنے کو گر رقیب ہیں تیار اک دو تین

ملنے کا وعدہ کر کے پھرتا ہے دمبدم
اقرار کے بھی ساتھ ہیں انکار اک دو تین

چشمِ امید رکھوں نہ اُس سے کبھی دِلا
اک بوسہ پر کرے ہے وہ تکرار اک دو تین

انداز و ناز اُسکے فراؔسو میں کیا کہوں
ہیں یوں تو پاس اور طرحدار اک دو تین

---

## ردیف ''و''

قسم ہے تیرے ہی سر کی میں سر دینے کو حاضر ہوں　　اگر دیوے مجھے قاتل یہ تیری تیغِ ابرو رو
تجھے دیکھا ہے اے سروِ رواں گلشن میں جسدن سے　　ہمیشہ سرو پر بیٹھی کرے ہیں قمریاں کُو کُو
ڈرے کیونکر نہ اُس سے پھر ہمارا اے فراسو دل　　کہ عقلِ دل کے حق میں لولوے گوش اُسکا ہے لُو لُو

---

دوستو پاس مرے اُسکو بُلاؤ لاؤ　　کہ اجی آتشِ دل اسکی بُجھاؤ جاؤ
جھوٹے وعدوں پہ تمھارے تو نہیں ہمکو یقیں　　قسمیں چلمن سے ذرا مُنھ کو دکھاؤ دکھاؤ
ہم تصور سے پریوں کے فراسو خوش ہیں　　غم نہیں ہمکو ذرا بھی وہ نہ آؤ آؤ

## ردیف ''ہ''

تن کو کردے ماہِ نو کی الفت جانکاہ کاہ　　تیرے ابرو سے جو ہو پردہ نشیں آگاہ گاہ
منفعل بیحد ہے تیرے سامنے کس طرح آئے　　بسکہ رکھتا ہے رُخِ پُر داغ رشک ماہ ماہ
خاک کو میری نہ ٹھکرا نخوت و انداز سے　　دیکھ کر ٹک تو چلاکر اے بُتِ گمراہ راہ
سوز و درد و نالہ اشک ولختِ دل رکھتے ہیں ہم　　جس طرح رکھتے ہیں اپنے پاس اہلِ جاہ جاہ
زیست تک ہم تو کرینگے اپنی چاہت سے نباہ　　تو نہ رکھے دل میں الفت دلبر دلخواہ خواہ
روز و شب مسجود ہے ساری خدائی آپ کی　　جو گدا ہو آپ کا ہوجائے شاہنشاہ شاہ
صبح تک دیکھی فراسو نے تری رہ شام سے　　کر کے وعدہ خوب آیا تو بھی بے پرواہ واہ

## ردیف ''ے''

قاصد کو بھیجئے کہ صنم کو بُلائے لائے　　قسمیں خدا کی خط کو ہمارے دکھائے کھائے
یعنی کہ اسکو روتے ہی گذریں ہیں رات دن　　دوری میں تیری کیونکہ بھلا گھر سہائے ہائے
جاناں کی طرف سے یہی رہتا ہے غم مجھے　　ایسا نہو کہ گھر سے کسی اور جائے جائے
جانے نہ دوں گا اب تجھے جھوٹی قسم نہ کھا　　معلوم کیا ہے پھیر یہاں تو نہ آئے آئے
دل تو ہم کرچکے ہیں گم اپنا ہر ایک طرح　　مختار اب وہ زلف ہے، اُسکی چھپائے پائے

کیوں نہ مغرور پھرے مجھ سے تو لڑکے لڑکے ‌‌ خلق کہتی ہے ترے روز اکڑ کے کڑ کے
دیکھ کوچے میں مجھے اُس نے جو کھڑکی سے کہا ‌‌ کیوں کھڑا ہے تو یہاں آج بگڑ کے بگڑ کے

---

وہی زہر کے بھی پیالے کو پی لے ‌‌ تری زلف کے جو کہ کالے کو کیلے
جو چاہے خجل ابر میں برق ہووے ‌‌ یہیں کان میں جلد بالے کو بیلے
مکھڑا دکھاتا ہے جو محرموں کر ‌‌ تو انگیا پہ اپنی مسالے کو سی لے

---

# انتخابِ غزلیاتِ فراسو

(یہ انتخاب اُن غزلیات کا ہے جو ذخیرۂ گنبدِ گیتی[1] کی مختلف مثنویات کے متن میں شامل ہیں۔)

معلوم نہیں کہ خواب دیکھا شب چہرۂ ماہتاب دیکھا
اُس پارۂ جاں کو مثلِ سیماب دیکھا تو پُر اضطراب دیکھا

---

زلف میں پھنس گیا ہے جی اپنا دل پریشان ہے اجی اپنا
اُسکی چوٹی کی چوٹ ہے دل میں جس پہ جی دیوے ناگنی اپنا
دل تو ایسا ہے یہ نہیں ڈرتا مرنے جینے سے بھی کبھی اپنا

---

اک دن بھی کیا نہ تجھ سے شکوہ سو ہم نے ترے ستم سہے چپ
کرتے رہے نالہ ہائے فریاد کس دن ترے آگے ہم رہے چپ

---

یہ نیستی ہے کمالِ ہستی دنیا سے مجھے اُٹھائے اُمید
سر تیرے قدم سے کیوں اُٹھاؤں جبتک نہ مری بر آئے اُمید
ترسایا ہے تو نے مجھ کو کیسا بدلا تو خدا سے پائے اُمید

---

شکل زیرِ نقاب بدرِ منیر رہتی ہے زیرِ شیشہ چوں تصویر
کرو صد برگ و جعفری پہ نظر کہ وہ عاشق کی شکل کے ہیں نظیر
نہیں بچنے کا آہ دل میرا چشمِ جادو ہے اُسکی مژگاں تیر

---

[1] صہ ۳۲۲، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی از رام بابو سکسینہ۔

مری خاطر ہیں کیوں آہوں سے بیزار مجھے اُنکا ہے اور اُنکو مرا پاس
فراؔسو تم سے وہ ہوتا جدا کیوں تمھارا کچھ بھی گر ہوتا ذرا پاس

---

یہ کس کی زلف و رُخ کی یاد میں ہے کہ نالاں ہے مرا صبح دمسا دل

---

جھوٹی قسمیں نہ کھا تو اب اتنی غم ترا مجھ کو کھا گیا ظالم
یاد کیسی ہے دے گیا دل کو اور سب کچھ بھلا گیا ظالم
کچھ بھی دنیا میں خوش نہیں آتا کیا ستم دل کو بھا گیا ظالم
تپِ غم سے رُلا رُلا کے مجھے زور طوفاں اُٹھا گیا ظالم

---

بیتابیٔ دل سے ہے سروکار جس دن سے میں تجھ سے آشنا ہوں
تو جان نہ جان اے فراؔسو جی جان سے تجھ پہ میں فدا ہوں

---

عجب ڈھب سے نگاہیں لڑگئی ہیں دلوں میں برچھیاں سی گڑ گئی ہیں
نظر آتا نہیں کچھ روتے روتے مژہ آنکھوں کے آگے اڑ گئی ہیں
جب اتنا بولتے ہیں جھوٹ زاہد زبانیں اُن کی مُنھ میں سڑ گئی ہیں
عرق آلود وہ رُخسار تمھارے گلوں پر اُوس گویا پڑ گئی ہیں

---

اے ابرِ شبِ فراق رو دے رونے پہ میں مستعد ہوا ہوں

---

آنے کی خبر ہے تیرے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو
گردش نے تری تو جی سے کھویا اے گردشِ روزگار دل کو

---

تو توڑ کے سب سے جوڑ مجھ سے لے مان مرا کہا فراسو
ناحق ہی خفا جو تم رہو گے تو زیست ہے میری کیا فراسو
ہیں شعلے بھرے مرے جگر میں اور آگ تو مت لگا فراسو
قسمت کا لکھا تھا سو ہوا آہ دے کون اُسے مٹا فراسو
اک بات میں تجھ سے پوچھتا ہوں دل کو مرے کیا ہوا فراسو
تجھ سا نہیں کوئی بے مروّت اس بات کا ہے گلا فراسو

---

سہوں کب تک یہ ہجراں کی تباہی ملا دلبر کو میرے یا الٰہی

---

قلم بھی جان پر روتا ہے میری یہ آنسو ہیں نہ سمجھو تم سیاہی
رہوں کیونکر نہ میں حسرت زدہ سا چُبھی ہے دل میں اُسکی خوش نگاہی
نہیں تجھ بن مجھے یک لحظہ آرام یہ میرے اشک دیتے ہیں گواہی

---

غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی بیاں اُسکا نہیں ہوتا عزیزو
مرے دل کو ہے بیحد پیچ و تاب تمھاری زلف میں جب سے پھنسا ہے
تمھاری چشمِ مستِ نیم خوابی کرے ہے نرگسِ شہلا کو حیراں

---

جی تن میں نہیں نہ جان باقی ہے عشق کو امتحان باقی
جل بُجھ گئے مثلِ ہیزمِ خشک یاں کس کا رہا نشان باقی
میں خشک شجر سا ہوں چمن میں ہے پوست اور استخوان باقی
سب گل کے گداز ہوگیا تن ہے شمع نمط زبان باقی
ہاں قصہٗ غم ادا ہوا ہے اور واں ہے ادا و آن باقی
کھاتا ہے ہر ایک رشک مجھ سے یہ رہ گئے قدر دان باقی

---

ہوئی غم میں تمام زندگانی ہے مرگ کا نام زندگانی
گر پختہ مزاج ہو تو سمجھو ہے رشتۂ خام زندگانی
پیدا ہوئی جب تبھی سے لائی مرنے کا پیام زندگانی
یہ صبح سے حال ہے تو کیونکر ہوگی تا شام زندگانی
ہر گز نہ کرے سر اے تن میں بے یار مقام زندگانی
یوں زیرِ فلک کرے ہے تم بن صاحب یہ غلام زندگانی
جس شکل سے مُرغِ نو گرفتار کاٹے تہِ دام زندگانی
بہتر ہے غمِ فراق سے مرگ سُن لیجے کلامِ زندگانی
بس مجھ سے تو ہاتھ اُٹھائیں تجھ کو کرتا ہوں سلام زندگانی
اے مایۂ جاں نہ ہو جو تو پاس آوے کس کام زندگانی
خیر اب لے یہ سُن بقولِ جاؔمی اے بے تو حرام زندگانی

---

جو شخص ہیں دوستی میں پورے اُن کا ہوں میں دوستدار جیسے
بیمار و خراب زار ہو کر ہم بیٹھ رہے ہیں ہار جیسے

---

لیا دل کو ہمارے اک نظر میں نگاہِ اُلفتِ جاناں کے صدقے
تصوّر اُن میں رہتا ہے پری کا میں اپنے دیدۂ حیراں کے صدقے
رہوں ہوں یاد میں اُسکی بآرام میں اُسے آرام بخش جاں کے صدقے
مشبّک دل ہے جس سے اے فراسو دل و جاں سے میں اُس مژگاں کے صدقے

---

ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے خدا ہی جانے دل کو کیا ہوا ہے
کبھی جو زخمِ دل اچّھا ہوا ہے تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے
سیہ بختی نہ پوچھو میرے دل کی تمھاری زلف کا سودا ہوا ہے
خدایا کس طرح گذرے گی اوقات وہ کافر سربسر ایذا ہوا ہے
کہیں ہو نوح کا طوفان برپا کہ دریا عشق کا اُمڈا ہوا ہے
ہمارے دل کا اے رشکِ گلستاں بلائے جاں قدِ بالا ہوا ہے
وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فراسو ہمارا جس سے دل پرچا ہوا ہے

---

# انتخابِ کلامِ فراسو[1]

## قصیدہ در مدح جناب زیب النسا بیگم

اُٹھا کے دستِ دعا میں نے جو سحر اک بار — جناب حق میں کہا یوں کہ ایزد غفار
برنگِ غنچہ رہوں دل گرفتہ میں کب تک — نکال اب تو جگر سے مرے الم کا خار
وہیں دیا مجھے مژدو نسیمِ صبح نے آ — کہ اب تو رکھ نہ پریشان دل کو سنبل دار
خزاں کو دیس نکالا ملا ہے گلشن سے — چمن میں آئی ہے اب یہ خوشی سے لیل و نہار
کیا گذار ہے پھر رونقِ چمن نے یہاں — کہ جس کے ابرِ کرم سے جہان ہے گلزار
جنابِ اقدس نواب فیض بخش جہاں — کہ جس کا نام ہے زیب النسا بعز وقار
لئے ہے مٹھی میں اپنی ہر ایک غنچۂ زر — کہ رکھ کے خوان میں گُل کے کرے وہ اُن پہ نثار
نہ لے جہاں میں کوئی نا ابرِ نیساں کا — جو ابرِ فیض کا اُن کے اگر کروں تذکار
نسیمِ صبح سے ناگاہ جو سُنی یہ بات — خوشی ہو میں نے کہا مثلِ عندلیب ہزار
کہ میں بھی بُلبل خوشگو اُسی کے باغ کا ہوں — کہ جن کی مدح میں ہے وا مرا لبِ اظہار
غرض جناب میں کرتا ہوں اس لئے یہ عرض — کہ ہے قدیمی فراسو یہ بندۂ سرکار
یہ جب تلک کہ زمین و زبان قائم ہیں — اور آسمان پہ ہے ماہ و مہر پُر انوار
برنگِ گل ہوں سدا دوست تیرے خرم و شاد — خزاں نمط ترے بدخواہ ہوں ذلیل و خوار

---

## مبارکباد عطاے خلعت ازسرکار بادشاہی بنام نامی گرامی حضرت حضور زیب النسا بیگم بہادر

حضرت ہو تمھیں خلعتِ زر تار مبارک — اور دولت و اقبال ہو ہر بار مبارک
حق رکھے سدا بزمِ طرب میں تمھیں سرور — مے نوشی فصلِ گل و گلزار مبارک
ہے دستِ کرم آپ کا جوں ابرِ گہر بار — ہو آپ کو یہ ابرِ گُہر بار مبارک

---

[1] صہ۳۳۴، انتخابات، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اُردو و فارسی ازرام بابو سکسینہ۔

اور آپ کی تلوار جو ہے برق جہاں سُوز
اُس سرِ دشمن پہ سداوار مبارک

بہتر ہے یہ سایہ سے سدا بالِ ہُما کے
ٹوپی پہ سدا طرّہٗ پردار مبارک

تعریف کروں آپ کے کیا رنگ محل کی
ہووے یہ محل تم کو ہوادار مبارک

یوں پالکی کی شان ہے جوں سیپ میں گوہر
ہو تم کو یہ اے گوہرِ شہوار مبارک

یوں فیل کے ہووج میں ہو جوں مہر فلک پر
ہو آپ کو وہ فیل فلک دار مبارک

فدری ہے تمھارا بدل و جان فراسو
ہو اُس کو تمھاری کفِ زر بار مبارک

کرتا ہوں دعا پر میں یہ اب ختم غزل کو
ہوں آپ کے بندے کو یہ اشعار مبارک

دیکھو نہ کبھی خواب میں بھی گردش دوراں
تم کو یہ سدا طالعِ بیدار مبارک

ہوں دوست سدا آپ کے مستِ مۓ عشرت
دشمن کو نہ ہو دور یہ زنہار مبارک

---

## قصیدہ بسنت در مدح زیب النسا بیگم بہادر دام اقبالہٗ

اگرچہ پھُولی پھلی ہے بصد بہار بسنت
پہ تیری بزمِ طرب ہے شرمسار بسنت

کرے نہ جب تلک آکر حضور میں مجرا
نزار واقعی رہتی ہے بیقرار بسنت

کہے نہ کیونکہ تجھے شاخِ زعفران عالم
ہوئی ہے قطع ترے تن پہ جامہ دار بسنت

بندھی ہے گرچہ ہوا بسکہ اس کی عالم میں
کہ گل کے دستہ پہ آتی ہے ہو سوار بسنت

یہ در پہ آکے تمھارے رہے ہے پہروں کھڑی
کہ پائۓ محفل عالی میں تا کہ بار بسنت

غرضکہ اب ہے وہ رشکِ چمن تری سرکار
کہ جس سے رہتی ہے معمور کاروبار بسنت

یہ عرض رکھتا ہوں تیری جناب عالی میں
بنا کے لایا جو ہوں میں گناہگار بسنت

نگاہِ لطف و کرم ہو فراسو پر ہر دم
سو سازگار سرِ موسمِ بہار بسنت

جہاں میں جتنے ہیں وابستگان خیر اندیش
رہے بغل میں سدا اُن کی گلفشار بسنت

عدو ہیں جتنے تمھارے سدا رہیں غمگیں
ہمیشہ سایہ سے اُنکے کرے فرار بسنت

---

## قصیدہ مبارکباد عید پاسکو در مدح حضرت زیب النسا بیگم بہادر دام اقبالہٗ

آج سوے باغ جو ناگہ ہوا میرا گذر دیکھتا کیا ہوں کہ ہر اک سمت کو باد بہار
پھرتی ہے دیتی ہوئی جاروب صحنِ باغ میں درمیاں تختوں کے تا کوئی پڑا رہوے نہ خار
جس طرف دیکھا صف آرا غنچہ و گل ہیں بہم مشت میں لے لے کر اپنے دُر سبھی پر۔۔ نثار
پھرتی ہے نرگس ہر اک جانب کو بہرِ اہتمام ہاتھ میں اپنے عصا لے کر بہ مثل چوبدار
اور جو شمشاد کو دیکھا تو شکلِ سبز ہے ہر خیاباں پر کھڑا ہے بن کے از بس طرحدار
قمریاں ہی قہقہے کرتی نہیں ہر ایک سو چہچہے بلبل بھی کرتے ہیں سر ہر شاخسار
الغرض اپنی بدل کر سج ہر اک اہلِ چمن ہیں کھڑے ملکر مبارکباد کے سب انتظار
آج وہ دن ہے کہ روح القدس نے جسدم کیا اس جگہ کو چھوڑ کر گردونِ اعلیٰ پر گذار
اس لئے دینے مبارکباد یہ اہلِ چمن ہیں کھڑے اُس کو کہ جو ہے نام پر اُسکے نثار
یعنی وہ فیاضِ عالم منبعِ فضل و کرم مالکِ جاہ و حشم اور صاحبِ عالی تبار
نام سے اُس کے اگر چاہے کوئی ہو مطلع ہر سرِ مصرع سے لے اک حرف تا ہو آشکار
زیب دیتا ہے کہوں جو کچھ میں اُسکی شان میں یاورِ بیکس ہے ذات اُسکی جہاں ہیں نامدار
باریابی کے لئے مجرے کو اُس در پر مدام آن کر شاہ و گدا رہتے ہیں نت اُمیدوار
لاکھ کی بلکہ کروروں بخشدے ہے آن میں نام کو اُسکے ہے حاتم سے زیادہ اشتہار
سب پہ ظاہر ہے سخاوت جو ہے اُسکی ذات میں الغرض رکھے سلامت ہی اُسے پروردگار
ذات پر تیری مبارک ہو یہ عید پاسکو رہوے یہ جاہ و حشم تیرا ہمیشہ برقرار
جو کہ ہیں بدخواہ تیرے اے کرم بخش جہاں گردشِ افلاک سے رہویں ذلیل و زار و خوار
اور جو فدوی فراسو ہیں مرے خالق شاد اور سرور رکھے تا قیامت کردگار

## قصیدہ در مدحِ حضرت بیگم صاحبہ زیب النسا بہادر بہ تقریبِ دسہرہ

فیضِ باری سے گہر بار ہے جوں ابرِ کرم  باغِ عالم میں ہے ہر تختۂ گل رشکِ ارم
کیجئے غور کہ کیا بادۂ عشرت سے مُدام  ساغرِ گل کو سدا کرتی ہے شبنم شب نم
غنچۂ لالہ کے مینا پہ ہے مینا کاری  جس کی مے سے لبِ زاہد بھی ہے نافرماں کم
مے کے سو شیشے ہیں ہر خوشۂ انگور لئے  نرگسِ مست نہ کیوں تاک کو تاکے پیہم
ہے ستم شاخ ہزاری پہ نوا سنج ہزار  سُن کے صد برگ بصد برگ و نوا ہے خرم
مہر سے سایہ کرے کیوں نہ شعاعِ خورشید  کاکلِ سنبلِ پُر پیچ ہے درہم برہم
پھُول کے پھُول کے طُرّہ نے دکھائی یہ بہار  جس روش رایت نصرت پہ زری کی پرچم
گلِ خورشید کے سورج مکھی ہے ہاتھ میں کیا  رُخ اورنگ پہ گرماہے نہو رنگِ الم
جعفری اور گُلِ اشرفی کی دولت سے  صحن گلزار سدا پُر ہے بدینار و درم
سُرخرو ہو کے ذرا سبزے کی سر سبزی دیکھ  ہر طرف کو ہے بچھا فرش سمور و قاقم
دیکھ گلزار میں میں نے یہ غرض تازہ بہار  پوچھا یوں موجِ نسیمِ سحری سے ہمدم
سچ بتا آج یہ کس روزِ طرب کی ہے دُھوم  جو ہے یہ عالمِ گلشن پھبن کا عالم
مجھ سے تب اُس نے یہ پھر آکے کہا اے غافل  آج آیا ہے سدہرہ کا مبارک مقدم
اس لئے غنچۂ و گل ہاتھ میں زر لے لے کر  واسطے نذر کے تیار ہوئے ہیں باہم
کہ یہ سب جا کے اُنھیں دیویں مبارکبادی  نام سے اُن کے ہی خوش رہتا ہے سارا عالم
تب یہ سُنتے ہی کہا مطلع ثانی میں نے  جو تجلّی میں نہیں مطلعِ خورشید سے کم
مہر سا مہر سے یوں وا ہے ترا دستِ کرم  گویا عالم میں پھر آیا ہے دوبارہ حاتم
چرخ پھرتا ہے سدا کاسۂ خورشید لئے  تا ترے در پہ کرے آکے گدائی اک دم
گل کے بوٹے ہی نہیں فیض سے تیرے زردار  شاخِ پُر میوہ ہے بارے ترے احسان ہے خم
موج زن بسکہ ہے دریاے عدالت تیرا  پانی یاں پیتے ہیں اک گھاٹ سدا شیروغنم
کیا تری تیغ میں برش ہے عیاذاً باللہ  کہ علم اُس کو اگر خواب میں دیکھے رُستم

قالب اپنا ہی تہی جان سے کیا دیکھے وہ	گاؤسر کا بھی وہ سر وقت سحر پائے قلم
چرخ کے دل پہ ہے زخم اُسکا نہیں کاہکشاں	مہ نہیں پھاہا یہ رکھا ہے لگا کر مرہم
ہو شبِ وصل کی بھی جلد روی اُس سے گرد	تیرا سبدیز خراماں ہو اگر لگ کے قدم
اور ہو گرم تو جوں برق چمک دکھلا دے	کہ زمیں پر نہ ذرا نقشِ قدم کا ہو رقم
فیض تیرا ہے کہ ہے چرخِ زریں میں تجھے بُولے خلق	ہے عماری کہ وہ ہے گنبدِ عرشِ اعظم
دیکھ کر ہودجِ زریں میں تجھے بُولے خلق	ہے مَلَک کرسیٔ عالم پہ بہ شکلِ آدم
باندھ کر لَین چلے جبکہ تری قاہرہ فوج	یوں نمودار ہوں ہر طرف زری کے وہ علم
جوں خطِ برق کا ہوا برسیہ میں جلوہ	یا شبِ مہ میں چمک کاہکشاں کی پیہم
ہے وہ مسجود جہاں خیمۂ عالی تیرا	کیا مناسب ہے حریم اس کا اگر ہووے حرم
بسکہ دارائے جہاں ہے تو سکندر طالع	آصفِ جاہ و جلال اور سلیمان حشم
بس ثنا مجھ سے ہو کب اس کی جو ایسا ہووے	ذات پر جود و سخا اور جناب اکرم
میں فراسو وہ ترا ہوں شہِ ملکِ اشعار	جس کے آگے ہو لبِ طوطیٔ گویا ابکم
سنگِ بیکاری سے ہے شیشۂ دل چور مرا	جورِ گردوں سے ہوں جوں زلفِ پریشاں برہم
بہرہ یاب آپ سے سب ادنیٰ و اعلیٰ تک ہیں	میری بھی غور رسی کیجئے از روئے کرم
جب تلک باغِ جہاں میں ہے بہارِ ابدی	اور ہے سبزۂ افلاک شگفتہ خُرم
ہوں نمک خوار ترے گُل کی زمیں سے شاداب	اور دشمن ترے برباد ہوں از صرصرِ غم

---

## قصیدہ در تعریف حضور زیب النسا بیگم بہادر و مبارکباد ہولی

باغِ جہاں میں آئی لے کر بہار ہولی	کھیلے ہے ہو شگفتہ ہر گلعذار ہولی
ہر ایک کے ہے بر میں پوشاک کیا بسنتی	سج دھج پہ گُلرخوں کے ہولے نثار ہولی
پچکاری ہر کلی ہے اور گُل عبیر برکف	گلشن میں مچ رہی ہے بے اختیار ہولی
ہے آپ ہی اگرچہ رشکِ بہار ہولی	لیکن نثار تم پر ہے بار بار ہولی

فردوس کی طرح ہے رنگیں وہ مچھب تمھاری ہے جس کے شوق میں یوں پُر اضطرار ہولی
دستِ کرم تمھارا اس رنگ زر فشاں ہے حاتم کی بھی سخاوت یاں شرمسار ہولی
دانا سخن رس ایسا حق نے کیا ہے تجھ کو اب جس سے عقلِ لقماں بے اعتبار ہولی
بازو میں زور یہ کچھ رکھ کر کماں میں جس دم تم نے جو لیس پھینکی دشمن کے پار ہولی
ہرگز نہیں ستارے سوراخ ہیں یہ سارے شاید کہ چرخ پر بھی نیزوں کی مار ہولی
جس کی جناب ایسی بحرِ کرم بھلا ہو اُس پر پیئے نہ پانی کیوں وار وار ہولی
کیجے قبول میرے اشعار یہ کرم سے ہوں آپ کو مبارک ایسی ہزار ہولی
ہے جب تلک اقامت روزِ بسنت کی یاں اور جب تلک جہاں میں ہے برقرار ہولی
جو دوست ہیں تمھارے جوں گل رہیں شگفتہ دل میں چُبھے عدو کے مانند خار ہولی

---

## مدحِ نواب ظفر یاب خاں بہار

آپ کا وصف جو کرے نہ رقم نو زبانِ قلم کروں میں قلم
رشکِ نقش و نگارِ مانی ہیں بخدا آپ کے رقوم قلم
اس سے نکلے ہیں گوہر معنی آپ کی دوات بحرِ کرم
خطِ گلزار سے تمھارے سدا صفحۂ کاغذیں ہے باغِ اِرم
اور خطِّ شعاعی سے بخدا مہر کی ہے شعاع سے توام
دیکھے خطِّ غبار جو کوئی دل سے اُس کے غبار غم ہو عدم
کیا لکھوں وصفِ خطِّ نستعلیق ہے جواہر سا ایک ایک رقم
اور خطِّ شکستہ بخشے ہے دل شکستوں کے واسطے مرہم
اُس کی بس خوشنویسیوں کو دیکھ وصف میں ہے ہمیشہ لوح و قلم
حلقۂ زلف ساں ہے ہر اک لفظ اور نقطے ہیں رشکِ خالِ صنم
آپ کا زورِ پنجہ کیا کہیے ہے خجل جس سے پنجۂ ضیغم

ہو شجاعت میں اسقدر یکتا کہ نہ تم سے دوچار ہو رُستم
اور سخاوت پہ دل ہے اتنا کچھ کہ فدا کیجئے دلِ حاتم
جلد یاں اسقدر ہیں گھوڑے میں دوڑ جس کی غزال کا ہے رم
ہے قدم اس کا رشکِ موج نسیم اور جھپٹ ہے شرار کی ہمدم
بزمِ عالی ہے اسقدر رنگیں ہے بجا جس کو کہیئے محفلِ جم
آپ کی سُن کے شکریں گفتار طوطیٔ خوش سقال ہے ابکم
آپ کا میں ہوں بندۂ دلبند آپ سے رکھتا ہوں میں چشمِ کرم
چشمۂ مہر آپ ہیں جوں مہر چشمِ الطاف کھولئے مت کم
یعنی ذات مبارک نواب رشکِ حاتم ہیں آپ فیض شیم
اب دعا پر کروں میں ختم کلام تا نہ طولِ سخن سے ہو برہم
خانۂ دوستاں ترے آباد بزمِ اعدا ہو حلقۂ ماتم

---

## قطعۂ مُبارکباد دروز دیوالی

کیا گرم طرب ہو کے تو آئی ہے دیوالی رونق سرِ نو خلق میں لائی ہے دیوالی
ہیں پھُول کھلے مثل چراغوں کے ہر اک طرف گلزار نے بھی آج منائی ہے دیوالی
ہر سروِ چراغاں ہے طرح کاہکشاں کے یہ دل میں سما کے بھی سمائی ہے دیوالی
بارش یہ کری کھیل بتاشوں کی جو تو نے یاں آب گھٹا کی بھی گھٹائی ہے دیوالی
عالم ہے کھلونوں کی عجب جلوہ گری کا عالم یہ نیا ساتھ تو لائی ہے دیوالی
یاں شیریں دہن مل کے بھی کھیلیں ہیں تجھ کو ہر ایک ادا تیری مٹھائی ہے دیوالی
کب اُس کے مقابل ہو دیوالی کی تجلّی جیسے یہ فراسو نے منائی ہے دیوالی

---

## قطعۂ مُبارکباد عید نظال مبارک

آئی عیدِ نظال مثلِ بہار کیا جس نے جہان کو گلزار
آج عیش و طرب کرو صاحب حسبِ ارشاد عیسیٰ مختار
تم کو عالم میں آئیں یہ دوقتے ایسی عیدیں کرو ہزار ہزار
اور فراسو پہ ہو نگاہِ مہر تم سے راضی ہو ایزدِ غفار
نوح کی عمر سی ہو عُمر تری ہے فراسو کی یہ دعا ہر بار

---

## قطعہ

مرے گناہوں پہ صاحب نہ دھیان کیجئے گا یہ اپنا مہر سا دل مہربان کیجئے گا
صحابِ فضل کو فرمایئے گا اب ارشاد یہ دستِ خشک مرا گلستان کیجئے گا
میں باغِ فیض تمھارے کا ہوں گیاہ نمط کچھ اور مجھ پہ نہ ہرگز گمان کیجئے گا
فلک بھی سجدہ کرے گا تمھارے در پر آ جومدح آپ کی صاحب بیان کیجئے گا
یہ دوست آپ کا دل سے فراسو صاحب ہے دلِ کریم کو ٹک مہربان کیجئے گا

---

## انتخابِ اشعارِ حمدیہ

ہے فیضِ حمدِ خدا سے عجب طرح کی بہار
جہاں جہاں ہے یہ کون و مکاں صفِ گلزار

زکاف و نوں شدہ رنگِ نقوش گوناگوں
ہے مبدا جز و کل ممکناتِ بُو قلموں

کرے ہے دفترِ توحید کو قلم انشا
اب اُس کی جس نے دو عالم کو کر دیا پیدا

ہزار موج ہیں گر اس کی بحر سے ظاہر
ہر ایک قطرے میں وہ آپ ہوگیا باہر

وہ لاکھ طرز کے جلوے یہی دکھاتا ہے
ہزار رنگ سے وہ دل میں آسماتا ہے

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ
اسیرِ دامِ کثرت ہوں میں ہر راہ

جہاں آئینہ آسا پُر صفا ہے
ترے ہی عکس سے جلوہ نُما ہے

جہاں کا ہے برنگِ گلستاں ڈھنگ
بہارِ فصل سے بہتر ہے ہر رنگ

غرض ماہی سے دیکھا ہم نے تا ماہ
ترے ہی نور کا جھمکا ہے اللہ

تری ہی مہر سے ماہِ دل افروز
نمایاں زلف و رُخ سے ہے شب و روز

تری بخشش سے ہی اے ربِّ غفار
عدم سے ہے ہوئی ہستی نمودار

عدم کو تو نے دے کر بخت مندی
عیاں کی ہے یہ پستی اور بلندی

کیا ہے خلق کو تو نے ہی مخلوق
بنائے تو نے عاشق اور معشوق

محبت کی تجھی سے دل میں ہے راہ
تو دے ہے چشم و دل کو گریۂ و آہ

کبھی جوں یوسف اوج جاہ دیوے
کبھی فقر و حضیض چاہ دیوے

کبھی آوارہ رکھے جوں صبا تو
کبھی جوں کوہ رکھے جا بجا تو

کرے اوراقِ گل ساں گہ باہم
کبھی جوں گنجیفہ کر دیوے برہم

کبھی تو مثلِ گل خنداں رکھے
کبھی شبنم نمط گریاں رکھے

کبھی طالب بنا دے گاہ مطلوب
کبھی غالب تو رکھے گاہ مغلوب

کبھی موہوم ہو اور گاہ مفہوم
کبھی معلوم ہوا درگاہ معدوم

تری صورت کی ہے یہ سب کرامات
تری ہے لاشریک اے میرے رب ذات

دو عالم کا ترے ہے ہاتھ میں کار جو کچھ چاہے کرے ہے تو ہی مختار
ترے ہی ہاتھ ہے نبضِ دوعالم کہ صحت ہے تری حکمت سے ہمدم
جسے چاہے تو مارے اور جلاوے جدا چاہے کرے چاہے ملا دے
کرم سب پر ہے تیرا مہر فرما جو کچھ کرتا ہے تو ہے وہ ہی اچھا
جو منہ میں سو زباں ہوں غنچہ آثار فراآسو سے نہ ہو توحید اظہار
زباں پر س قدر جو گفتگو ہے مرے دل میں ہمیشہ آرزو ہے
الٰہی میں ہوں لبریزِ گناہاں ولیکن ہوں تری بخشش پہ ناداں
معاف اپنی سبھی جُرم و خطا ہو جو تیری بندگی اک دم ادا ہو
کٹی لہو و لعب میں زندگانی تری کچھ یاد کر ہم نے نہ جانی
رہی جرم و گنہ کی بسکہ عادت نہ ہر گز کچھ ہوئی ہم سے عبادت
نباہے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست نہ چھوڑے دستگیری گر تری دست
گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ
رہیں گی چشم تر تا حشر روتی خجالت کے سدا مُوتی پروتی
گناہوں سے نہایت ہوں میں درویش مثل ہے کردنی خویش آمدہ پیش
کٹی غفلت میں میری زندگانی نہ جانی قدر تیری پر نہ جانی
کر اپنا فضل اب مجھ پر عنایت سُجھا دے اب مجھے راہِ ہدایت
تو ہی تو چارۂ بیچارگاں ہے تو ہی قوت وہِ ہر ناتواں ہے
رکھ اپنی ہی محبت میں ہمیشہ مرے دل کو تو کردے عشق پیشہ
ترا ہی عشق ہر دم رہنموں ہو مرا دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو
مجھے الفت مین تو دیوانہ کردے شرابِ عشق سے مستانہ کردے
تو دے صدا داغِ الفت میرے دل کو تو کر گلریز میری آب و گل کو
جو تیرے عشق کی ہو مجھ کو مستی بھلا دوں دل سے میں صورت پرستی

یہ دل میں ذوقِ معنی کا اُٹھے جوش　کہ ہو عشقِ مجازی سب فراموش
ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی　تو دنیا سے ہو مجھ کو بے نیازی
فراسو ہر تری الفت کا طالب　کہ تیری ذات ہو ہر شے پہ غالب

---

ایزدِ کبریا کی حمد بیاں　کروں آبِ گُہر سے دُھو کے زباں
اُس نے دونوں جہاں کیئے پیدا　اُس کی صنعت پہ میں ہوا شیدا
عرش اور کرسی اور لوح و قلم　ملکِ ہستی یہ اور ملکِ عدم
آسمان و زمین و ماہ و مہر　سب کی ہے پرورش میں اُس کی مہر
اُس نے بھیجے یہاں پیمبر سب　اولیا انبیا و غوث و قطب
جان و دل اُس نے نام پر شیدا　حسن اور عشق کو کیا پیدا
اُس کی قدرت کا ہے چمن میں رنگ　ایک گُن سے ہے صد سخن میں رنگ
رنگ نیرنگیوں کا ہے گل میں　ہے اثر نالہ ہائے بلبُل میں

---

لکھ فراسو تو اُس کا حمد و بیاں　خلق جس کے ہے نُور سے تاباں
حمد اُس کی ادا ہو تجھ سے کہاں　خشک ہوتی ہے پر سخن میں زباں
وصف اُس کا کہا نہیں جاتا　اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا
لیجئے چُوم اُس کے دونوں ہاتھ　عِشق اور حُسن کو بنایا ساتھ
ہے اُسی سے چمن کا آب و رنگ　جس نے بلبل کو بھی دیا آہنگ
دل میں عاشق کے بھر دیا ہے درد　آہِ معشوق کو دیا دمِ سرد
عشق کا دل میں ہے اُسی کے درد　جس کا دل گرم اور دم ہے سرد
اسقدر ہے شراب عشق کی تیز　دیدۂ و دل کے جام لبریز
بحرِ الفت میں اسقدر ہوں غرق　کفر و دیں میں نہیں سمجھتا فرق

نورِ صبحِ بہار پر دیکھا سبزۂ نو عذار پر دیکھا

---

کروں پہلے حمدِ خداوندگار کیا جس نے عشقِ بتاں آشکار
کہیں عشق اور حسن پیدا کیا دلوں کو کہیں اُس نے شیدا کیا
ہر اک رنگ میں آپ ہو عیاں دکھاتا ہے کیا کیا وہ نیرنگیاں
کہیں نازنیں اور محبوب ہے کہیں عاشقِ زار مجذوب ہے
چمن میں کہیں سبزہ و گل ہوا کہیں وہ دل آشفتہ بلبل ہوا
محبت کی آڑ اُس نے لے لی کہیں بنا قیس وہ اور لیلی کہیں
کہیں دلرُبا شوخ شیریں رہا کہیں بن کے فرہاد غمگیں رہا
کہیں شمع ساں بزم میں آگیا جھلک نور کی اپنے دکھلا گیا
پھر آپھی وہاں جا کے مائل ہوا کہ پروانۂ سوختہ دل ہوا
غرض لے کے ماہی سے یاں تا بماہ اُسی کی محبت کی ہے جلوہ گاہ
جو چاہا کہ عشق اپنا ظاہر کرے دلوں پر خلائق کے باہر کرے
اُسی کے سبب سے ہوا عیاں ثُریا سے یاں لیکے تا لامکاں
زیادہ یہاں کھولئے کیونکہ لب سبب اس کا یہ ہے کہ جائے ادب
زباں نے مری زور پایا کہاں کرے جو کہ قدرت کا سارا بیاں

---

از گناہاں زیر نقصانیم ما لیکہ خود رابندہ ات دانیم ما
میں سراپا پُر تقصیر ہوں پُرگنہ ہوں اس لئے دلگیر ہوں
از گناہاں در پریشانی منم ہست اُمید از تو نادانی منم
تیری خدمت سے میں کب معزول ہوں چاہتا ہوں بندۂ مقبول ہوں
چاہیئے بخشے مجھے تو کبریا نطفۂ آدم سے ہوتی ہے خطا

رستہ کے باشد اسیر دامِ تو گر شور آزاد باشد رامِ تو
کیجیو مت آستاں سے اپنے دور مجھ کو رکھیو گمرہاں سے اپنے دور
در حمایت تست جملہ اولیا در کفالت تست جملہ انبیا
خالقِ آدم و میکائیل تو مبدعِ تو راۃ و ہو انجیل تو
سرِ اسرافیل و عزرائیل تو مالک ہابیل و ہم قابیل تو

---

ثنائے صانعِ بے چوں ہے بہتر کیا کاخِ فلک جس نے منوّر
بسانِ چار دیوارِ عناصر کیا اُس نے چراغِ جاں منوّر

---

## انتخابِ مثنویات[۱]

حمدِ خدائے پاک لکھوں میں وصف گُل ادراک لکھوں میں
سب میں شامل اور جُدا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے
رنگ اُس کا ہر گل میں پیدا جز میں ہے اور گُل میں پیدا
شعلہ میں اور طور میں وہ ہے ظلمت میں اور نور میں وہ ہے
گُل اور جُز میں شان وہی ہے سب قالب میں جان وہی ہے
مجھ سے کب ہو صفت خدا کی وہ نوری اور میں ہوں خاکی
ارض و سما اور مہر تامہ ہے وہ سب میں اللہ اللہ
دیدۂ غور سے جس جا دیکھا نہاں ہے سب میں سب میں پیدا
کعبے میں اُس کا چرچا بُت خانے میں اُس کی پُوجا
مُہرِ خموشی لب پہ بہتر عجز و ادب ہے سب پہ بہتر

---

## مذمّتِ میخواراں

یہاں ہے گرم دورِ جام گلگوں کیا صوفی کے دل کو جس نے پُرخوں
سحر اور شام ڈھلتی ہے برانڈی پڑی قدموں میں روتی ہے برانڈی
جلیسِ بزم مے ہے صاحبوں کی انیسِ جاں یہ شے ہے صاحبوں کی
خدا کا خوف نہ عیسےٰ کا ہے ڈر نہ ہے اندیشہ کچھ از روزِ محشر
اسی کی رات دن ہے یاں مدارات عداوت جی کو ہے ایمان کے سات
اسی بد کا پڑا ہے عکس کالا ہے جرمِ مہ میں اس نے داغ ڈالا
اسی کالی برانڈی کا نشاں ہے گھٹا نیلی بروے آسماں ہے
اسی کا چرخ پر سایہ پڑا ہے جو نیلا ابر آ سر پر کھڑا ہے

---

۱ صہ ۳۴۶، انتخابات، یورپین اوراِنڈو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ۔

بہت بارش کا باعث ہے سو کیا ہے  برانڈی میں یہ پانی چھانتا ہے
شفق سے کب ہوا چرخ کہن سُرخ  حرارت سے ہے مے کے اُس کا تن سُرخ
تلے اوپر کہاں ہیں آسماں سات  پھپھولے پر پھپھولے ہیں یہ ہیہات
تپش اسکی نہیں یہ بے سبب اب  خمارِ نشہ سے ہے مہر کو تپ
گلاسوں کی ہے یہ کثرت تواتر  ہجوم انجم کا ہو جوں آسماں پر
ہوئی ہے اس کی شدت اب یہاں تا  شرارت اُس کی پہونچی لامکاں تک
فلک جو شکل بوتل کی بنا ہے  بشکلِ جام گردش میں ہوا ہے
نہ کیوں ہو چرخ ہفتم پر زحل تنگ  سیہ اُس کا حرارت سے ہوا رنگ
سحر کو مہر جو گردوں پہ آیا  نشہ کا نام سُن کر تھرتھرایا
فلک پر رقص یہ زہرہ کوکب ہے  کہاں ہے ناچ یہ لرزہ کی تپ ہے
جو بوتل انجمن میں سرنگوں ہے  عطارد کا گلے پر اُس کے خوں ہے
فلک پر کب ہیں اختر جگمگاتے  لرزتے نشہ سے ہیں تھرتھراتے
ہوا ہے قہر یہ اللہ کیسا  چلا ہے دور مے کا آہ کیسا
نشہ میں کوئی اوندھا لوٹتا ہے  کسی کا پاجامہ پھٹ گیا ہے
نشہ میں جو کہ بیخود ہوگیا ہے  کفن میں جیسے مردہ سا پڑا ہے
دعا یہ ہے مری اب ربّ غفار  یہ ہو جاوے جہاں سے جلد فی النّار

---

## پسّو نامہ

اب تو پسّو بہت ستاتے ہیں  رات کا کاٹ کاٹ کھاتے ہیں
تن ددوڑوں سے پھل رہا ہے تمام  شب کو آتا نہیں ذرا آرام
سارے اعضا میں اُٹھتی ہے خارش  اور خارش میں قہر درد و تپش
تن کیا ہم نے سُرخ کھجلا کر  جم گیا خون جا بجا آکر

پسو دیتے ہیں اب بہت آزار سوتے ہیں چارپائی پر لاچار
خواب کیسے کہاں بعیش و نشاط ہر جگہ پسّوؤں کی ہے افراط
خالی اُن سے کوئی مکاں نہیں چین اب زیرِ آسمان نہیں
گہ تہِ پشت سُر سُراتے ہیں گاہ پہلو میں کاٹ کھاتے ہیں
تنگ ہے خلق پسّوؤں کے ہاتھ نیند آتی نہیں کسی کو رات
شیخ کو جانیوں نہ شب بیدار پسّوؤں کے سبب سے ہیں بیزار

---

## انتخاب مثنوی فارسی مسمّٰی ''ظفر الظفر''

(فتح نامہ انگریز)

بایں رزم نامہ چو پرداختم نخستیں ز میرٹھ بیاں ساختم
زخیلِ سیاہان بد کار خو زآقاے خود روسیہ رزم جو
بہر سوزویدن نظرد و خفتند تر و خشک ہیزم بہم سوختند
زہر سو سیاہاں ہمہ کینہ خواہ برفتند در عرصۂ رزم گاہ
زن و مرد ہم کمسن اطفال را بکشتند در جا و ہر جا بجا
نہ بیند کسے زندہ ناموس خود ہراساں شد از جانِ مایوس خود
سر پشتۂ مردگاں صد ہزار فتادند زاغ و زغن بے شمار

---

حکیم خردمند والا مقام کہ بٹسن ازاں ڈاکٹر بود نام
کہ از دستِ کو تہ زبانِ دراز ہمی داشت در صاحباں امتیاز
ہماں ڈاکٹر بٹسنِ ہوشمند زدستِ زمانہ کشیدہ گزند
بنا چاری از قدرتِ کردگار از خواب و خور ہم نمیداشت کار
ز دہلی بروں گشت آں دلفروز خدارا پرستش کناں چند

رسیده بہر چند پور پیادہ نہ عقبش کسے نے کسے پیشوا
بہ تن خرقۂ گیر دارنگ داشت ہر رنگ اورنگ نیرنگ داشت
کہ در گردنش سبحہ از چوب بود کہ رد راج آنرا بخوانند ہنود
زچوب سیہ سبحہ برسینہ بود کہ بالاے او در گلو تو نبہ بود
کدوے تہی مغز را تو نبا نام ہمی کرد با ہندواں رام رام
نمیداشت جز گرتہ دیگر لباس تنش بود عریاں خودش بیحواس

---

ہمہ روز با صاحباں آمدند رسیدند و از من اماں خواستند
کہ یک یک دراں صاحباں کجکلاہ گرامی تراز صد ہزاراں سپاہ
رسیدند برما کرم داشتند پریشاں دل و چشم نم داشتند
ہمی خواستم بے نیازی کنم بوا ماندگاں چارہ سازی کنم

---

دریں رزم باشند بسیار کس کہ از زندگی خود کشادند نفس
رعونت نبا شد دلِ پاک را بز یورچہ زینت تنِ خاک را
جہاں زیرِ فرمانِ او رام شد چو دل رام گردید آرام شد
جہانے چو از عدل آیا و شد بعہدش دلِ عالمے شاد شد

---

بیا شاقی از بخت بر گشتہ ام خراب و پریشان و سر گشتہ ام
کہ از تشنگی جان بیتاب شد مرا خواہشِ بادۂ ناب شد
بیا خضر ما شو تو ایں دم شتاب تواتر بدہ دوسہ جامِ شراب
شود خاطرِ غمزدہ را سُرور بلن از دلِ ما غم و رنج دُور
زسا ہمل شروع شد ستم پروری بہر سو شروع گشت غارتگری

روا کرد بیداد ہا بے حساب  که رفت از دلِ خلق آرام و خواب
رسد را نوودند غارت بہم  بشد رہرواں را اذیّت بہم
جہاں در جہاں گنج برداشته  ہنود و مسلماں دو سر داشته
سیاہاں پراگندہ از ہردرے  که ہمراہ ساحل شدند بے زرے
پئے غارت پر چند پور آمدند  بساہمل تلنگان باہم شدند
باغوائے افغان ہر چندپر  پئے غارت ما رسیدند شر
ہمہ آں و باقینِ آتش پرست  پئے سوختن وا و آتش بدست
ساہمل گرفته کساں را ازاں  رسیدند بر فرقِ ما ناگہاں
که در خواب بودیم من آں زماں  رسیدند تلنگانِ با گوجراں
ہمہ کس کرفتند اشیا و گنج  که در دستش افتاد بے دست رنج
رسیدند بر فرق ما بے دریغ  نہادند سنگین کشیدند تیغ
زن بختی بائی مرا بسته کرد  زچابک تنِ ہر دو را خسته کرد
ز شرم و حیا سرنگوں داشتم  که از گر یه حالِ زبوں داشتم
نه آمد کسے برسرم دوستدار  فلک کرد با حالِ ما چشم چار
که از چوب بشکست پشت و کمر  نه آمد سوے رحم بیداد گر
تن و جسمِ ماہر دوگشته فگار  رواں خوں ز تن اشک از دیده زار
ہمہ مال و اسباب را خواستند  کشیدند و بستند و برداشتند
گرفتند ہمہ زیور و سیم و زر  شدم بسته لب خامش و چشم تر

---

بیا اے بروج شرف آفتاب بدہ آں مۓ احمر لعل ناب
بیا اے دل افروز جاں تازہ کن جہاں را بہ نشہ پُر آوازہ کن
بیاساقی اے مایۂ انبساط جہاں را جمالِ تو باغِ نشاط
شدند از کمالِ شرف کامراں گرامی رفیقاں ہمہ افسراں
بہ لطفِ خداوندِ جاں آفریں بر آمد مُراد مُحبانِ دیں
تو بازیب ایں بزم را سازدہ بدستم عنانِ سخن بازدہ
کہ سازم من ایں داستان را تمام فرازیم سرور دل خاص و عام

---

فتح نامہ گفتم بہ لفظِ دری کشادیم بر خویش کسوت زری
فراسو دلم از سخن سیر نیست سخن ہا چو تیر ست شمشیر نیست
شد آرایشِ نظم ایں داستاں بہ سیر و تماشاے خورد و کلاں
دریں داستاں سفتہ شد گوہری پری پیکراں را شود زیوری
دریں قصہ نظمے بہ چستی گذشت کتاب سخن را درستی گذشت

---

## انتخابِ دیوانِ فارسی از فراسو صاحب[1]

برصفحۂ حمدت چوروان شد رقمِ ما حقا کہ یکے شدد و زبانِ قلم
در عالمِ حیرت چہ سرور ست فراسو چوں عمر شرارست و جود و عدم

---

دمے اے شعلہ خورحمے کہ در کوے تو افتادم برنگِ کاہ ہمراہِ صبا طے کردہ منزلہا
بہ ہنگامِ وصالِ دوست عمرِ خضر میخواہم بہ گویم تا بہ پیشِ شوق مجمل با مفصل ہا
در دلِ او اثر نہ کرد افسوس نیست در نالہ ام رسالیہا
ہاں منم دیوانہ ات برکن جدا سراز تنم کاکلت زنجیر ما و ابروت شمشیر ما
بر درِ میخانہ سر چوں برہمن سو دم بسے رامِ ما ہرگز نہ شد یار ب بُتِ بے پیر ما

---

چساں از قیدِ عشقت اے پری بیروں کشم پارا کہ دامِ طائرِ دل کردۂ زلفِ چلیپا را
مکش تیغِ جفا اے رشکِ گلشن بر سرِ عاشق چہ ساوی زیب دستارت گلِ آزردگی ہا را
عجب دریا دلی در شیشۂ خود ساقیا داری طلسم است ایں بہ کوزہ بند کردی موجِ دریا را

---

نیست خط بر عارضِ چوں ماہِ تابانِ شما سبزۂ سیراب می دارد گلستانِ شما

---

عاشق مفلس دلدادۂ بے سامانم بُرد شو خے زاکفم نقد شکیبائی را
مجبوریٔ عقلست گرفتاریٔ دنیا خود را نہ فروشی بہ خریداریٔ دنیا
تاکے بُرج آئینہ مشغول بمانی آرایشِ دنیاست زگل کاریٔ دنیا
دوش از بر ما رفت و بہ اغیار بہ آویخت آزردگیم گشت زغم خواریٔ دنیا
گشت خاکِ درت اورنگ جہانبانیٔ ما گشت نقشِ قدمت افسرِ سلطانیٔ ما

[1] صہ ۳۵۲، انتخابات، یورپین اوراینڈ ویورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ۔

مارا دلِ برشتہ ز عشقِ تو سبز بود  مزروعم از دمیدنِ ایں دانہ شد خراب
در وجد آمدند ز شوقم پری رُخاں  در بزمِ غیر نغمۂ مستانہ شد خراب
در عشقِ شمع روے تو پروانہ شد خراب  در گرد باد کوے تو دیوانہ شد خراب
آب و گلم نیامدہ در کار ہیچ خلق  سوراخ در سُبو شد و پیا نہ شد خراب
من شدم از وضع یاریہا حراب  سینہ ام از داغ داریہا خراب
چشم م را کرد زاریہا خراب  دل شد از شعلہ فشاریہا خراب

---

مثلِ آئینہ چشم وا دارم  چہ بلا درد انتظارے ہست
گشتہ ام مائلِ لبِ میگوں  مستی و شوق بادہ خوارے ہست
رتے شد بہ ہجر می نالم  نہ تسلّی نہ غمگسارے ہست
مہر و اخلاق تو اے یار وفا دار کجاست  مہر با نیست کجا شفقتِ بسیار کجاست
من چرا بندۂ حسنت نہ شوم جان جہاں  بہ جہاں چوں تو دگر شوخ طرحدار کجاست

---

دلِ داغدار خوب ترا ز لالہ زار ہست  از لالہ زار خوب دلِ داغدار ہست
نرگس کجاست آنکہ بہ صحنِ چمن شگفت  ایں چشمِ عاشق ست کہ در انتظار ہست

---

از جلوۂ تو حالِ فراموش شدہ دگر  برقے عجب بہ خرمنِ خار و خسک گذشت

---

زنداں رسیدہ را بہ تماشا چہ حاجت ست  شُد موسمِ بہار بہ غوغا چہ حاجت ست
باشد مرا خمار شکن چشمک پری  ما را بہ جام و شیشہ و صہبا چہ حاجت ست
منصور خواند رازِ اناالحق بروے خاک  در دلِ خیال غرِ معلاّ چہ حاجت ست

---

دردِن سینہ چو بشکست دشنہ ہاے دلم بر اے من ز ازل آمد ایں عذاب درست
زعمر رفتہ بسر شد اگر چہل سالم نماند یاد مرا چوں خیال و خواب درست
دلم شکست ز جورش مگر بہ کن ناصح ز مومیائیِ وصلش پئے صواب درست

---

از سرِ دنیائے دوں یکبار می باید گذشت از امیدِ وعدۂ دیدار می باید گذشت
بُرد چوں بادِ خزاں رنگِ طراوت از بہار ہمچو بوے گلِ ازیں گلزار می باید گذشت
گر فرآسو رشحۂ معنی چکد از شعر تو از بہارِ ابر گوہر بار می باید گذشت
فریبِ عاشقی خوردم فرآسو چرا ظاہر کنم رازم نہاں نیست
کجا خیزد صداے آشنائے کہ ایں جانم در اے کارواں نیست
چرا برمندِ جسم می نشانند مرا خوشتر ز کوے دوستاں نیست

---

نغمۂ شیریں ذہنم آرزوست بادِ بہارِ وطنم آرزوست
شورِ قیامت شود از گورِ من نشو و نماے کفنم آرزوست
دیدیم چہ خوش خواب کہ زاں چشم پر آبست سامانِ شراب است و کباب است و ربابست
گاہے نہ رسیدی بہ تماشاے طپیدن از آبِ دمِ تیغ ہمہ دم دمِ آبست
قتلم کردی مبارکت باد تیغِ جورت سرم بُرید است

---

من از غمِ روزگار رفتم ما را غمِ روزگار نہ گزاشت
آمد غمِ او بہ خلوتِ دل امید در انتظار نہ گزاشت
غرقست کسے ز لطفِ مرہم بر سینۂ داغدار نہ گزاشت
یارِ از بادہ بر افروختہ رخسار کجا ست تا ازاں بہرہ برم دولتِ بیدار کجا ست

---

با رب دلم و ونیم زتیغِ نگاہ کیست     چشمم کہ گریہ سیکند ایں و او خواہ کیست
دردِ ہجراں را و وائے دیگر است     نسخۂ دیگر شفائے دیگر است
در دلم آہِ سحر مثلِ صبا ست     در چمن زارم ہوئے دیگر است
بیوفا را باوفا لودن خوش است     دلرُبا را آشنا بودن خوش است
نامرادی میدہد ہردم مُراد     در جہاں بے التجا بودن خوش است
ہمچو سلطاں گرنداری تخت و تاج     با گدا بر بوریا بودن خوش است
طوقِ وفا در گلو آمدہ چوں فاختہ     کار من افتادہ است از قدِ دلجوے دوست
کعبہ و ہم بتکدہ کافر و دیندار     ہست چو قبلہ نما دیدۂ من سوے دوست
آبروے بسملاں گہ بسرِ خاک و خوں     گاہ سرِ کشتگاں برسرِ زانوے دوست

---

جان بلب آمدہ ایں خشکیٔ لب را چہ علاج     دیدہ چوں آئینہ داوند طلب را چہ علاج
غیر با یار خوش نے آید     پیشِ گل خار خوش نمے آید
در فراقِ تو جانِ من ما را     زیست ز نہار خوش نمے آید

---

غیر ہمراہِ یا می آید     ہم خزاں ہم بہار می آید
دلِ من ہمچو صید مضطرب است     شاید آں شہسوار می آید
می کنم رقص ہمچو دیوانہ     کاں پری در کنار می آید
گاہ گاہے چہ شود گر تو قدم رنجہ کنی     ہست از خانۂ تو خانۂ من گامے چند
ایکہ یک لحظہ ندارم بفراقِ تو قرار     عالم آخر چہ بود گر شود ایامے چند
مست و مدہوش مدام ست فراسو صاحب     ہست نو شیدہ ز میخانۂ تو جامے چند

---

خال ابرو چہ عجب ترک پسر ہا دارند بہرِ قتلِ دلِ من تیغ و سپر ہا دارند
ایں چنیں حسن و ادا ہا کہ تو داری باللہ نہ ملک ہا نہ پری ہا نہ ملک ہا دارند

---

بہ سیرِ گلشنِ فردوس ہم نہ گردد خوش ہر آں دمے کہ بہ ہجرِ تو خار خار بود
دمے بہ کلبۂ احزانِ من کرم فرما کہ مہر و لطف ز اطوارِ شہر یار بود
عزمِ گلستاں بُتِ من می کند رونقِ دیگر بہ چمن می کند
بہ جلوہ نازِ تو بزمِ چمن بر افروزد چراغِ چشمِ گُلِ یاسمن بر افروزد

---

چشمِ فتانِ تو صد فتنہ اگر انگیزد نیست عاشق کہ ز نظّارۂ تو پرہیزد

---

بغض از دل چو بدر رفت وفا پیدا شد زنگ از آئینہ کم گشت صفا پیدا شد
من ندانم پہ فسوں غیر بہ گوشش بدہید کز دلِ یار وفا رفت و جفا پیدا شد

---

مرا اندیشہ می آید رنجِ عاعدِ نازک بہ آزارِ دلِ مادر پئے آزادی می باشد
نماند چوں پریشانی دل و جانِ مرا بارے دلم آشفتہ تر از طُرّۂ طرّار می باشد

---

دولت آنست کہ او را نرسد بیم زوال عوضِ گنج مرا خلوتِ جاناں باید
نالہ ہا می کنم و گریہ بسے می آید چہ کنم در دلِ من یاد کسے می آید

---

بر درِ کعبہ و بُتِ خانہ مقید نہ شوم عشق ہر گز طلبِ سجہ و زُنّار نہ کرد

---

خلعتِ مہرت چہ بر قدِ دلِ ما خوشنماست   در رُخِ ماہر زماں موجود سیمائے دگر
صد اُمیدِ ما بدستِ نا اُمیدی شد اسیر   گریہ ام در آستین است از تمنائے دگر
آرزوئے صدر داری برروس افتادہ باش   میرسی از خاکساری ہا بہ بالائے دگر
عاشقاں را در قیامت بر جمالش کا نیست   دیدۂ عاشق نمی بیند تماشائے دگر

---

دلم کنی چو بُتِ سنگدل تو خانۂ خویش   کنم چو سنگِ حرم سنگ آستانۂ خویش
بگوشِ او برسد گر کلام رنگینم   میانِ باغ نہ بلبل کشد ترانۂ خویش

---

بجاں رسید و بجاناں نہ شد رسیدنِ دل   ہماں چکیدنِ اشک ست و ہم طپیدنِ دل
بہ پوش دیدۂ ظاہر نگر بحضرتِ عشق   کہ سجدہ ہست دراں جا بسر خمیدنِ دل
نہ جیبِ فکر سرِ خود بروں نمی آرد   بدید غنچہ مگر پیرہن دریدنِ دل
فراسو آہ بہ ہجرِ تو سوز ہا دارد   گہے جو شمع بیا بہر حال دیدنِ دل

---

مدام گرد بُتِ گلعذار می گردم   فتادہ ایم ولے سایہ دار می گردم
بہ بیں ہوائے سرِ من کہ گرد خانۂ دوست   چو گردر باد بصد اضطرار می گردم
دلِ چو پارۂ سیماب در بغل دارم   کہ اشک بار چو ابرِ بہاری می گردم
خریدارش شوم با صد دل و جاں   اگر او را سرِ بازار بینم
نہ برخیزم بہ محشر ہم فراسو   گر او را ہمرہِ اغیار بینم

---

ز فیضم گلستاں شدہ دشتہا   مژہ ہمچو ابرِ کرم داشتم
برفتم فراسو و گفتم دعا   سبک عزمِ ملکِ عدم داشتم

---

در محفلِ خویش بے تو ساقی از چشمِ پُر آب جام دارم
آزردہ مشو ز مستیم ہیچ در رستِ دگر زمام دارم

غائب مشو زچشمِ من اے نور دیدہ ام من بر بیاضِ دیدہ شبہیت کشیدہ ام
جانم بیا کہ جاں بلبم دل طپیدہ ام صد بار دیدہ ام و ہنوزت نہ دیدہ ام

کرو چوں مو مرا سید بختی کاکلش را بلائے خود دیدم

ز ناکامی نہ ریزم فاش اشک از غیرتِ دشمن لہاں در موے چشم خونفشانم ہست طوفانم
من آں رندم کہ در شورِ قیامت ہزاراں شور و غوغا میرسانم
چو گریاں دید ما را باغباں گفت کہ وودِ دل بہ گلہا میرسانم

برو آں شوخ ز جاں صبر و قرارم چہ کنم نکنم چوں دمِ نے نالۂ زارم چہ کنم
دیدۂ و داغ دل آشوب قیامت دارد در شبِ تار ستارہ نہ شمارم چہ کنم

---

نہ نمیم زعدم قصدِ رسیدن بوجود دیدہ بر بندم و از خوابِ گراں بر خیزم

---

ہیچ اسید شگفتن ز لبِ لعلش نیست صبح از صحنِ چمن چاک گریباں گزرم
سخت تنگ آمدم از قیدِ تعلق ایں جا شوم آزاد و ازیں بند شتاباں گزرم

---

منشاں زنگِ دوئی بر رُخِ آئینۂ دل باد رکعبہ نشیں یا سرِ بت خانہ نشیں
چوں گدایاں پئے نانے بگدائی مخرام ساغرِ مے خورد رندی کن و مستانہ نشیں

---

علاجِ سوختگاں کن زراے سوختگاں  که گفته اند شد آتش و واے سوختگاں
برنگِ شیشه مے آتش از بغل برخاست  به بزم باده کشاں گشت جاے سوختگاں
گہے بگریه و گاہے به خنده می سازم  خیالِ روے تو باشد ہو اے سوختگاں

---

ہر چه ساماں پیشِ خود داری بده دلدار را  در محبت بے سرو سامنا می باید شدن
بسته کن دل را بزلفِ کافرِ عاشق کشی  بند چوں در رشتهٔ ایماں می بایه شدن

---

ترا از عالمِ نور ستگی یادست اے ناداں  تو چوں بلبل شدی نالاں و عالم غنچه ساں خنداں

---

بسکه بدمست میم ہوش نمی دارم من  پند ناصح چه کند گوش نمی دارم من
تهِ تیغِ تو وا گزاشت نماز  ہر که از خونِ خویش کرد وضو
پرچهٔ دل بجاے نامه دہم  قاصدِ اشک می رود آنسُو
از سرِ عشق لاله رو نه گزشت  داغم از دستِ ایں دل بد خُو
دلِ خود کن فراسو صاحب صاف  جلوه آراست روے او ہر سُو
ہلالِ آسماں یکسو و ابروے صنم یکسو  چناں باشد که داسے یکسو و تیغِ دو دم یکسو

---

ہر دم از سینه کشم نالهٔ و آہے تازه  گر سوے غیر کند یار نگاہے تازه
بسکه خونناب جگر مردم چشم آرد  از نگاہے چو کند بر سرِ راہے تازه

---

شنیده ام ز لبِ بلبل ایں سخن تازہ  بہار تازہ و گل تازہ و چمن تازہ
ز فیضِ ابرِ بہاری شدہ چمن تازہ  نہالِ سر و سمن تازہ نسترن تازہ
ز حالِ زارِ غریباں کجا خبر داری  تراست انجمن افروز انجمن تازہ
کسے نہ گفت بہ یوسف ز گریۂ یعقوب  کہ برد باد بوے بوے پیرہن تازہ
بنال زود ولا نیست وقتِ خاموشی  کہ عندلیب بہ باغ است نوحہ زن تازہ
من از شاخِ نرگس گرفتیم خامہ  نویسم بہ برگِ گلِ شوق نامہ

---

دل و جانم ربودی زندہ باشی  مرا بے جاں نمودی زندہ باشی
اگر در غم شود ایں جملہ عالم  ہمیں گویم کہ تو فرخندہ باشی
مرا کے پنجۂ گُل می فریبد  تو بادستِ حنا پایندہ باشی
نقابے در کشیدی بر رُخِ خویش  بہ محفل شکلِ ما را دیدہ باشی
رُخِ خود را تو خود گرویدہ باشی  چو زلفِ خود بخود پیچیدہ باشی
بوصلتِ نیز شادی مرگ باشم  چرا بیجا زمن رنجیدہ باشی

---

خواہم کہ تو بسیار غزل خواں بدر آئی  از بزمِ سخنگو و سخنداں بدر آئی
تاصبح نہ برباد رود خاطرِ جمعت  در شام چو با زلفِ پریشاں بدر آئی

---

آویختہ ام شانہ صفت در موے گیسو  اندیشہ مرا نیست ازیں روز سیاہے
من قانع ام از رنگِ رُخِ کاہ رُبائے  از کس نہ گرفتیم بمنّت پر کاہے
ما را ز پریشانیٔ خود خاطر جمع است  ہرگز نہ کشم منتِ آں زلف سیاہے
بے لعلِ لبت غنچۂ دل وا نتواں شد  جاں راز پیامِ تو شود رشم و راہے
صد چشمِ عنایت ز تو داریم فراسو  نظارہ میسّر چو شود برسرِ راہے

## رُباعیات

اے آمدنت قرار و جانِ دلِ ما اے شمعِ رخت زیب دہِ محفلِ ما
یک تیغِ نگاہ تو تمنّا دارد مقتولِ تغافلت دلِ بسملِ ما

---

آں دلبرِ طنّاز بسنتی پوش است از دیدنِ او جان و دلم مدہوش است
برجانِ فراسو تو منہ تقوے را آں یار پریز او اگر مینوش است

---

در سایۂ چغد چوں ہُما پیدا نیست چوں دردِ دل مرا دوا پیدا نیست
بیگانہ فراسو زابنائے جہاں در صحبتِ آں یار و آشنا پیدا نیست

---

ہر صبح نو اے ارغنوں می آید ہر شام شراب لالہ گوں می آید
ہر وقت دگر حال فراسو بینی ہر چیز کہ از خاک بروں می آید

---

ایں خمکدہ را حالِ دگر می بینم از جیب سروکارِ دگر می بینم
فارغ نشود بہ توبہ ہرگز ز گناہ عذرِ گنہ از گنہ بتر می بینم

---

زاہد کہ بظاہر است عابد دلخواہ از مکرو فریب است بباطن گمراہ
بر فعلِ بدش چناں چنیں باید گفت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

---

ا؎ صہ۳۶۲-۳۶۱، انتخابات، یورپین اوراینگلو یورپین شعرائے اُردو وفارسی از رام بابو سکسینہ۔

# اشعارِ قصّہ عشق افزاء

## نظمِ توحید

اگر حمدِ ایزد نہ کیجے رقم زبانِ قلم یک قلم ہو قلم
وہی حمد کا دل سزاوار ہے زباں کو ہی دی جس نے گفتار ہے
اُسی نے بنایا ہے ارض و سما یہ جس میں دوعالم رہا ہے سما
اُسی سے منوّر ہے ماہِ سپہر دلِ مہر میں ہے اُسی کی ہی مہر
رُخِ گُل پہ اُس سے ہے رنگِ بہار چمن میں ہے ہر سرو آزاد وار
کیا اُس نے باغِ جہاں زر سے پُر کہ ہیں مشتِ غنچہ میں شبنم کی دُر
عطا اس نے نرگس کو کی چشمِ دید سُجھایا اُسے سب قریب و بعید
نہ غنچوں کو بس رز کا طرّہ دیا گُلِ طرّہ کو بھی تو طرّہ دیا
کوئی اُس کی بخشش سے کب تنگ ہے کہ خواہان اورنگ اورنگ ہے
نہ ہو ابرِ رحمت سے اُس کی تپاک تو صد برگ کا ہو جگر چاک چاک
اُسی کی محبت کے ہیں چار داغ کہ لالہ کے دل کے ہیں چشم و چراغ
نہ سوسن سے ہو حمد اُس کا بیاں کہ ہے بے زباں وہ بھی با صد زباں
ہر اک شاخِ گل کو ہے اُس کی ہی لے زبس دستِ زاہد کی مانند ہے
یہ بلبل کو بھی عشق کا ہے مزا کہ کھاتی ہے گل شوقِ گل میں سدا
فقط سرد کو ہی نہیں شوق ذوق گلے میں قمری کی الفت کا طوق
اُسی نے کیا عشق کا جاں گسار اُسی نے کیا حسن کو طرح دار
دیا قیس کو اُس نے درد و تعب محبت کی لیلیٰ نین نے پی عجب
نہ کچھ کوہ کن ہی دیوانہ ہوا کہ شیریں کا شیریں فسانہ ہوا
کیا عشق رانجھے نے جب ہیر کا ہوا جو کہ لکھا تھا تقدیر کا

وہی دل فگاروں کا دلسوز ہے بتوں کا وہی محفل افروز ہے
دیا شمع کو سوز جب عشق کا کیا جی پتنگے کا اُس پر فدا
رگِ گل بھی شبنم کے دانہ پرُو جپے تیرے [ہی] نام کی سجہ کو
کیا تاجور تو نے تاجِ فروس علم سرو اور صورت قمری ہی کوس
سمجھ اے صبا اُس نے کیا ری کیا لقب بلبلوں کا ہزاری کیا
غرض رنگ ہے یا کہ نیرنگ ہے سبھی اُس کی قدرت کا یہ رنگ ہے
کلی ہے کہ گل ہے وہ یا خار ہے کرم اُس کا سب کا ہوادار ہے
بہار اُس کے الطاف کے ہے قریب خزاں اُس پہ پھرتی ہے مثلِ رقیب
غرض باغِ قدرت کا رنگِ بہار کیا دل پذیر اس قدر اُس نے یار
تو کی نخلبند اس نے نبیوں کی ذات کہ فیض ان کا ہے مثلِ آبِ حیات
خصوصاً ہمارے نبیؐ کریم بروحِ جناب الرحیم

## نظم در نعت

ہر قدم اب راہِ حق میں خوب ہے حشر کو بخشش اگر مطلوب ہے
گرچہ بھیجے ہیں بہت حق نے رسول جان و دل سے سب کئے ہم نے قبول
لیک بھیجا حضرتِ عیسیٰ کو جب ہوگیا روشن جہان تاریک سب
بے پدر پیدا ہوا وہ ماہ ہے بے شک اس کی ذات روح اللہ ہے
ہو گیا ظاہر جہاں کی جان وہ دونو عالم کا ہوا سلطان وہ
جس نے کہہ کے قم باذن اللہ یار گور سے مردہ اُٹھائے لاکھ بار
اُس کی جو امت میں ہے بے باک ہے سب گناہوں سے جہاں کے پاک ہے
ہے وہ ایسا پیشوائے مرسلاں بندہ پرور رہنمائے گمرہاں
عالمِ تحت السریٰ سے تا بہ عرش زیرِ پا اس کے ہے پا انداز فرش
سب لئے سارے جھودوں کے ستم پر رہِ حق میں رہے ثابت قدم

ذات اُس کی بے تعین نور ہے اس کی مرضی حق کو بھی منظور ہے
کافروں کے ہاتھ سے ہو دل فگار گو کیا ہے چرخ چارم [رہ] گزار
لیک زندہ ہے برنگِ ذاتِ حق جس طرح روشن ہو خورشیدِ شفق
حضرتِ عیسیٰ خدا کی ذات ہے ورد نام اس کا مجھے دن رات ہے
مادر ان کی حضرتِ مریم ہے جو وصف مخدومی کا ان کی کس سے ہو
اس طرح کی ہیں وہ مقبولِ خدا فخرِ نسواں مقتدیوں کی مقتدا
کیوں نہ ہو وہ بحرِ عصمت پاک تر جس کے ہووے شکم میں ایسا گہر

## نظم در صفتِ شاہِ لندن

زسیہ دارِ عالم بہ دورِ جہاں فلک جس کے ایوان کا سائباں
معلےٰ جناب و مقدس خطاب جہانگیر چوں پنجۂ آفتاب
وہی منبع فیض و انصاف و داد بر آئی ہیں اس سے دلوں کی مراد
جہاں عہد میں اس کے مسرور ہے سدا عیش و عشرت سے معمور ہے
یہ آنکھوں میں رکھتا ہے ہستی کی مے کہ دیکھے سے ہو مست ہر ایک شے
سخاوت اگر اس کی کیجے بیان نکل جائے حسرت سے حاتم کی جان
جو کھولے وہ دستِ سخاوت آب تو ہو زر فشاں پنجۂ آفتاب
غضب کی طرف آئے گر اس کا دھیان تو تیغ اس کی بولے کہ من گل رخان
ولے چشمۂ فیض ہے اس کی ذات کہ بہتا ہے ہر طرف آبِ حیات

## سخن نظم در توحید وحمد ربانی بکلامِ ہندی اردوئے معلّےٰ

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ اسیرِ دامِ کثرت ہوں میں ہر راہ
جہاں آئینہ آسا پر صفا ہے ترے ہی عکس سے جلوہ نما ہے
جہاں کا ہے برنگِ گلستاں ڈھنگ بہارِ فیض سے تیرے ہی ہر رنگ
غرض ماہی سے دیکھا ہم نے تا ماہ ترے ہی نور کا جھمکا ہے اللہ
ترے ہی مہر سے ماہِ دل افروز نمایاں زلف و رخ سے ہے شب و روز
بہ حرفِ کاف و نون اے ربّ غفّار عدم سے ہی ہوئی ہستی نمودار
عدم کو تو نے دے کے بخت مندی عیاں کی ہے یہ پستی و بلندی
کیا ہے خلق کو تو نے ہی مخلوق بنے ہیں تجھ سے ہی عاشق و معشوق
محبت کی تجھی سے دل میں ہے راہ تو ہی دے چشم و دل کو گریہ و آہ
کبھی یوسف کو اوجِ جاہ دیوے کبھی قعرِ حفیضِ چاہ دیوے
کبھی آوارہ رکھے چوں صبا تو کبھی جیوں کوہ رکھے ہے بجا تو
کرے اوراقِ گل جیوں غنچہ درہم کبھی جیوں گنجفہ کر دیوے برہم
کبھی تو مثلِ گل خندان رکھے کبھی شبنم نمط گریان رکھے
کبھی طالب، بناوے گاہ مطلوب کبھی غالب تو رکھے گاہ مغلوب
کبھی موہوم ہو ور گاہ معلوم کبھی مفہوم ہو اور گاہ معدوم
تری قدرت کی ہیں یہ سب کرامات تری ہی لاشریک اے میرے رب ذات
دو عالم کا ترے ہے ہاتھ میں کار جو کچھ چاہے کرے ہے تو ہے مختار
ترے ہی ہاتھ ہے نبضِ دو عالم کہ صحت ہے تری حکمت سے ہمدم
جسے تو چاہے مارے اور جلاوے جدا چاہے کرے چاہے ملاوے
کرم سب پر ہے تیرا مہر فرما جو کچھ کرتا ہے تو ہے وہ ہی اچھا
جو منہ میں سو زباں ہوں غنچہ آثار فراموش سے نہ ہو توحید اظہار

زباں پر اس قدر جو گفتگو ہے  تری دل میں ہمیشہ جستجو ہے
الٰہی میں ہوں لبریزِ گناہاں  ولیکن ہوں تری بخشش پہ نازاں
معاف اپنی سبھی جرم و خطا ہو  جو تیری بندگی یکدم ادا ہو
کٹی لہو و لعب میں زندگانی  ولے کچھ یاد تیری کر نجانی
رہی جرم و گنہ کی بس کہ عادت  نہ ہرگز ہو سکی ہم سے عبادت
نبھا دے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست  نہ چھوڑے دستگیری جو ترے دست
گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ  رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ
رہے گی چشم تر تا حشر روتی  خجالت کے سدا موتی پروتی
گناہوں سے نہایت ہوں میں دل ریش  مثل ہے کردہ خویش آمدہ پیش
کٹی غفلت میں میری زندگانی  نجانی قدر اپنی پر نجانی
کر اپنا فضل اب مجھ پر عنایت  سجھا دے تو مجھے راہِ ہدایت
تو اپنی طرف سے کر اب نوازش  کروں تیرے سوا اب کس سے سازش
تو ہے جمعیت افزائے دل و جاں  توانائی وہی آشفتہ حالاں
اگر میں ہوں رہِ بغض و حسد پر  نظر مت کر مرے اعمالِ بد پر
تو ہی تو چارۂ بے چارگاں ہے  توانائی وہی بر ناتواں ہے
جو مجھ میں خوش پسندی ہے نہایت  نیاز و عاجزی کر تو عنایت

## در صفتِ عشق

رکھ اپنے عشق میں مجھ کو ہمیشہ  مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ
ترا ہی عشق ہر دم رہ نموں ہو  مرا دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو
مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے  شرابِ عشق سے مستانہ کردے
دل آوارہ میرا سر تا بہ پا ہو  کہ جس کو دیکھ شرمندہ صبا ہو
یہ دے سینہ میں میرے سوزشِ دل  کہ میں تڑپا کروں جیوں مرغِ بسمل

تو دے صد داغِ الفت میرے دل کو تو کر گلریز میرے آب و گِل کو
جگر کو میرے کر زخمی سراسر کہ ہوں مشہور مجنوں کے برابر
شرابِ عشق سے کر سخت مدہوش کہ وحشت کا اُٹھے دل میں مرے جوش
کروں عشقِ مجازی کو فراموش یہ دل میں ذوق معنیٰ کا اُٹھے جوش
کہ تیرے عشق کی ہو مجھ کو مستی بھلاؤں دل سے میں صورت پرستی
ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی تو دنیا سے مجھے ہو بے نیازی
مجھے کر رازِ عشق اپنے سے آگاہ دکھا دل کو مرے تحقیق کی راہ
فراموش ہے تری الفت کا طالب کہ تیری ذات ہے ہر شے پہ غالب

## در مرتبۂ عشق و محبت

مجھے دے ساقیا جامِ رحیقی بھری ہو جس سے صہبائے حقیقی
کہ جس سے دل ہو مثلِ گل درخشاں رہے تا حشر بعد از مرگ خنداں
رہی مستی ہے دائم مجھ پہ عاشق مئے توحید ہو دل کے موافق
پلا ساقی جو بادہ لالہ گوں ہو کہ اس سے چشمِ تر جوں جامِ خوں ہو
زبس مستانگی کا دل میں ہو جوش سنے سے جس کی عالم کا اُڑے ہوش
گریباں سے ہو الفت چاک کو بھی صبا ہمدم رکھے اس خاک کو بھی
گلو گیری کرے آ مستیٔ عشق نہ ہووے مرگ تک وارستیٔ عشق
رکھے آنکھوں سے میرے اشک سازش جگر پر ہووے داغوں کی نوازش
رہی نالوں کو لب سے راشناسی کریں دل کی نہ آہیں ناسپاسی
رہی جیوں ابر میری چشمِ نمناک بدن برقِ محبت کا ہو خاشاک
فغاں چھٹ کچھ نہ لب پر گفتگو ہو ہمارا زعفرانی رنگ رو ہو
نہ ہو مرہم سے اچھا داغ دل کا شگفتہ ہی رہے یہ باغ دل کا
سدا ہو چشم اور حیرت میں نسبت مجھے بس دیکھ رہنے کو ہو فرصت

ہمیشہ ضعف پاوے دل پہ قدرت      عطا ہو ناتوانی جائے طاقت

سدا ہو بے کسی ہمراہ میری      سناوے دل کو ہر دم چاہ تیری

بیاباں میں کروں آشفتہ حالی      کروں چشموں کے چشمے رو کے خالی

کرے سارا جہاں مجھکوں ملامت      نہ آوے عشق بازی سے ندامت

رہے سر پہ مرے سودا کا سایہ      جنوں ہر دم رہے دل میں سمایہ

کدھر ہے ساقیٔ گل رو ادھر آ      پیوں کب تک میں خونِ دل کو بتلا

کہ مجھ کو عشق کی کرنی ثنا ہے      بجز عشق اور اس عالم میں کیا ہے

تری ہے عشق سب نیرنگ سازی      ترا ہے کھیل مثلِ حبہ بازی

تو ہی بخشے ہے عاشق کو رخِ زرد      دلوں میں بھی اُٹھاتا ہے تو ہی درد

رکھیں ہیں ربط تجھ سے کبر و دین دار      ترے رشتہ میں ہیں تسبیح و زنار

لبِ بلبل پہ کیا نوحہ گری ہے      لباسِ قمریاں خاکستری ہے

لہر سے تیری دریا جوش میں ہے      صدا جس کی موحّش گوش میں ہے

غمِ مجنوں میں ہے یاں تک تو بیمار      دلِ صحرا سدا رہتا ہے پُر خار

تجھی سے سینہ اک عالم کا ہے چاک      تجھی سے دل ہزاروں کا ہے نمناک

تو ہی ہر وجہ ہے جانِ تمنا      تجھی پر غش ہے اعلیٰ اور ادنیٰ

لیا مجنوں نے صحرا میں بسیرا      کیا فرہاد نیں کوہوں میں ڈیرہ

سدا لیلیٰ کے دل کوں بستگی ہے      عجب شیریں کی جاں کوں خستگی ہے

لگن میں ہے ترے کیا شمع بیتاب      جگر پروانہ کا ہے بحرِ خوناب

تجھی سے عاشقوں کا ہے بد احوال      ستانا دل جلوں کا ہے تری چال

سدا کام آپ کا بدنامیاں ہے      تمہاری ریجھ بس ناکامیاں ہیں

تجھی سے ہیں پراگندہ یہ سب لوگ      ترے ہی ہاتھ ہے جس تس کا سنجوگ

سبھوں کو دے ہے تو زلفوں کا سودا      کیا ہے تو نے اک عالم کو رسوا

تری امداد سے جیتے ہیں عاشق لہو اپنا سدا پیتے ہیں عاشق
سدا ہے زخمِ دل تیرا نمک خوار رہے ہے روز شب مرہم سے بیزار
تجھی سے ہے یہ حسن و عشق کا ربط کہ ہو سکتا نہیں اس کا کبھی ضبط
پلا ساقی ذرا اب بادۂ شوق سیہ مستی کا ہے دل کو مرے ذوق
مجھے کر مست ساقی جلد مے لا خدا کے واسطہ دل کر نہ میلا
کہاں تک کوئی خون دل کو پیوے کوئی لختِ جگر پر کیونکہ جیوے
کھلا اب چاہتا ہے عشق کا راز کہ پردے میں بھلا کب تک بجے ساز
نہ کیوں ہر لحظہ میرا دل کراہے کہ آنکھوں میں ہی جی نکلا ہے جائے
ہوا ہوں میں زمانہ سے جدا تنگ کہ ہوں سارے قبیلے کا میں اب ننگ
کہ ہے خوں دونوں آنکھوں سے چکیدہ سدا ہے آہ بھی بر لب رسیدہ
جگر پانی ہوا ہے درد و غم سے یہ دم بھی اب جدا ہوتا ہے دم سے
زباں پر عشق کی جو گفتگو ہے سخن کہنے کی مجھ کو آرزو ہے

## در صفتِ سخن

الٰہی دے سخن میں میرے تاثیر کہ ہوں جیوں قند شیریں میری تقدیر
سخن میں نالۂ بلبل کا ہو ڈھنگ کہ مثلِ گل ہو اس پر آب اور رنگ
کلی آسا زباں ہے پُر دہاں ہو بسانِ شمع تن واقف زباں ہو
دہن جیوں سیپ میرا پُر گہر ہو سخن مانندِ گوہر جلوہ گر ہو
برنگِ گل سخن کو رنگ و بُو دے معانی کو بھی یارب آبرو دے
دُرِ معنیٰ سے کر لبریز سینہ نہیں بہتر جو سادہ ہو سفینہ
الٰہی نکتہ داں کر یہ مرا دل سخن ہو گرم میرا شمع محفل
معانی میرے دل سے ہم قریں کر سخن کو میرے جادہ آفریں کر
مرا دل خوش کلامی سے ہو گلزار معانی کا ہو مجھ پر کشف اسرار

معنبر کر قلم آسا زباں کو کہے نافہ جہاں میرے دہاں کو
کرے پروازِ اوج اب طائرِ ذکر فلک تک پہنچے آوازِ لبِ فکر
نسیمِ فیض سے ہو وا عقدہ گرہ دل کی کھلے مانندِ غنچہ
درِ فیض اپنا کر دے باز دل پر کہ روشن ہو چراغِ راز دل پر
منور ہو سخن سے سینۂ دل مصفّا ہو مرا آئینۂ دل
مرے شعروں کو یارب نغز کر دے معانی سے انہیں پُر مغز کر دے
سخن کے باغ کو دے آب اور رنگ فراسو کو کہانی کا ہے آہنگ
کہانی کی کرے تاثیر موزوں کہ جس سے سننے والے کا ہو دل خوں
کہے بلبل نمط رنگیں حکایت اُکھاڑے اک نیا کنجِ محبت
نئی بات اور نیا طرزِ بیاں ہو نیا رازِ دلِ عاشق عیاں ہو

جہاں جرم سے گو ہے ہر سر بسر تو بخشش پر اس کی ہے سب کی نظر

## درصفت شہر دہلی

شہر دہلی یوں ہے ہندوستان میں جیسے ہو رنگیں چمن بستان میں
اس کا اس رونق پہ ہر بازار ہے جیوں نمود اک تختۂ گلزار ہے
بیچ میں بازار کے اک نہر ہے آبِ کوثر کی سی جس میں لہر ہے
یوں کناروں پر شجر ہیں سایہ دار جن کے اوپر کیجے طوبیٰ کو نثار
مالنیں سب ان درختوں کے تلے بیٹھی ہیں پھولوں کے ہاروں کو لئے
کوئی کہتی ہے گندھے کیا ہار ہیں موتیا کے پھول خوشبو دار ہیں
کوئی کہتی ہے ہتھیلی پر دکھا لو یہ طرّہ موگرے کے پھول کا
کوئی کہتی ہے یہ بڑی خوب ہے ڈُلرا اور چنپا کلی محبوب ہے

ہنس کے جیوں گل چُہل کرتے ہیں سبھی　　تا کسی دل کو نہ ہووے بے کلی

جوہری بازار پر کیا نور ہے　　ہر دکاں مانندِ کوہِ طور ہے

جوہری بیٹھے ہیں دوکاں پر مدام　　پرکھیں ہیں انسان کے جوہر تمام

زیب تن کر کے مکلّف سب لباس　　بیٹھے رہتے ہیں خوشی سے پاس پاس

جیغہ ہائے بے بہار سر پر دھرے　　لعل اور الماس ہیں جن پر جڑے

چمکے یوں بازو پہ ان کے نو رتن　　ابر میں جیوں چمکے سورج کی کرن

بیٹھے دوکانوں پہ انساں نوجواں　　سب کو دکھلاتے ہیں حسن و ناز واں

سے کسی کا نام ہیرا لعل واں　　کوئی چُنّی لعل ہے ان میں میاں

جا بجا بیٹھے ہوئے صرّاف ہیں　　وہ بھی اپنے کام میں حرّاف ہیں

ایک جانب اشرفی کا ڈھیر ہے　　جس کے دیکھے سے طبیعت سیر ہے

اور روپوں کا اک طرف انبار ہے　　جس کا جلوہ گرمیٔ بازار ہے

پیسے کو دلی کے نہیں ہر گز کمی　　اپنے گھر کنگال بھی واں ہے غنی

اور بزازوں کا کروں میں کیا بیاں　　بسکہ دوکانوں پہ ہے جلوہ کناں

طاش و کم خواب و تمامی بادلا　　لاہے شبنم ململ اور پھولیا

## اہلِ خرقہ شعر

سب دوکانوں پر دھرا ہے جا بجا  صحنِ دوکاں ہو رہا ہے جگ مگا
چاندنی چوک اُس کے ہے درمیان میں  خوب ہے اپنی اداؤ آن میں
ہووے ہے وقتِ سہ پہری جس گھڑی  آ کے ہوتی ہے وہاں خلقت کھڑی
اُس جگہ جو ہے پراچہ کی دوکاں  بیچتے ہیں ٹوپیاں اور دولمیاں
وہ پڑے بٹوا تمامی طاش کے  ہاتھ میں دلبر کے ہوویں کاش کے
اور کوئی بیٹھا کہیں حسبِ صلاح  بیچتا ہے رکھ کے دوکاں پر سلاح
بیٹھے ہیں ہر جا بساطی با نشاط  کہتے ہیں اپنی بھی ہو کچھ [تو] بساط
بیٹھے رہتے ہیں جدھر چینی فروش  چین کے بازار کا رہتا ہے جوش
ہے کہیں پکتا کباب اور شیرمال  جس سے دل مے نوش کا ہووے بحال
اور برقعہ آتیاں مغلانیاں  تا کہیں جاویں نہ وہ پہچانیاں
کرتیاں انگیاں کشیدہ کی دکھا  لیتے ہیں ہر ایک کے دل کو لگا
سقّے کہتے ہیں کٹوروں کو بجا  ٹھنڈا پانی ہے پیو دریاؤ کا
خوانچہ والے پھریں ہیں سو بسو  اپنی اپنی وضع کی کر گفتگو
کوئی کہتا ہے کہ خاصہ سیب ہیں  حادثہ سے غم کے بے آسیب ہیں
کوئی بیچے فالسہ اور رنترے  ہے کھڑا کوئی کسے کوئی لگے
کوئی میٹھے بیچتا ہے راہ راہ  کوئی کم رکھتا ہے ان باتوں کی چاہ
کیا شریفہ خوب اور انگور ہیں  شربت شیریں سے سب معمور ہیں
ناسپاتی ہے بہی ہے اور انار  عام ہے جامن کے اوپر بھی بہار
اک طرف کیلے اکیلے ہیں دھرے  ایکسو آڑو چنگیری میں پڑے
ہے غرض بازار پہ یہ آب و رنگ  دیکھ کے جس کو چمن ہو جائے دنگ

اک طرف مسجد بھی عالی شان ہے جس پر چرخِ عنبریں قربان ہے
جامع مسجد ہے اُس مسجد کا نام ہے بزرگی عرش کی اس پر تمام
سرخ پتھر کا ہے سب اس میں بناؤ جس پہ ہے تحریر موسیٰ کا لگاؤ
صحن میں ہے یوں مصلّوں کا فروش جیسے خط کش ہوں سلیمانی نقوش
خوشنما ہیں اس قدر مینار چار کہکشاں جیوں چرخ پر پیدا ہوا
سیر کو کوئی اگر ان پر چڑھے عالمِ بالا سے وہ باتیں کرے
جو کوئی جا اس میں پڑھتا ہے نماز سرخرو رکھتا ہے ان کو کارساز
ہر درِ مسجد ہے محرابِ قبول ہے سند اس بات پر امرِ رسول
بیچ میں مسجد کے ہے اک حوضِ آب ہے مصفا و معطر از گلاب
جو اُٹھاتا ہے وہاں دستِ دعا آرزو بر لائے ہے اس کی خدا
اک طرف مسجد کے ہے پاکیزہ جا جس میں ہے موئے شریفِ انبیاء
گر گنہ سے پُر ہو کوئی بال بال صدق سے جا کر کریں واں عرضِ حال
پھر نہ رہویں ایک مو اس کے گناہ سرخرو ہوویں وہیں روئے سیاہ
اس قدر لاکھوں زیارت ہیں وہاں مجرم اس جا جائے بخشا بے گماں

ہے لبِ دری اوپر جو لال قلعہ ہے کلاں با حشمت و اجلال قلعہ
دیکھ لیویں اُس کی گر شان و شکوہ جائیں دب اُس کی بلندی دیکھ کوہ
سیر کیجے گر لبِ دریا پہ جا قدرتِ حق کا ہو دل پہ بھید وا
جو بنا دریا کا رنگیں گھاٹ ہے روضۂ جنت سے وہ کب گھاٹ ہے
غسل کو آتی ہیں واں کھترانیاں کھول کھول انگیا وہ کچھ دکھلاتیاں
جب نہاتی ہیں وہ پانی میں اُتر دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے قمر
الغرض جو سیر کو جاتا ہے وہاں واں سے آتا ہے وہ ہو کر نیم جاں
اب کہاں تک شہر کی کیجے ثناء ہے مرقع وہ مگر تصویر کا
جو حویلی اس میں ہے سو خوب ہے طرح اُس کی دل کو حد مرغوب ہے
دل کو لگتی ہیں نہایت پیاریاں جالیاں مرمری اور گُل کاریاں
روز جن گلیوں میں کرتے سیر ہم تھیں وہ گلیاں غیرتِ باغِ ارم
ہر طرف رہتے ہیں ان میں ماہ وش چھب کو جن کے دیکھ دل کھا جائے غش
حسن پر اپنے ہر اک مغرور ہے ہے پری کوئی تو کوئی حور ہے
کوئی کوچہ میں کھڑی ہے درد مند جھانک کر کھڑکی کوئی کرتی ہے بند
کوئی کھولے بال کوٹھے پر کھڑی چاکِ در سے کوئی جھانکے ہے پڑی
کوئی بالیں کے تئیں دکھلائے ہے جس پہ ہالہ مہ کا صدقے جائے ہے
سینکڑوں بانکے پھریں ہیں خانہ جنگ وضع جن کی دیکھ کر رستم ہو دنگ
ہر طرح کی خلق کا ہے اژدھام خوبیاں عالم کی ہیں اس جا تمام

بیاں ملک اس کے کا کیجے کہاں تک جہاں زیرِ نگیں تھا اُس کے بے شک
پر از لعل و گہر لاکھوں میں اشتر ہزاروں فیل پر گنجینۂ زر
نہایت صاحبِ داد و عدالت کنیز اس کی سخاوت اور شجاعت
غضب سے اس کے رستم مضمحل ہو کرم سے روح حاتم کی خجل ہو
جسے چاہے اُسے دے ملک اور مال جسے چاہے کرے اک دم میں پامال
سبب اُس کے سے سب عالم تھا آباد دلِ ادنیٰ و اعلیٰ تھا نپٹ شاد

خدائی اس کو عطا کی تھی عفو کی کزلک کہ حرف جرم کو لوحِ جہاں سے کر تا حک
زمین پر ہی نہ نورِ کرشمہ کی تھی جھلک کہ نیچے اس کے قدم کے تھا بامِ ہفت فلک
دلِ جہاں کو شگفتہ کریں برنگِ گل وہ اُن کی لطف کی نظریں بہار کی چشمک
کرے جو وردِ زباں اس کے اسمِ اعظم کو نہ پہنچے اُس کو زمانے کے حادثہ کی دھمک
وہ لات مارتا یکدست مہر کے منہ پر نظر کسی کو جو آتی سحر کو اس کی کفک
جو نارِ عشق الٰہی کسی کی بجھنے لگے توجہات کے دامن سے دیتا آپ چھپک
اسی کے مہر سے ہے مہر کی بھی گرم نگاہ جوان و پیر سے دنیا میں لے کے تا بالک
نشانِ فیض کرامت سے اُس کے ظاہر ہے کہ پائے بوسے کی حور و ملک کو ہے چشمک
اگر جہاں کو مئے شوقِ حق پلا دیتا پھر اس کو ہوتی افاقت نہ روزِ حشر تلک

## نظم

زبس سینہ تھا اس کا علم کا گنج سخن کا قدر داں تھا اور سخن سنج
بیاں کیا کیجے اس کی حسنِ خوبی کرے مہر جس کی خاکروبی
چمن ہو منفعل از رنگِ رخسار خجل ہو کبک از اندازِ رفتار
جو یوسف دیکھ لے دیدار اس کا تو جان و دل سے ہو بیمار اس کا
الٰہی تا جہاں باشد با اقبال جواں بخت و جواں دولت جواں سال

## نظم

برس باراں کی اس کی عمر تھی پر وہ دانائی میں تھا پیروں سے بہتر
غرض ہر فن میں تھا وہ کاملِ وقت شفیقِ خلق تھا اور قابلِ وقت
خلیق و مہرباں فیاض و غمخوار وزارت کا غرض دانائے اَسرار
سخن سنج و سخندان و سخن گو زہے فضل و خوشا بذل و عطا جو
کریم الطبع اور اخلاق خو تھا قمر طالع تا اور خورشید رو تھا

۳۵

## نظم

رشکِ فردوس باغ کی تھی بہار تھی وہ رنگیں کیاریاں گلزار
عشق پیچا کہیں کہیں گیندا موتیا کے تھے پھول گوہر دار
موگرا تھا کہیں چنبیلی کہیں تھا برازا۔ کہیں برنگ ہر آر
کہیں سوسن و سیوتی تھے کھلے کہیں کلغہ کا پھول کلغی دار
تھیں مدن بان کی تو باڑ ہی اور طرح کے مثل طرہ تھے آثار
کیوڑا کیتکی اور گلِ سبو گلِ اورنگ اور رنگ فشار
رائی بیل اور بیلا البیلا گلِ مہدی برنگ دست نگار
جعفری اشرفی و نیلوفری جس کے دیکھے کنول کھلے اک بار
چاندنی جائے جوئے روز کھلی گلِ خورشید تھا دوپہریا۔ وار
تھے گلاب اور لالہ نافرمان پہنے بابو نہ بھی تھا ہار سنگھار
کیوں نہ نرگس تکے بہ رنگِ دگر تھی قبا کیا چمن کی بوئی دار
یاد میں گل کے بلبلِ بے کل کیوں نا نالہ کرے ہزار ہزار

## نظم

یک بیک کافر صنف ایسا اُسے آیا نظر / تھا بجا جو نور کا شعلہ اُسے کہیے اگر
تھا قیامت قد کہ جس کا عالم بالا یہ شور / تھا پری مکھڑا کہ جس کو دیکھ چھپ جائے قمر
بال وہ دامِ بلا پھنس جائے گر اُس میں غریب / پھر نہ چھوٹے آہ وہ جی دینے کے چھوٹے مگر
جب سے اُس کے اَبرو و مژگان کا شہرہ اُڑا / چھوڑ بیٹھے باندھنا سب میرزا تیغ و تبر
چشم میں وہ غمزہ وہ انداز وہ جادہ وہ سحر / ہوگئیں غارت صفیں دیکھا جدھر تک آنکھ بھر
لب کا وہ عالم کہ یاقوت اُس کے آگے رشک کھائے / دیکھ کر دندان ڈوبے بحرِ خجلت میں گہر
زلف وہ ناگن کہ جس نے وِس کے من مارے ہزار / گوش وہ نادر کہ جس پہ منفعل گل سر بسر
کیا نزاکت کیا صفائی جس میں کر گزرے خیال / لیجئے بوسہ تو جھٹ پڑ جائے سرخی گال پر
چاہِ غبغب وہ کہ جس میں غرق ہوں لاکھوں ہیں دل / وہ گلو شرمندہ جس سے مطلعٔ خاک سحر
ہوگیا دل پر یقیں جس دم کہ جوں بھر کے نگاہ / کاش کہ اُترے ہے اس جا فوج تنبو تان کر
پیر وہ شفاف تھے گویا دریائے حُسن / ناف اُس کی بیچ میں یوں جیسے پڑتا ہے بھنور
اے فرانسو ہائے وہ کافر جو دیکھے یک بہ یک / تیر اس کے عشق کا دل سے گیا میرے گزر

## نظم

سراپا کا کروں کیا اُس کے اوصاف　　کہ تھی جوں لعبتِ چیں وہ پری صاف
قد و قامت کروں اُس کا بیاں کیا　　قیامت کا سا ٹکڑا وہ عیاں تھا
وہ اس کے بال تھے جنجال دل کے　　وبالِ جان تھے اور جال دل کے
شکن کاکل کی اُس کے تھی بلا دام　　خجل ہو جس سے روزِ ہجر کی شام
تن سودائی ہو جیو بال باریک　　جو دیکھے زلف کی وہ رات تاریک
جبیں اُس کی تھی مثلِ ماہِ تاباں　　کہ جس پر مہر سے ہو مہر قرباں
اگر چیں بر جبیں ہو وہ پریزاد　　تو ہو خوبانِ چیں پر سخت بے داد
ہلے ابرو وہ اُس کے کرکے جب ناز　　کرے عالم وہاں سجدوں کا پھر ساز
جدھر اس کی چمک ابرو کی جاوے　　مہِ نو دیکھتے ہی سر جھکاوے
یہ آنکھوں میں بھرے ہے اس کی مستی　　سیہ مستاں کرے جیوں مے پرستی
سیاہی اور سرخی انکھڑیوں کی　　بعینہٖ عزتِ شام و شفق تھی
لکھوں کیا اُس کی میں پلکوں کی تفسیر　　کہ تھے وہ ایک ہی ترکش کے سب تیر
لبِ سرخ اس کے وہ گلبرگ تر تھے　　خجل دانتوں سے بھی سلک گہر تھے
کریں مردہ کو لب زندہ دوبارا　　خضر کیوں نا کرے اُس سے کنارا
خجل ہنسنے سے اُس کے برق ہووے　　اگر رک جائے وہ تو ابرو رووے
دہن اُس کا نہ کچھ غنچہ سے کم تھا　　سخن واں رہرِو ملکِ عدم تھا
غرض اب کیا کہوں اُس کی لطافت　　بھبوکا برق تھی شعلہ تھی آفت

## غزل

زہے از عکس روئش جلوہ گر آئنہ دلہا　　زہے حسنت ز خوبی ملاحت شور محفلہا

دمِ اے شعلہ خو رحم کہ در کوئے تو افتادم　　برنگِ کاہ ہمراہِ صبا طے کردہ منزلہا

بہ بحرِ غم افتادم بر آں کشتیِ مے ساقی　　بہ مستی یا بوسم موج ساں لب ہائے ساحلہا

دو چار از دلبرِ رعنایم اے قیس چرانم　　زعکسِ لیلیٰ ام خالِ ببیں مرأۃِ محملہا

بہ ہنگامِ وصالِ دوست عمرِ خضر می خواہم　　بگویم تا بہ بینش شوق مجملہا مفصلہا

بہ رخسارِ آں بتِ شیریں دہن خوشحال با دارد　　برنگِ آں کہ در مصری بہ چسپانند فلفلہا

ہنر ہای نمائد شانہ در زلفِ پری رویاں　　کہ از دست قلم وا می کند صد عقدِ مشکلہا

دمِ سرد از دلِ زارم بر آید دم بدم ساقی　　چو باشد یار گرمِ صحبتِ ارباب محفلہا

## غزل

دیکھ دنیا میں تری جلوہ گری کا عالم　　جا چھپا قاف کے پردے میں پری کا عالم

دیدۂ مہر کو بھی لگے چک چوندی　　سر پہ دیکھ آپ کے تعویذِ زری کا عالم

تیرے ابرو میں بعینہٖ ہیں کماں کے سب ڈھنگ　　اور مژہ میں ہے ترے صاف سری کا عالم

اس گھڑی میری زباں بہکے تو رکھنا معذور　　عالم تشنہ ہے اور بے خبری کا عالم

رکھو یکدست غنی دل کو فراسو صاحب　　اب تو آتا ہے نظر سیم بری کا عالم

## رباعی

مجھکوں ہی کیا بے سروسامان نیا　　یہ سوانگ کیا زلفِ پریشان نیا

عالم کی ڈبوئی ہے غرض تو نے جان　　آنکھوں نے اٹھایا ہے یہ طوفان نیا

## نظم

گل کی ہوس نہیں ہے نہ گلزار کی ہوس　ہم کو تو ہے ترے گلِ رخسار کی ہوس
ہے ہم کو تیرے جلوۂ دیدار کی ہوس　ذرہ کو جیسے مہرِ پُرانوار کی ہوس
اُس گل بدن کے کوچہ میں رہنا اگر ملے　کافر ہو جس کو پھر ہو گلزار کی ہوس
وے آگ ہے فراسو دلِ زار کو مرے　کیا عشق کو ہے گرمئ بازار کی ہوس

تمہیں مغروری اپنی آن پر ہے　قیامت بس ہماری جان پر ہے
ہمیں بالا بتاوے کیوں نہ اُس دم　یہ بالا جو تمہارے کان پر ہے
کروں کیا آئنہ رو تم سے اظہار　جو کچھ آفت دلِ حیران پر ہے
فقط کیا مہر کے ہی دل میں ہے مہر　فدا مہ بھی تمہاری شان پر ہے
فراسو کو بھلا کل کیوں کے آوے　تمہاری چلبلاہٹ دہان پر ہے

## غزل

شب خواب مجھے لوگو کیا خوب نظر آیا　لگتے ہی پلک کہ پس محبوب نظر آیا
دیکھا تو بہت چہرہ مغموم پریشاں ہے　اور دل بھی طرف غم کے مرغوب نظر آیا
اور جی کے بھی کچھ اوپر بے چینی [سی] ظاہر ہے　اور حال بھی کچھ طرزِ مجذوب نظر آیا
تاثیر محبت نیں کی ایسی مرے دل میں　تن خشک مرا غم سے جیوں چوب نظر آیا
خوش ہو کے فراسو سے ہرگز نہ ملا کافر　ان باتوں سے وہ ہمکوں معیوب نظر آیا

## غزل

یہ جس کے غم میں دل اندوہگیں ہے　پری ہے حور ہے اور نازنیں ہے
ظہور اس دلربا کا ہر کہیں ہے　وہی ہر دم ہمارے دلنشیں ہے
میں روتا اس لئے ہوں چپکا چپکا　جسے چاہوں ہوں وہ پردہ نشیں ہے
وہ ہر دم سامنے آنکھوں کے ہے پر　دل اپنا ہجر میں اندوہگیں ہے

ہمارے دل کی مت پوچھو عزیزو　جہاں ہے وہ صنم بس دل وہیں ہے
مجھے راتوں کوں گنواتا ہے تارے　جو میرا دل ربا ہے مہ جبیں ہے
ترے ہی حال و رخ کا ہے دیوانہ　فراسو وہ کہ اتنا نکتہ چیں ہے

## غزل

بیمارِ عشق کا نہ کسی سے ہوا علاج　جو دکھ کہ لاعلاج ہو اُس کا ہو کیا علاج
باتیں بناؤ مت مری بالیں پہ بیٹھ کر　ہرگز نہ ہوگا تم سے طبیبوں مرا علاج
دل میں مرے تو درد فراقِ صنم سے ہے　اُس کا نہ ہو کسی سے بغیر از خدا علاج
دستِ شفا مگر مرے قاتل کی تیغ تھی　جس نے مری کشاکشِ دم کا کیا علاج
جوہر نہ تھی نمود وہ دیکھا جو غور سے　لکھا ہوا تھا تیغ کے اوپر مرا علاج
واللہ اضطرابی دل کا تو ہجر میں　ہے مثلِ شمع سوزش و گریہ سدا علاج
بے طرح تھی طپش مرے دل میں فراسو اب　اُس دلربا کی چھاتی سے لگ کر کیا علاج

## غزل

ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے　خدا ہی جانے مجھکوں کیا ہوا ہے
کبھی جو زخمِ دل اچھا ہوا ہے　تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے
سیہ بختی نہ پوچھو میرے دل کی　تمہاری زلف کا سودا ہوا ہے
خدایا کس طرح گزرے گی اوقات　وہ کافر برسرِ ایذا ہوا ہے
کہیں ہو نوح کا طوفان برپا　کہ دریا عشق کا اُمڈا ہوا ہے
ہمارے دل کا اے سروِ خراماں　بلائے جاں قد و بالا ہوا ہے
وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فراسو　ہمارا جنسِ دل پرچہ ہوا ہے

## اشعارِ فارسی

دردِ ہجراں را دوائی دیگر است نسخہ ہا دیگر شفائی دیگر است
در دلش آہِ سحر مثلِ صبا است در چمن زارش ہوائے دیگر است

## غزل

ہے یہ بھی ہجر کے تپ دشوار کا علاج جز وصلِ یار کیا ہو اس آزار کا علاج
عیسیٰ سے ہو سکا نہ دل آزار کا علاج تم بن ہو کس سے عشق کے بیمار کا علاج
ہم خواب آگے یار ہو سو تو کہاں نصیب ہے لا علاج دیدۂ بیدار کا علاج
ہوتی ہے سینکنے سے نہ تخفیفِ دردِ غم ہے سوزِ عشق سینۂ افگار کا علاج
سینے سے آبلہ کے نہ کیوں دل کو ہو ضرر رکھتا نہیں ہے سود کچھ عطار کا علاج
ناسور کی طرح سے بھی ہیں سیہ رات دن کیا کیجے آہ دیدۂ خونبار کا علاج
شبنم جو زخمِ گل پہ چھڑکتی ہے تو نمک کیا عشق کے یہی ہے دل افگار کا علاج
جتنی دوائیاں ہیں فراسو ہیں سب مضر ہے دیدِ یار کا طالبِ دیدار کا علاج

## غزلِ فارسی

بشد در شیشۂ دل جلوہ فرما روئے جانانم بکن اے زاہدِ خلوت نشیں سیرِ پرستانم
اسیرِ دامِ آں شہرِ غزالاں ہستم اے ناصح نہ من فرہادِ کوہستاں نہ مجنونِ بیابانم
نہالِ بوستانِ من دگر گل کردہ اے بلبل چوشد آلودہ از خونِ دلِ من شاخِ مژگانم
فقط انجامِ مے پُرخوں گئی آوردِ چشمِ نم کبابِ بہرِ من کرد است بریاں جانِ بریانم
بغیر از روئے تو پیشِ فراسو کس نمی آید اگر بینم ترا بینم اگر دانم ترا دانم

ناصح مری حالت سے تب تجھکو خبر ہووے کوچہ میں اگر اس کے جب تیرا گزر ہووے

## غزل

دل میں میرے سما رہا ہے عشق　　داغ سے دل کھلا رہا ہے عشق
اُس کے غم میں رُلا رہا ہے عشق　　زور طوفاں اُٹھا رہا ہے عشق
موسمِ گل خزاں ہوا ظالم　　اب مرے دل میں کیا رہا ہے عشق
یاد تیری ہی رات دن ہے مجھے　　دین و دنیا بھلا رہا ہے عشق
ملکِ دل سے کیا ہے صبر نے کوچ　　اب تو اس جا یہ آ رہا ہے عشق
از غمِ شعلہ رو فراسو کے　　آگ دل میں لگا رہا ہے عشق

یہ نقشہ کس کا خوش آیا دلِ دل گیر کیا باعث　　ہوا ہے کس لئے تو غم کی یوں تصویر کیا باعث
گریباں چاک ہو تم کیوں اجی اب سچ کہو ہم سے　　جنوں کے کیوں ہوئے ہیں آپ دامن گیر کیا باعث
تڑپتا ہے جو بسمل کی طرح سینہ میں دل تیرا　　ہوا کس صید افگن کا ہے یہ نخچیر کیا باعث
ہماری آہ بھالے مارتی ہے عرش پر جا کر　　تمہارے دل میں کیوں کرتی نہیں تاثیر کیا باعث
فراسو دل میں ہے ایک اور پیغام بر بھیجوں　　انہوں نے کس لئے آنے میں کی تاخیر کیا باعث

## غزل

مشتاق ہوں مدت سے دیدارِ پری تن کا　　اس نام پہ پھیروں ہوں منکا میں سدا من کا
حُسن اس بتِ کافر کا اک برق کا شعلہ ہے　　اللہ ہی حافظ ہے دل کے مرے خرمن کا
دل میں یہی میرے اس بن کہ جو بن آوے　　مجنوں کی طرح میں بھی اب قصد کروں بَن کا
دل میرا ہے چور ایسا شمشیر سے دوری کے　　جیسے کوئی زخمی ہو بھاری سے کسی رَن کا
اس کے غمِ ہجراں کی افزونی نے یہ کچھ تو　　احوال کیا میرا ہے جان و دل و تن کا
روتا ہوں پڑا اس کی فرقت میں فراسو اب　　اشکوں کی جھڑی ہے یہ یا مینہ ہے ساون کا

## غزل

سہوں کب تک یہ ہجراں کی تباہی    ملا دل بر کوں میرے یا الٰہی
قلم بھی حال پر روتی ہے میرے    یہ آنسو ہیں نہ سمجھو تم سیاہی
کہوں کیا آہ اپنا جوشِ مستی    پھروں بے ہرزہ اور بکتا ہوں واہی
رہوں کیوں کر نہ میں حیرت زدہ سا    چھبے ہے دل میں اس کی خوش نگاہی
تری دوری میں تجھ کوں یاد کر کے    رکھوں ہر دل کو خوش خواہی نخواہی
نہیں تم بن مجھے اک لحظہ آرام    یہ میرے اشک دیتے ہیں گواہی
طرح مجنوں کی مجھ کو اب فراسوؔ    ملی ملکِ جنوں کی بادشاہی

## غزل

کہیو قاصد یوں اسے اب تیرے بن آرام ہے    شب کو اس کو نیند ہے دن کو نہ کچھ آرام ہے
گلبدن کے ہجر میں نے چین نے آرام ہے    یاں تلک گل کھائے ہم نے سب بدن گلفام ہے
یہ ہمارا حال تیرے بن بُتِ گلفام ہے    ہوش ہے نے چین ہے نہ صبر نہ آرام ہے

## رباعی

تڑپوں ہوں نیم بسمل بے حال کی مثال    ہر ایک دن ہے ہجر کا صد سال کی مثال
کھائے ہیں جو فراسو نے تیرِ ستم ترے    سینہ تمام اس کا ہے غربال کی مثال

## غزل

مرا قاصد شتاب آوے نہ آوے    خدا جانے جواب آوے نہ آوے
گیا ہے کوچۂ قاتل میں پھر کر    دلِ پُر اضطراب آوے نہ آوے
کیا ہو دشت کو آباد جس نے    وہ گھر خانہ خراب آوے نہ آوے
عذاب اس واسطہ ہے میرے دل پر    وہ بر راہِ صواب آوے نہ آوے
کروں آنکھوں سے دید اس کا فراسوؔ    دلے ڈر ہے کہ خواب آوے نہ آوے

## غزل

دنیا میں کوئی چیز نہیں جان سے عزیز　　پر ہمکوں جان بھی نہیں جانان سے عزیز
رکھتا ہوں اس لئے میں اُسے جان سے عزیز　　ہے عشق کو یہ لختِ جگر پان سے عزیز
کس طرح دل میں تا صبح دانا اسے نہ دوں　　مجھکوں نہیں ہے یہ اس بُتِ نادان سے عزیز
رہتا ہے اس میں پردہ نشیں کا بندھا خیال　　ہے راہ دل کا چشم کے دالان سے عزیز
کرتا ہے تار تار جو تو اے جنوں اسے　　کیا دشمنی ہے میرے گریبان سے عزیز
حاضر ہے خونِ دل جو پیئے غم ترا کہ ہاں　　جی بھی نہیں ہے ایسے تو مہمان سے عزیز
اے شیخ دین دور ہو بک بک عبث نہ کر　　عشق بتاں ہے مجھکوں تو مہمان سے عزیز

## غزل

منزلِ عشق یہ غافل ہے بہت دور دراز　　پاؤں اس راہ میں مت کر دلِ مغرور دراز
کب وہ ہو سکتی ہے آہِ دلِ رنجور دراز　　جس کو لب تک ہے پہنچنا سفر دو، دراز
مار ہی ڈالے گا ہے دل تجھے وہ مارِ سیاہ　　اس کے کاکل پہ نہ کر ہاتھ یہ مقدور دراز
سرکشی شعلہ نمط عالمِ خاکی میں نہ کر　　ہے سلیماں سے بیاں رتبۂ ہر مور دراز
حالِ دل اس کو فراسو میں سناؤں کیوں کر　　رات تو تھوڑی سی ہے اور ہے مذکور دراز

تم کو تو اس طرف ہم کرتے ہیں رو کے رخصت　　جاتا ہے جی ہمارا اس طرف ہو کے رخصت
تو مانگتا ہے رخصت یاں اشک بھر رہے ہیں　　ہووے گا گھر کسی کا ظالم تو کھو کے رخصت
میں نے کہا فراسو جانے نہ دوں گا تجھ کو　　اے میری جان ہو تو جی میرا کھو کے رخصت

## غزل

سفر کو ماہ روکے ہے شتابی
نہ کیوں کر دل کو ہو اب اضطرابی
بیاں اس کا نہیں ہوتا عزیزو
غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی
تمہاری زلف میں جب سے پھنسا ہے
ہمارے دل کو ہے حد پیچ و تابی
کرے ہے نرگس و شہلا کو حیران
تمہاری چشمِ مستِ نیم خوابی
نہ ہو جو مبتلائے عشق کوئی
کہ یہ پیشہ ہے عالم میں عذابی
فراؔسو کس طرح سمجھایئے اب
کہ ہے یہ غصۂ غم بے حسابی

## غزل

برق وش بن یہ ہے عشاق کو غم آپس میں
ابرساں روتے ہیں مل مل کے بہم آپس میں
گل کا دل چاک ہے اور گریہ کناں ہے بلبل
رکھتے ہیں عاشق و معشوق اَلم آپس میں
اے صبا پیرہنِ نیلی سوسن کو دیکھ
نرگسوں کے نہ فقط سر ہیں قلم آپس میں
جس کا دم بھرتے تھے افسوس وہ ہم دم نہ رہا
دوستداروں کے رکے آتے ہیں دم آپس میں
سال و مہ ماہ جبیں بن ہے جہاں میں اندھیر
درد دو چند ہے آرام ہے کم آپس میں
حیف وہ چشمۂ خوبی نہ رہا پیشِ نظر
اس لئے روتی ہیں خوں دیدۂ نم آپس میں
صید کہتے ہیں یہ سر جوڑ کے اے صید فگن
شہر عالی سے بس اب کیجئے رم آپس میں
سینہ از بسکہ مشبک ہے خدنگِ غم سے
ہو جی آباد بہ صحرائے عدم آپس میں
چشم پُر آب ہیں یہ دلبرِ میخوار بغیر
جامِ فغفور اب اور ساغرِ جم آپس میں
چرخ کس واسطہ رکھتا ہے کجی تو ہم سے
راستی ہے کہ نہیں خوب ستم آپس میں
نہیں فریاد ہی اے دوست خیالِ سر کچھ
زانو پیٹے ہیں سدا دے کے وہ سم آپس میں
نخلِ گل کیسے جھکے پھول کی سب شاخیں ہیں
گردنیں بار سے غم کے ہیں یہ خم آپس میں
ہائے دنیا سے گیا کون سگھڑ جو اک بار
زیریں بے طرح مچاتی ہیں یہ بم آپس میں

یاں تلک کسرتِ افسوس ہوئی عالم کو ہاتھ لوگوں کے سدا رہتے ہیں تھم آپس میں
اب فراؔسو و نصؔیر اور فراؔق و دلسوؔز مرثیہ رو رو سدا کہتے ہیں ہم آپس میں

## غزل

دیوانگی کی اپنی تدبیر ہے اور میں ہوں اب زلف پری رو کی زنجیر ہے اور میں ہوں
دوری میں مرے دل پر گزرے ہے سو کیا کہیے ہر دم ترے ملنے کی تقدیر ہے اور میں ہوں
ہر رات یہی نقشہ ہے دھیان ترا اور میں ہر روز یہی صورت تصویر ہے اور میں ہوں

## غزل

دیا تمکوں دل ہم نے جانی عبث یہ کی رائگاں نوجوانی عبث
خفا مجھ سے رہتا ہے جانی عبث جہاں میں ہے اب زندگانی عبث
نہ تم سے ملے تا دمِ مرگ ہم کٹی ہجر میں زندگانی عبث
کہیں وصل کی ہم تو کہتے ہیں وہ یہ بات اپنے دل میں [ہے] ٹھانی عبث
نہ ہاتھ آئے گا رونے دھونے سے کچھ یہ سیل اشک کی ہے بہانی عبث
نہیں قطرۂ خوں بھی دل میں مرے یہ کی عشق کی میہمانی عبث
دمِ واپسیں کیوں تم آئے کہ اب کرم ہے عبث مہربانی عبث
مری گور پر آئے تم بعدِ مرگ یہ عاشق کی کی قدردانی عبث
میں کہنے لگا اپنا احوالِ دل تو بولے کہ ہے یہ کہانی عبث
فراؔسو کوئی روز کی زیست پر جہاں میں ہے یہ شادمانی عبث

## غزل

جھومتے تھے شجر وہاں جو سبز | دل بھی دیکھے سے جن کے ہو سرسبز
ایسی رنگت کا تھا گل و صحرا | جائے دیکھے سے جس کے دل لہرا
کہیں نرگس کہیں چنبیلی تھی | موتیا آپ ہی نویلی تھی
کہیں سوسن کہیں کھلے تھے گلاب | جائے جوئے پری دہاں ہر باب
گل اورنگ اور رنگ میں تھا | لیک صد برگ سے وہ جنگ میں تھا
وہاں داؤدیوں کی اور ہے آن | وہاں کے لالہ بھی سارے نافرمان
کہیں تھا موگرا کہیں بیلا | اور کہیں کیوڑا تھا البیلا
زادہ اب اس کا کیا کروں میں بیاں | رشک جنت تھا وہ غرض بستان

## غزل

مجنوں کی طرح مجھ کو دیا دیس نکالا | اے عشق بتانِ سلمہ اللہ تعالیٰ
ابرو نہ ہو کیوں تیغ مژہ کیوں نہ ہو بھالا | اب تو بُتِ ناداں نے مرے ہوش سنبھالا
گل کی طرح کیوں کر نہ کروں چاک گریباں | دل پر مرے دوری کا تری داغ ہے لالا
کس رنگ بچے یار یہ صید دلِ عشق | ابرو تو تری تیغ ہے مژگاں تری بھالا
جیوں برق چمکتا ہے پڑا اے مہِ عالم | بالا ہے ترے کان کا ہالہ سے نرالا
کھائے ہیں ترے داغ یہاں تک بُتِ گلرو | از بسکہ شگفتہ مری تربت پہ ہے لالا
نت آہ و فغاں گریہ و زاری ہے مرے ساتھ | رکھتا ہوں سدا ساتھ یہ اپنے میں رسالا
ارمان رہا اس کے ہی ملنے کا فراسو | اس نے نہ کہا ہائے کبھی اس کو بلالا

## غزل

کرتا ہوں گریہ اس بن جو کام ہے تو یہ ہے
آغاز دوستی کا انجام ہے تو یہ ہے

در پر ترے پڑے ہم جیوں نقش پا رہے ہیں
فرقت زدوں کو تیرے آرام ہے تو یہ ہے

پُر خوں ہے دل فراؔسو پُر آب چشم تر ہے
شیشہ ہے یاں تو یہ ہے اور جام ہے تو یہ ہے

طپش ہے درد ہے گریہ ہے وزاری ہے اور میں ہوں
تری فرقت میں ظالم اس قدر خواری ہے اور میں ہوں

## غزل

اگر دل کو مرے ڈھونڈے کوئی کر چاک سینے میں
تو پاوے دل کی جا کے اخگرِ آتشناک سینہ میں

کھلا جو گل ہے ہر داغ دل صد چاک سینہ میں
نہال رکھے ہے گلشن عاشقِ غمناک سینہ میں

کسی کاکل کا شیدا ہے دلِ غمناک سینہ میں نہیں
کہ مثلِ شانہ رہتا یہ سدا صد چاک سینہ میں

نہیں رنگِ کدورت سے ملوّث دوستو ہرگز
برنگِ آئنہ ہے دل ہمارا پاک سینہ میں

خیال اس کا نہیں آتا ہے جس دم خانۂ دل میں
رہے ہے دیدۂ پُر آبلہ نمناک سینہ میں

خدنگ آہِ عاشق کس طرح سے کارگر ہووے
بجائے دل ہے پتھر تیرے اے بیباک سینہ میں

اسے مت جانیو تو مہر اب اے مہرباں ہرگز
رکھے ہے داغ تیرے عشق کا افلاک سینہ میں

سبوئے آب لے لے اے فراؔسو اشک پہنچے ہیں
یہ بھڑکاتی ہے شعلہ آہِ آتشناک سینہ میں

اتنا تو جا کہے کوئی اس خود پسند کو
ناحق ستایئے نہ کسی درد مند کو

## غزل

انتظاری نہیں سونے دیتی بے قراری نہیں سونے دیتی
دردِ فرقت سے مجھے ساری رات آہ و زاری نہیں سونے دیتی
دردِ پہلو سے رہوں ہوں بے کل دلفگاری نہیں سونے دیتی
پانی چھڑکے ہو سدا منہ پہ مرے اشکباری نہیں سونے دیتی
مجھکو اس مہ کی فراسو صاحب دوستداری نہیں سونے دیتی

## غزل

باغ میں بیٹھے تھے مل مل کبھی مُل بر سرِ گل یا جدائی میں ہم اب کھاتے ہیں گل بر سرِ گل
آج کس نے ہے پیا ساغرِ مُل برسرِ گل کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گل بر سرِ گل
تیغِ ابرو سے تری جو نہیں زخمی پیارے بلبلیں کرتی ہیں کس واسطہ غل بر سرِ گل
غنچۂ گل سے نہ بولے کوئی ہرگز بلبل غنچۂ لب تیرے جو لب جائیں یہ کھل بر سرِ گل
وہ فراسو ابھی گلشن میں کرے چاک جگر کھول دیں ہم یہ اگر ہاتھ کے گل بر سرِ گل

## غزل

بہ شدت ہے اب بے قراری ہمیں ستانے لگی تیری یاری ہمیں
ترے ہجر میں حیف جیتے رہے رہی عمر بھر شرمساری ہمیں
رہی جیوں ستارہ کھلے شب کو چشم قیامت رہی انتظاری ہمیں
زبس ہجر گل رو میں شبنم نمط رہی ساری شب اشکباری ہمیں
فراسو وفا ترک کیونکر کروں لگے ہے ادا اس کی پیاری ہمیں

## غزل

الٰہی یہ دنیا سے اُڑ جائے عشق نہ ہووے کسی دل کو سودائے عشق
برا حال ہے شوخ ترسا بغیر کسی کو یہاں تک نہ ترسائے عشق

## غزل

غمِ جدائی سے یاں تک تو ناتوانی ہے حباب کا بھی جگر دیکھ جس کو پانی ہے
ہمارے دیدۂ ترپر نہ اس قدر تو ہنس یہ تیرے ہجر کی اے مہرباں نشانی ہے
تری جدائی میں کیا درد و غم کہوں اپنا کہ صاف مرگ ہے اور نام زندگانی ہے

## غزل

ہمارے دیدۂ تر اشک برساتے تو کیا ہوتا سما کے دل میں نالہ بھی سما جاتے تو کیا ہوتا
ہمارے گھر کسی دن رات کو آتے تو کیا ہوتا اسی جا صبح تک آرام فرماتے تو کیا ہوتا
مجھے بیٹھے بٹھائے آپ نے یہ غم دیا ناحق خفا ہو پاس سے میرے نہ اُٹھ جاتے تو کیا ہوتا
تمہارے ہجر میں جینے سے اپنے تنگ آئے ہیں نہ میرے جی کو تم اس طرح ترساتے تو کیا ہوتا
ہمارے گھر کیا تم نے گزر ہرگز نہ اک دم بھی بھلا اس غم سے ہم جیسے گزر جاتے تو کیا ہوتا
عبث رسوا ہوئے عالم میں کرکے آہ وزاری ہم فراسو اپنے دل کو آپ سمجھاتے تو کیا ہوتا

## غزل

کیا ہے جب سے مجھے اس نے مبتلائے فراق　برنگِ نے مرے لب پہ ہے ہائے ہائے فراق
ہماری جان اب آنکھوں میں آکے ٹھہری ہے　خدا ہی جانے کہ اب آگے کیا دکھائے فراق
نہیں قرار کسی طرح سے مرے دل کوں　جو مرگ ہو تو ہے بہتر مجھے بجائے فراق
ہماری آنکھوں سے تھمتا نہیں ہے اک دم اشک　یہ متصل ہے کہ طوفان کچھ اُٹھائے فراق
ہمیشہ وصل سے ہو یست گرمیِ عاشق　خدا کرے کہ کسی کو نہ منہ دکھائے فراق
برنگِ گل کے گریبان چاک ہے اپنا　مگر ہے بادِ خزاں سے بہم ہوائے فراق
غم و الم نہیں سہہ سکتا یہ دلِ کم بخت　ہمیں تو وصل ہی بہتر ہے اب بجائے فراق
نہ دن کو چین ہے مجھکو نہ رات کو ہے نیند　تمہارے درد و الم سے بہت اُٹھائے فراق
نہیں ہے وصل تو قسمت میں خوب سمجھے تم　کیا ہے خلق میں پیدا ہمیں برائے فراق
ازل سے ہم تو گرفتار دامِ ہجراں ہیں　نظر نہ آیا ہمیں یاں تو کچھ سوائے فراق
ہمارے وہ دلِ مضطر سے بسکہ غافل ہے　جو جان جائے ہے تو بھی نہ جان جائے فراق
کیا ہے جیسا فراسو کو ناتواں ایسے　نہ ایسا دکھ تو کسی کو بھی اب دکھائے فراق

## غزل

تیرے بن چین مجھے یار نہیں ہونے کا　نہیں ہونے کا یہ زنہار نہیں ہونے کا
شوق سے جور و ستم کیجے فراسو پر آپ　اس کا دل آپ سے بیزار نہیں ہونے کا

## غزل

شجر اس باغ کے ہر جا پر اثمار　کریں تعظیم جھک خلقت کی موبار
کھڑی بوٹی گلوں کی پر نزاکت　چمن کی تک رہی ہے باہم لطافت
صبا غنچہ کھلاتی واں جب آتی　دعائیں مانگ ہاتھوں کو اُٹھاتی
وہ رنگیں سرور اس کا بوستاں تھا　کہ ہر تختی کتابِ گلستاں تھا

غم میرا اسے جا کہے ایسا کوئی کرے کیونکر جئے تمہارے بن، اور کوئی کیا کرے

## رباعی

چاہت نے کیا فراسو اس کی یہ حال عقبیٰ کا نہ غم رہا نہ دنیا کا خیال
خواب و خرد و ہوش ہوئے سب رخصت ہے جانِ حزیں پہ زندگانی ہے وبال

## غزل

چھوڑا نہ ناتوانی نے کچھ میرے تن کے بیچ ہے دم ہی دم حباب نمط پیرہن کے بیچ
مرجاؤں انتظار میں اس کے تو دوستو میری وصیت آئے تری انجمن کے بیچ
تصویر میری یار کے کاغذ پہ کھینچ کے رکھ دیجئو تسلی کو میرے کفن کے بیچ
لپٹے ہو شب فراسو کسی گلبدن سے تم آتی ہے بوئے گل جو تمہارے بدن کے بیچ

## غزل

کرو گر دید سینہ پر مرے زخمِ نمایاں کی نہ حسرت پھر رہے ہرگز تمہیں سیرِ گلستاں کی
بہار آ دیکھ میرے لختِ دل اور چشمِ گریاں کی جو ہو منظور نخلِ گل کی سیر اور ابرِ باراں کی
سدا کرتی رہو ہو سیر اپنی زلفِ پیچاں کی نہیں ہے فکر کچھ تم کو مرے حالِ پریشاں کی
ہمیشہ سیر اپنے دامنِ گلگوں کی کرتی ہو کبھی پوچھی نہ کیفیت مرے چاکِ گریباں کی
رہے ہے محوِ دیدہ عارضِ خوباں یہ روز و شب حقیقت مثلِ آئنہ کہوں کیا چشمِ حیراں کی
جو اپنی جان سے جانا دلا منظور ہو تجھکو تبھی دیجو تو اپنے منہ سے رخصت شوخِ جاناں کی
غمِ دوری سے تیری جان اس کے لب پہ آئی ہے خبر لے لے تو اے لیلیٰ کبھی قیسِ بیاباں کی
تمہاری یاد میں شام و سحر رہتا ہے وہ مضطر فراسو کو خبر ہرگز نہیں اپنے دل و جاں کی

## غزل

ہمارے دیدۂ تر سے خجل ابرِ بہاری ہے دلِ پر داغ کو دیکھوں گلِ لالہ کی کیاری ہے
فغاں ہے گریہ ہے اور درد وغم سے بے قراری ہے ترے بن دلبرِ میخوار یہ خواری ہماری ہے
محبت کی عبث ہم نے دلا بیمار چشموں سے نہ پرسش نہ عیادت نہ کبھی تیمار داری ہے
اجی اک دل تو کیا ہے خیر لیجے نذر کرتا ہوں میں راضی جی تلک ہوں گر یہی مرضی ہماری ہے
گزارہ جو نہیں پیغام بر کا اس کے کوچے میں رواں ہے لب سے نالہ چشم تر سے اشک جاری ہے
فراسو داغِ دل رہتا ہے تازہ مثلِ گل اپنا دمِ سرد اپنا ہے یاری کہ یہ بادِ بہاری ہے

## رباعی

جو ہم پہ گزرتی ہے صنم کیا جانے یہ درد و الم اور یہ غم کیا جانے
کب ہم سے بہم ہوگا صنم کیا جانے تقدیر میں جو لکھا ہے ہم کیا جانے

وہ کنجانِ اشجار طوبیٰ لقا وہ گہر آسا سایہ وہ ٹھنڈی ہوا

## اشعار در صفتِ مکان

میانِ باغ تھا رنگیں مکاں ایک مکاں کیا کہ تھا گلستاں ایک
عجب دلچسپ وہ بارہ دری تھی جو چھجا اُس کا تھا بالِ پری تھی
اب چشمہ طرح یہ اس کی دیکھی کہ جوں کوثر پہ ہو قصرِ بہشتی

غنچہ سا منہ تھا اور گال پری اور مہندی سے ہاتھ لال پری
قد و قامت غضب ادا کافر گات بھی چاند سے کمال پری
تیوری قہر اور چتون زہر وضع دیوانی اور جمال پری
زلف بل دار اور چوٹی مار اور دھواں دھار بال خال پری
دیکھنا جی سے مار ہی ڈالے اُف ٹھٹک رہنا اور چال پری
جالی کی کرتی جال ہے دل کا قہر پاجامہ اور شال پری
کیوں نہ ہووے فراؔسو دیوانہ کہ صدا پر ہو بول چال پری

## غزل

آ پڑا جن سے ہمیں شوخ دلارام سے کام صبر سے کام نہ کچھ ہم کو نہ آرام سے کام
دین و دنیا سے غرض کر دیا ناکارا ہمیں ہوگیا جب سے ہمارا بُتِ خود کام سے کام
زلف و عارض کا ترے دید سدا کرتے ہیں نہ ہمیں کفر سے کچھ کام نہ اسلام سے کام
جب سے اے غیرتِ مہتاب تجھے دیکھا ہے ٹکٹکی کو ہے سدا تیرے لبِ بام سے کام
تیری آنکھوں کا تصور ہے فراؔسو کو سدا کام نرگس سے نہ کچھ نہ گلِ بادام سے کام

## غزل

ہمارے مرنے کا کرتے ہیں دوستدار افسوس ولے نہ اس نے کیا ہائے ایک بار افسوس
جو عندلیب ہزار اب کرے ہزار افسوس تو گوش گل نہ سنے اس کا ایک بار افسوس
کبھی نہ دل میں ستمگر پری کے کی تاثیر یہ بے اثر ہے مری آہ کا شرار افسوس
وہاں وہ سوتے ہیں آرام سے پڑے اور یاں یہ دل ہے سینہ میں از بسکہ بے قرار افسوس
نہ ایک دن بھی تو ہم نے شہید ناز کے جان کیا نہ آن کے ہر گز سرِ مزار افسوس
خزاں سے دوستی کرنے کو چاہتا ہے جی کہ ہفتہ دوست ہے یہ موسمِ بہار افسوس
گئے جو دید کو پاس اس کے کل فراؔسو ہم دیا نہ بزم میں اپنی ہمیں وقار افسوس

## غزل

برنگِ حلقۂ در چھوڑیئے نہ خانۂ دوست    جبین اپنی ہے اور سنگِ آستانۂ دوست
مدام تیر سے مژگان کے ہے مشبّک یہ    ہمارا دل تو ہمیشہ سے ہے نشانۂ دوست
قفس میں حضرتِ صیاد کے رہے اک عمر    ہمیں جو کھانا تھا قسمت سے آب و دانۂ دوست
ہر ایک مثل زلیخا ہو دید کا مشتاق    اگر میں بزمِ بتاں میں کہوں فسانۂ دوست
برنگِ زلف اسے روسیہ کریں گے ہم    ہمارے ہاتھ لگے گا کبھی تو شانۂ دوست

## غزل

کیا فائدہ جو آئی چمن میں بہار آپ    ہم اے صبا ہیں گل کے نمط دلفگار آپ
کیونکر نہ میری خاک کو برباد تم کرو    ہے اب سمندِ ناز کے اوپر سوار آپ
کرتے ہیں دامِ زلف میں لاکھوں ہی دل کو بند    بیٹھے ہمیشہ کھیلیں ہیں گھر میں شکار آپ

## غزل

بہت آسان دل لگانا ہے    ایک تھوڑا سا جی کا جانا ہے
جسِ پری رو پہ دل دوانہ ہے    گر وہ جاوے تو کیا بھگانہ ہے
میں جو اشک اپنے آپ بہاتا ہوں    یارو اس کا بھی اک بہانہ ہے
مر گئے پر نہ ہوا رام وہ خود کام اپنا    کام اپنا ہوا لیکن نہ ہوا کام اپنا
رام اپنا نہ ہوا وہ بُتِ کافر ہرگز    اور ہم مفت میں کھو بیٹھے ہیں آرام اپنا
اور دے جام فراموش کو ہوس باقی ہے    ہاتھ مت تھام تو اے ساقیِ گلفام اپنا

کبھی اشکوں کی قطرہ سے نہ دیکھی چشمِ نم خالی ۔۔۔ کے جیسے گنجِ گوہر سے صدف ہوتی ہے کم خالی
یہ کیا اب ابرِ غم چھایا دلِ ناشاد پر یارب ۔۔۔ کہ رونے سے نہیں رہتی ہے اک پل چشم نم خالی
برنگِ غنچہ دل کو کھول کر تک ہم بھی ہنس لے ویں ۔۔۔ کوئی دم بھی اگر چھوڑے یہ تیرا دردِ غم خالی
نہ اُٹھ جا وے بھلا کس طرح تھا ناعقل کا لوگو ۔۔۔ کبھی رکھتی نہیں ہے ملکِ دل کو فوجِ غم خالی
ہمیں نہ گریہ سے نہ تم کو بزمِ غیر سے فرصت ۔۔۔ بھلا ملنا ہو کس ڈھب سے نہ تم خالی نہ ہم خالی
کسے پرواہ ہے گلزار کی اے غیرتِ گلشن ۔۔۔ ترے بن مجھ کو آتا ہے نظر باغِ ارم خالی

## اشعارِ سراپا

ہے نور خدا کا وہ سراپا ۔۔۔ ہے راست سراپا وہ سراپا
ہیں اس کے مو سرشتۂ جان ۔۔۔ وے طول انہیں خدا ہر اک آن
عاشق کی ہے دل کی وہ سیاہی ۔۔۔ دے ہے شبِ تار بھی گواہی
غربت میں ہوئی ہے قصر کی شام ۔۔۔ ظلمات نے بھی سیاہی لی دام
لے شانہ اگر وہ رشکِ مہتاب ۔۔۔ کر ڈالے چوٹیوں کی محراب
تو سجدہ کر کے پھر آن کر شیخ ۔۔۔ کعبہ کا دریچہ جان کر شیخ
سمجھا اس مانگ کو نگہ میں ۔۔۔ ہے کاہ کشانِ شب سیہ میں
ہیں مانگ میں دُر وہ ایسے ڈھب کے ۔۔۔ جیوں چمکے ستارہ نیم شب کے
بالوں سے خجل سے مشک و عنبر ۔۔۔ سنبل کا ہے حال ان سے ابتر
وہ سر ہے مدور اس پری کا ۔۔۔ دعویٰ کرے کون ہمسری کا
گر اوڑھنی اوڑھے سر پہ گلنار ۔۔۔ عاشق کے ہو سر پہ خوں نمودار
جیوں زیرِ شفق فلک پہ باراں ۔۔۔ ہو ابرِ سیہ میں وہ نمایاں
وہ جعد گندھی کھجوری باروج ۔۔۔ لہرائے ہے جیسے مار کی موج
کیا وصف تو کر سکے گا اس کا ۔۔۔ چوٹی ہے وہ کوہِ حسن کی کیا
گر شانہ ہزار دست پاوے ۔۔۔ چوٹی نہ پری کے ہاتھ آوے

چوٹی کا وہ جوڑا باندھے گر ماہ عقدہ پڑیں لاکھ دل میں ہر راہ
وہ اس کا سماں ہی کوئی دیکھے جیوں ابرِ سیہ ہو حور کے پیچھے
چھوڑے اسے پیٹھ پر جو طناز تو سیلیاں کھائے توسنِ ناز
ہو چاک جگر میں دہان اس کا شانہ کا گزر ہے کیونکہ اُس جا
گر چھوڑے وہ رخ پہ زلفِ پُر خم ناگن سی ڈسے وہ دل کو ہر دم
ناگن وہ نہیں ہے ہے وہ گیسو جیوں مارِ سیہ ہے اُس کا ہر مُو
اس کاکل و قد پہ گر نظر جائے تو زلف کی لہر دل پہ لہرائے
ہے باغِ جہان کا عجب کھیل سنبل کی ہے سرو پر چڑھی بیل
چین اس کے بہ از مہِ فلک ہے خورشید سے جلوہ گر چمک ہے
بنی کا یہ رخ پہ ہے نظارہ جیوں چاند سے آملے ستارہ
ہمسر نہیں کوئی آہ اس کا داغی ہے غلامِ ماہ اُس کا
یوں ماہ سے چہرے کو شرف ہے وہ باکلف ہے وہ بے کلف ہے
بنی کا ہو وصف کس کی طاقت قدرت کے ہے ہاتھ کی کرامت
ہے اس کی صفائے بخت مندی پیشانی سے دیکھ سر بلندی
ماتھے پہ وہ نقش ابروؤں کا تجھ سے میں کروں دلا بیان کیا
نقاش نے دیکھ جائے خالی مہ پر لکھے دو خط ہلالی
جو تیغ ہو ابروؤں کی تحریر جنبش میں کریں وہ کارِ شمشیر
خونریزی میں اس لئے وہ ہیں طاق ہیں توس وکماں سے وہ ذر آفاق
بے قوس قزح کو چرخ گرداں اُن ابروؤں پر کرے ہے قرباں
ابرو کو ہلال دیکھ پاوے تو بدر میں منہ وہیں چھپاوے
دیں شاعر اگر جو اس سے تشبیہ کب وہ مہِ نو کو اُس سے تشبیہ
ہے پیرِ فلک کی ابرو وہ ماہ کب اُس میں جوانوں کا نمک آہ

وہ ابرو میں جو ہے نقطۂ خال تفسیر تو اُس کی سن لے فی الحال
منقوطہ و مہملہ تو پڑھ دے ایک دو نور ہے ہے ایک زے
اُڑ جائیں جو ہووے سامنے ہوش کھینچی ہیں کمانیں دوش با دوش

## دیگر تعریف بدن

دوں گل سے میں نسبت ان کو کیونکر وہ گوش سنے ہی اور یہ ہے کر
یوں پر گہر اس کی ہیں وہ دوکان منہ کھولے صدف یہ گاہے امکان
گریہ ہے صدف نشین دریا آگاہ ہوں اس سے میں سراپا
اُن کانو کا اس کو ہے خیال آہ وہ غرق ہے بحر انفعال آہ
کس چیز سے دوں میں ان کو نسبت وہ کان میں معدنِ ملاحت
ہو تھرتھری کم کبھی نہ خور کی گر کان میں دیکھیں اس کے مُرکی
ہیں مُرکی گردِ موتی ایسے تارے ہوں قمر کے گرد جیسے
کانوں میں اس کے یوں، کرن، بجلی دو سے نکلے ہے جیوں کنول پھول
اُترا ہے زمیں پہ مہ کا ہالہ دیکھا کہیں کان میں وہ ہالہ
کب ہالہ نشین غم میں ۔ ہے ماہ بالے کے مگر الم میں ہے ماہ
جب کان میں اس پری نے ڈالا تب بالا نہ دیوے کیونکہ بالا
وہ حسن کے بحر کا ہے قلّاب ہے ماہیٔ حسن اس میں بیتاب
کیا لولوئے گوش ہے چمک پر جوں صبح کا تارا ہو فلک پر
نسبت تارے سے کیوں ہو اس کو لٹکا دلِ عاشق اس میں یارو
ایسا ہی وہ بے بہا ہے دل بر جیسے ہو صدف میں ایک گوہر
گر رووٗں میں یاد کر کے وہ دُر ہوں گوہرِ اشک چشم میں پُر
نرگس کی جو شاخ کی قلم ہو تو خوبیٔ چشم کچھ رقم ہو
نرگس کو پر نسبت اس سے کیا ہے جادو چتون نگہ بلا ہے

نرگس کی ہے چشم اس سے حیراں ہیں رشک وہ دیدۂ غزالاں
سیاہی و سفیدی ہے دل افروز یکجان میں بہم گویا شب و روز
وہ سحر و بلا ہے چشم بد دور ظلمات سے نکلے جس طرح نور

## دیگر تعریف بدن

اس چشم سے صوفی سب ہیں مے نوش ہیں محتسب ان سے مست و مدہوش
وہ مست ہیں اور مژہ ہیں خنجر عالم کا نہ خون ہووے کیونکر
ہوں گوشہ نشین مست و ہشیار کیفی کے جب ہات میں ہوشیار
بھالا وہ نگہ کا گر سنبھالے جو دیکھے اسے وہ مار ڈالے
غمزہ کا اگر وہ تیر چھوڑے پھر مرگ و قضا بھی منہ نہ موڑے
ہے شام و سحر دعا یہ میری ہو اس کی نظر نظر کسی کی
ہے یہ تو کھلے اشارہ کی بات ہے حکمت العین وہ اشارات
ہے چشم غرض وہ ایسی خونخوار عاشق کا کرے ہے خون سو بار
ایک آن میں خونِ مردماں ہو حق بینی نہ ان کے درمیاں ہو
وہ بینی ہے ایسے رخ پہ دیکھو گل کا جیوں غنچہ برگ پر ہو
رخساروں میں بینی یوں عیاں ہے دو پھول میں غنچہ درمیاں ہے
گر پوچھئے مجھ سے کچھ کہوں اور بینی کا ہے ان لبوں پہ یہ طور

## تعریف دیگر

نتھنوں کی پھڑک پہ کس کو دے چین عاشق کے دو لخت دل میں بے چین
اور نتھ کا ہے حلقہ رخِ پہ یوں آ جیو ہالہ کے درمیان میں ماہ
دولت کا جو در ہے نتھنا اکثر تو نتھ کو بھی جان حلقۂ در
امید میں اس کی آہ غم سے دیدہ میں پڑے ہیں اپنی حلقے
اور موتی ہے اس میں پیارے پیارے جیوں ہالہ میں آئے ہوں ستارے

آپ تو آتے نہیں حسن کی مغروری سے　　مفت ہم جان سے جاتے ہیں غمِ دوری سے

## غزل

جس طرح بے قرار ہو شعلہ شرار کا　　ہے شمع رو یہ حال ترے بے قرار کا
تارے ہی مجھکوں گنتے گزرتی ہے رات یار　　بندھتا ہے تار آنکھوں سے اشکوں کے تار کا
ہم مرگئے فراق میں لیلیٰ جمال کے　　لیکن نہ درد دل سے گیا انتظار کا
کیا لطف سیرِ باغ کا ہے گلبدن بغیر　　آنکھوں میں کرتی ہے رگِ گل کام خار کا

جو بے قراری دل کو یہ ہے صبح و شام ہے　　تو بس تڑپ تڑپ کوئی دم میں تمام ہے

## غزل

یونہی ہے تو دلِ وحشی سے ہاتھ اپنا اُٹھا لیں گے　　سنبھلتا ہی نہیں ہے جو اسے کب تک سنبھالیں گے
نہیں ہوگا کہ ہم دل زلف میں تیری پھنسالیں گے　　وگرنہ مار یہ بیمار کر کے مار ڈالیں گے
نہ سمجھو ہم کو تم اے سیم تن مفلس کے ڈھب سے　　اگر آنسو بہالیں گے تو دُرِ بے بہالیں گے
نہ کر بے فائدہ ہم کو نصیحت دور ہو ناصح　　کہاں تک دل ہم اپنا عشق خویوں سے بچالیں گے

## غزل

نہ ہو مرہم سے اچھا نہ دوا سے　　یہ دل میں درد ہے حکمِ خدا سے
دوا ہے اس کی وصلِ یارِ جانی　　کھلے گا قُفل یہ دستِ دعا سے
رہے یہ کب تلک قیدِ بلا میں　　کبھی تو آن کر مل مبتلا سے

## غزل

اُٹھتے اور بیٹھتے ہم کو تو ترا دھیان رہا — خواب میں بھی تو نہ آیا یہی ارمان رہا
ہم نے اے جان ترے عشق میں دی جان تلک — حیف صد حیف و لے تو بھی تو انجان رہا
عقل و صبر و دل و دین نذر محبت کے کیا — قیس کی طرح سے میں بے سر و سامان رہا
پیرہن چاک کیا ہجر میں تیرے یاں تک — نہ گریبان رہا اور نہ دامان رہا
آرزو فراسو کی بنی روح اللہ — یہ دعا مانگتا ہر روز ثنا خوان رہا

## در صفتِ گلشن

بہ ہر سو نہر تھی مستی سے جاری — کرے تازہ گلوں کی گل عذاری
کہیں حوض اور کہیں منبع کہیں چاہ — جنھوں کی خضر کے دل میں بھی ہو چاہ
وہ فواروں کی نہروں میں قطاریں — گہر جس کے ہر اک قطرہ پہ واریں
اکڑنا ہر طرف سروِ سہی کا — ہوا آسیب دل سیب و بہی کا
غزلخواں جا بجا طوطی و بلبل — وفا میں گل کی سب کھائے ہوئے گل

## سراپا اشعار

بکھرائے پری بال دھواں ناز و ادا گرم — چتون میں بھرا جادو نگہ اس سے بلا گرم
ابرو کی لچک سو خمِ شمشیر سے خوں ریز — پلکوں کی چھپک ہے بُتِ کافر کی سدا گرم
گالوں کی نزاکت پہ فدا کیجے گلِ سرخ — بالی کی چمک قہر ستم تسپہ چھڑا گرم
وہ مانگ کہ سو راہ سے دل مانگ لے دم میں — لپٹا ہوا جوڑا وہ فتح پیچ گندھا گرم
وہ چینِ جبیں چھین لے وہ لعبتِ چیں کا — رخسار مہ و مہر سے بھی نام خدا گرم
وہ ناک کہ غم ناک رکھے ایک جہاں کو — نتھنوں کا پھڑکنا ہے غضب سحر بھرا گرم
وہ لب کہ کریں آتشِ یاقوت کو شیدا — تابش سے گہر کی ہے وہ دانتوں کی صفا گرم
اودی سی مسّی کی دھڑی نامِ خدا روز — اور سرخی پاں بستہ ہے کیا جلوہ نما گرم

وہ سلک گہر قہر وہ پھولوں کا ستم ہار اور گردنِ مینا سے دو چنداں وہ گلا گرم
چھب تختی تراشی ہوئی اور گاہت بھبوکا کرتی وہ پڑی جالی کی اور چاک کھلا گرم
وہ ابھری ہوئی سخت کچیں آفتِ جاں ہے مخمل سے ملائم وہ پری پیٹ ترا گرم
بازو وہ بھرے گول وہ دارئی کی ہیٹی یکدست وہ ہاتھ اچھے سے اور رنگِ حنا گرم
توڑے وہ طلسمات پری موکوں کے سمرن اور قول کی چھیلی بھی وہ انگشت نما گرم
باریک رگِ گل سے کمر غنچہ سی وہ ناف گوریں وہ سریں گول ستم ابھرے بھلا گرم
آ تھام لیا ہاتھ حنائی مرا آکے تھا گرچہ مرا خانۂ پُر زور بلا گرم
وہ ساقِ بلوریں وہ سونے کے کڑے زور وہ رنگِ حنا گرم وہ سنہری کفِ پا گرم
وہ کفش جھلا بور لگے جس پہ ستارہ اور پستہ و ٹھکیلی سے چلنے کی ادا گرم

## غزل

یا الٰہی ملے صنم اپنا ورنہ جاتا ہے آج دم اپنا
کیسی ہم کو خوشی فراسو ہو گر وہ دلدار ہو بہم اپنا

## غزل

غم سے تیرے مجھ کو ہے اب ناتوانی اس قدر بلبلہ ہرگز نہ ہو گا یارِ جانی اس قدر
کچھ تو کر تدبیر دیوانہ کی اے پیرِ فلک مفت میں جاتی ہے اس کی نوجوانی اس قدر
گریہ و زاری کرے گاہے کبھے آہ و فغاں آپ کی دوری میں گزری زندگانی اس قدر
اشک لختِ دل سدا دیتے رہے ہیں ماحضر غم کی ہم کرتے رہے ہیں میہمانی اس قدر
جس طرح پُر درد کہتا ہے فراسو شعر تو کب ہو نالاں عندلیبِ بوستانی اس قدر

## غزل

چشمِ بیمار ستمگر سے ہے بیماریٔ دل دام میں زلف سیہ کے ہے گرفتاریٔ دل
زلف مشکیں سے ہے موجب گرفتاریٔ دل خوف سے مارسیہ کے ہے یہ بیماریٔ دل
کیونکہ ہمسایہ اب آرام سے سوویں شب کو آہ سوزاں سے ہے حد گرمیٔ بازاریٔ دل
ہمدم اپنا شبِ ہجراں میں یہ رہتا ہے مدام غمِ دلدار سدا کرتا ہے غمخواریٔ دل
گریہ سے کام ہے یا نالہ سے ہے کام سدا شبِ ہجراں کی کہوں کیسے میں بیداریٔ دل
کوہِ غم دلبرِ شیریں کا اُٹھایا اس نے کیا بیاں کیجئے فرہاد سبکساریٔ دل
دوستو کیا میں بیاں اس کی کروں کیفیّت چشمِ میگوں کے سبب سے ہی ہے سرشاریٔ دل
گزری اک عمر تمھیں روتے فراسؔو صاحب کان تک یار کی پہنچی نہ کبھی زاریٔ دل

## غزل

عشق نہیں ہے بھلا عشق بری چیز ہے دل نہ کسی سے لگا عشق بری چیز ہے
خلق میں اس نے مجھے کردیا بدنام آہ عشق کا ہووے برا عشق بری چیز ہے
دل ہی نہیں مانتا کیجئے کیا ورنہ آہ کہتا ہے ناصح بجا عشق بری چیز ہے
درد و الم کے سوا اس میں نہیں کچھ حصول دیجے منادی پھرا عشق بری چیز ہے
عشق میں جب بحرِ اشک اُمڈے ہیں آنکھوں سے آہ دے ہے جہاں کو ڈُبا عشق بری چیز ہے
عشق میں جو آہِ گرم سینہ سے نکلے تو دے ارض و سما کو جلا عشق بری چیز ہے

## غزل

مجھ سے بیزار الٰہی وہ دلارام نہ ہو اور ملوں بھی تو یہ ڈر ہے کہ وہ بدنام نہ ہو
جی میں ہی رکھوں ملاقات اب ایسے تم سے بیچ میں خط نہ قاصد نہ ہو پیغام نہ ہو
آتشِ دل کا بیاں کیونکہ فراسؔو لکھوں یہ کبھی خامۂ چوبین سے ارقام نہ ہو

## غزل

ہوجائیں ہم پری سے جدا حور سے الگ　　پر رہ سکیں نہ اس بُتِ مغرور سے الگ

قاصد یہ کہیو اس بُتِ مغرور سے الگ　　کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ

آتی ہے واں خدائی کی صورت ہمیں نظر　　ہے حُسن اُس کا نار سے اور نُور سے الگ

بستی ہوئی نہ بستی کو ویران کیجئے　　رہیے سدا نہ اس دلِ معمور سے الگ

جی تو فراموش دیتے ہیں پر دل نہ دیں گے ہم　　یہ بات تو ہمارے ہے مقدور سے الگ

## غزل

ہے دیدۂ تر میں مرے لختِ جگر آتش　　اور دل میں تو رہتی ہے مرے بیشتر آتش

دریافت کرو میرے جلے دل کا تم احوال　　گر دل کی کرے دل میں تمہارے اثر آتش

ناصح تجھے ہے آہ کی شعلہ کی خبر کیا　　ہے آتشِ دل اس کو نہ پہنچے گی ہر آتش

☆☆☆☆☆☆☆

# قصۂ عشق افزا[۱] (نسخۂ باقر) کا خصوصی مطالعہ

قصۂ عشق افزا کو سب سے پہلے صاحبِ نسخہ ڈاکٹر محمد باقر[۲] نے اپنے مضمون ''جرمن شاعر فراسو کا قصۂ عشق افزا'' کے ذریعے متعارف کرایا۔ اس حقیقت کے سامنے آجانے کے بعد فراسو کوئن کی شاعرانہ حیثیت کے ساتھ ساتھ بطورِ قصہ نگار بھی اہمیت اُجاگر ہوئی۔ ڈاکٹر محمد باقر کے مضمون سے قبل ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے ذخیرۂ کیفی (پنجاب یونیورسٹی) سے استفادہ کرتے ہوئے فراسو کے نثری کارناموں کا احوال بھی بیان کیا۔ اسی احوال میں فراسو کے اُردو دیوان میں موجود عشق افزا کے نام سے ''ماہ طلعت دماہ رو، مہر نگار اور محمود شاہ کا افسانہ اُردو میں'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم فراسو کی نثری کتب میں مذکورہ افسانے کا ذکر کر چکے ہیں کہ فراسو کہانیاں لکھنے سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔

---

[۱] دیوانِ فراسو کے نسخۂ اوّل میں ایک اُردو افسانہ بھی ہے جو دفعتۃً شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا دیباچہ اور ابتدائی حصہ ندارد۔ اس کا صحیح نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔ مضمون سے معلوم ہوا کہ یہ پرانے طرز کی عشقیہ کہانی ہے۔ جس کے کردار مہ جبیں، ماہ طلعت، مہر نگار، گل چہرہ، ماہ پیکر اور محمود شاہ ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ اُردو کے اشعار بکثرت دیئے گئے ہیں۔ اور اسٹائل پر تکلف ہے۔ محبوب کے سراپا کا مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ خاتمے میں مصنف نے اپنا نام لکھا ہے اور افسانے کا نام شاید ''دلکشا'' ہے۔

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی عشق افزا کا مخطوطہ موجود ہے۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

کاتب: محمد مقصود، اوراق: ۱۶۲، سطریں: ۱۹، کتاب نمبر: H.C-55/36، آغاز: حمد وثنا لاتعد بادشاہِ حسن و عشق کو سزاوار ہے۔

اختتام: کوئی دم خالی نہ جاتا تھا بادشاہ نشاطِ جام نہ بھرتا و دستِ شوق گردنِ نازنیناں میں نہ ڈالتا۔

حوالہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے اُردو ذخیرۂ مخطوطات، مرتب: ڈاکٹر عطا خورشید۔ مطبوعہ: خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنا، ۱۹۹۵، صہ ۱۱۸۔

زیرِ تحریر مقالے میں نسخۂ باقر کی تدوین مقصود ہے لہٰذا نسخۂ علی گڑھ یونیورسٹی کے حوالے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ راقم ان دونوں خطّی نسخوں کے سوا بھی جستجو میں ہے کہ انشاء اللہ قصۂ عشق افزا کے تمام نسخوں کی روشنی میں تدوینِ متن کا حق ادا کرنے کی سعی کرے گا۔ (مؤلف)

[۲] جرمن شاعر فراسو کا قصۂ عشق افزا از ڈاکٹر محمد باقر، صہ ۷۳ تا ۸۳، مطبوعہ ادبی دنیا سال اشاعت مئی ۱۹۵۰ء۔

اُردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں از ڈاکٹر محمد باقر (جرمن شاعر فراسو کا قصۂ عشق افزا (مختصر بفرد نثری قصہ))، صہ ۹۸ تا ۱۱۷

ڈاکٹر محمد باقر نے خطی نسخہ میں استعمال ہونے والے کاغذ سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ قصہ مخطوطے کی صورت میں ۱۸۳۹ء کے بعد تحریر ہوا۔ باعتبارِ کوائف ان کا بیان رقم کیا جاتا ہے۔

''عشق افزا کا یہ نامکمل مخطوطہ فول اسکیپ ساڑھے سات انچ ضرب ساڑھے گیارہ انچ تقطیع کے ۱۹۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ دیسی کاغذ کو استعمال کرنے کی متداول رسم کے علی الرغم اس مخطوطے پر انگریزی ساخت کا دبیز کاغذ صرف کیا گیا ہے۔ جس کے اوراق پر یکے بعد دیگرے دو قسم کے نشانِ آب (Water Mark) بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک میں ملکۂ وکٹوریہ کو عصائے شاہی کے ساتھ بیٹھا ہوا دکھایا ہے۔ اور دوسرے میں دل کی شکل بنی ہوئی ہے۔ جسکے نوکیلے حصے پر لندن لکھا ہوا ہے اور محرابی حصے کے دائیں بائیں انگریزی میں ۱۸۳۹ء کے اعداد مندرج ہیں۔ ان نشاناتِ آب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کاغذ ۱۸۳۹ء میں انگلستان میں بنایا گیا تھا۔ اور کاتب کی رسائی اس ولایتی کاغذ تک تھی جو غالباً انگریزوں کے سرکاری کاموں کے لئے ہی ہندوستان میں استعمال ہو رہا تھا۔ چونکہ مخطوطہ کاغذ کے سنِ ساخت یعنی ۱۸۳۹ء کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ فراؔسو نے خود ہی یہ کاغذ کاتب کو دیا ہو کیونکہ فراؔسو ۱۸۶۱ء تک بقیدِ حیات تھا۔ چونکہ قصہ کے آغاز یا اختتام پر اس کا تاریخِ تصنیف یا تاریخِ کتابت درج نہیں اس لئے معین طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قصہ کب لکھا گیا۔ البتہ زیرِ بحث نسخہ کی کتابت کا سن کاغذ کی تاریخ سے اس حد تک معین کیا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۳۹ء کے بعد مرتب کیا گیا۔''[۱]

راقم نے مذکورہ مخطوطہ قومی عجائب گھر پاکستان کراچی سے حاصل کیا۔ اور سطر سطر اس پر عرق ریزی کی۔ باعتبارِ کوائف ڈاکٹر ظفر اقبال اور ڈاکٹر باقر سے راقم کو ہر سطح پر اتفاق ہے۔ قصۂ عشق افزا کے مخطوطہ (نسخۂ باقر) کے کوائف کے بارے میں ڈاکٹر ظفر اقبال کا[۲] بیان ملاحظہ فرمایئے۔

''سلسلہ نمبر : ۵۰۸

مخطوطہ نمبر : N.M. 1965_24

---

[۱] جرمن شاعر فراؔسو کا قصۂ عشق افزا، صہ ۳۷ تا ۴۷، مطبوعہ ادبی دنیا مئی ۱۹۵۰ء۔

[۲] فہرستِ مخطوطات قومی عجائب گھر پاکستان کراچی از ڈاکٹر ظفر اقبال

مصنف : فراسوکوین فراسو

عنوان : قصۂ عشق افزا

تقطیع : ۲۹×۱۹ ۱/۴، س م

اوراق : ۹۲

سطور : ۱۵

خط : نستعلیق، اوسط

سن کتابت : وسط تیرہویں صدی ہجری (قیاساً)

کاتب : نامعلوم

کاغذ : ہلکا بادامی، چکنا دبیز

روشنائی : متن سیاہ اور عنوانات واشعار سرخ روشنائی سے تحریر کئے گئے ہیں۔

کیفیت : مجلد۔ ناقص الآخر۔ ترک کا التزام۔ معمولی آب رسیدہ۔ پہلے اور دوسرے ورق کی حوضہ بندی و چیپ بندی کی گئی ہے۔ مصنف نے متعدد مقامات پر اپنی تصویر اور دیگر تصاویر مثلاً جامع مسجد دہلی، لال قلعہ اور دہلی شہر وغیرہ کے لئے جگہ خالی رکھی تھی تا کہ ان جگہوں پر اہتمام سے تصاویر بنائی جائیں لیکن وہ مقامات خالی رہ گئے۔

آغاز : ''حمد بے حد و ثنا بے لا تعداد شاہ حسن و عشق کو سزاوار ہے کہ جن نے دار الملک ہستی میں بہ اشکال مختلفہ گل رخان ماہ رو کو پیدا کیا و عاشقان لا ابالی کو بجستجوئے جلوۂ حسن گلو کے صحرا بہ صحرا دیا۔''

اختتام : ''اجرائے مہمات سلطنت و امضائے امور خلافت سرفراز کر کے فرمایا کہ فرمان سے جبیں سے سرِ مو سرتابی نہ کرنا و بہ استرضائی و رضا مندی اس کے معاملات ملکی میں آگاہی و ہوشیاری بجالانا و ایک دقیقہ و دقائق''

مندرجات : اس میں ایک عشقیہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس قصہ کو جا بجا اپنے اشعار سے مزین کیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد باقر نے قصہ عشق افزا کو متعارف کرایا ہے نیز مخطوطے کی عبارت اور اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن دل افروز کے احوال بیان کرنے کے بعد ہی ڈاکٹر محمد باقر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ "راقم کے پاس جو نامکمل مخطوطہ ہے وہ یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے۔"[۱]

جبکہ راقم کے پیشِ نظر وہی مخطوطہ ہے اور ورق ۸۹ سے پہلے تک ڈاکٹر محمد باقر کا بیان درست ہے جبکہ ورق ۸۹ سے قصہ بے ربط ہو جاتا ہے۔ اچانک شاہزادہ ماہ رو اور مہ جبین قصہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ قصہ عشق افزا ایک روایتی قصہ ہے جس کا ہیرو (ماہ رو) درویشِ پرہیزگار کی دعا سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا باپ مسعود شاہ پھولے نہیں سماتا۔ ہیروئن مہر نگار ہے۔ شہرِ نقشِ جہاں کے بادشاہ محمود شاہ اور مہر افروز کی بیٹی جس کے عشق میں ماہ رو مبتلا ہو جاتا ہے اور اُسے مبتلا کرنے میں گیتی آرا اور جہاں آرا پریاں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ نیز آگے چل کر جانستان پری شاہزادے پر عاشق ہو جاتی ہے اور اس کی ماں لعل پری حقیقتِ حال جان کر جانستان اور ماہ رو کو زندان میں ڈلوا دیتی ہے۔ گیتی آراء شاہزادے کی سفارش کرتی ہے نتیجتاً شاہزادے کو رہائی نصیب ہوتی ہے اور وہ دوبارہ مہر نگار کے فراق میں دیوانہ وار مہر نگار کی جستجو کرتا ہے۔ اس کی ملاقت مہ جبیں سے ہوتی ہے۔ جسے شاہزادہ ایک دیو سے چھڑاتا ہے کچھ عرصہ قیام کے بعد مہ جبیں سے رخصت ہوتا ہے اور پھر مہر نگار کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ حادثاتی طور پر وہ دلاور شاہ کی سلطنت میں جا نکلتا ہے اور اسے دلاور شاہ کے بیٹے کے قتل کے الزام میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ حقیقتِ احوال معلوم ہونے پر دلاور شاہ شرمندہ ہوتا ہے۔ ماہ رو کو رہا کرتا ہے اسی دوران ماہ طلعت دلاور شاہ کی بیٹی ماہ رو پر عاشق ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ ماہ رو کو جبراً شادی کرنی پڑتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد وہی بے قراری اُسے تڑپاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو سیر و شکار کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک روز شکار سے واپسی پر دل افروز (وزیر کا بیٹا، ماہ رو کا بہترین دوست، مہر نگار کی تلاش میں اس کے ساتھ عازمِ سفر ہوا تھا کہ اچانک دونوں بچھڑ گئے تھے) نظر آیا۔ دونوں بے تابانہ ملے۔ شہزادے کے اصرار کرنے پر اس نے دورانِ جدائی جو صعوبتیں اٹھائی تھیں بیان کیں نیز دخترِ جوہری کے حوالے سے اس کا بیان ختم ہوا کہ اچانک کاتب کی کارفرمائی نے ورق ۸۹ سے قصے میں ماہ رو اور مہ جبیں کو داخل کر دیا۔

---

۱۔ صہ ۸۲، جرمن شاعر فراسو کا قصہ عشق افزا، مطبوعہ ادبی دنیا، مئی ۱۹۵۰ء۔

قصہ عشق افزا ایک شاعر کا تحریر کردہ ہے۔ اس قصہ سے قبل ملاّ وجہی[1] اور انشاء اللہ خاں انشاء[1] بھی داستان رقم کر چکے تھے۔ یہ دونوں اپنی داستانوں میں شاعر کم اور قصہ گو زیادہ نظر آتے ہیں۔ جبکہ فراسو قصہ گو سے زیادہ شاعر نظر آتا ہے کہ ۹۲/اوراق پر مشتمل اس قصے میں اُردو کے ۳۹۷/اشعار باعتبارِ اصناف مثنوی اور غزل۔ جبکہ فارسی کے ۱۶/اشعار ہیں نیز دو رباعیات اور ایک قطعہ ہے جس کو کاتب نے رباعی تحریر کیا ہے۔ اسی مخطوطے میں تینتیس ۳۳ تصاویر کا منظر نامہ تحریر ہے۔ جبکہ تصویر کوئی نہیں ہے۔ اب ورق ورق مخطوطے کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

مخطوطے کا سرورق:

کتاب خانۂ ملّی دکتر محمد باقر

| | | |
|---|---|---|
| شمارہ | : | ۸ |
| نام کتاب | : | قصہ عشق افزا |
| مؤلف | : | فرانسو گاٹلیب کوین فراسو |
| ناشر | : | نسخۂ خطی |
| تاریخ | : | بعد از ۱۸۳۹ء میلادی |
| موضوع | : | اُردو قصّہ |

ورق ۱-الف پر کتاب خانۂ ملّی، شمارہ، موضوع اور دکتر محمد باقر کی گول مہر چسپاں ہے نیز اسی ورق پر سب سے اوپر انگریزی میں محمد باقر دستخط کی طرح تحریر ہے اس کے نیچے ۲۹/جون ۱۹۵۰ء کی تاریخ انگریزی ہندسوں میں مرقوم ہے۔ بعد ازاں عنوان ''قصّۂ عشق افزا'' از فرانسو گاٹلیب کوین فراسو بعد از ۱۸۳۹ء تحریر ہے۔ بعد ازاں ''اُردو'' لکھ کر نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

ورق ۱ پر روح القدس کے عنوان سے کتاب کا آغاز کیا گیا ہے۔ آغاز میں فراسو رقم طراز ہے کہ ''حمد بے حد وثنائے لاتعد بادشاہِ حسن و عشق کو سزاوار ہے کہ جس نے دارالملکِ ہستی میں بہ اشکالِ مختلفہ گل رخانِ ماہ رو کو پیدا کیا و عاشقانِ لاابالی کو بجستجوئے جلوۂ حسنِ گلوسوز کے سر بصحرا دیا۔'' (ورق ۱، نسخۂ خطی قصّۂ عشق افزا)

---

۱ سب رس اور رانی کیتکی کی کہانی۔

روح القدس کے اشعار سے قبل نثر کا آخری پیرا:

''اللہ اللہ ہر گل وگلشن اس کی یاد میں ساغرو بیا ہر مرغِ چمن اس کے شوق وذوق میں نغمہ سرا''۔

(ورق ۲-الف)

اس کے بعد بیانِ نظمِ توحید شروع ہو جاتا ہے:

اگر حمدِ ایزد نہ کیجے رقم　　زبانِ قلم یک قلم ہو قلم

وہی حمد کی دل سزاوار ہے　　زباں کو ہی دی جس نے گفتار ہے

اسی نے بنایا ہے ارض و سما　　یہ جس میں دو عالم رہا ہے سما

اسی سے منور ہے ماہ سپہر　　دلِ مہر میں بھی اسی کی ہے مہر

(ورق ۳-الف)

بیانِ نظمِ توحید کے ۳۰ اشعار مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ اس کے بعد نثر شروع ہو جاتی ہے۔ بیان درنظمِ توحید کو 'حمدیہ قصیدہ' کہا جاسکتا ہے۔ اور سببِ قصیدہ حضرت عیسیٰ ہیں۔

غرض رنگ ہے یا کہ نیرنگ ہے　　سبھی اس کی قدرت کا یہ رنگ ہے

کلی ہے کہ گل ہے وہ یا خار ہے　　کرم اس کا سب کا ہوادار ہے

بہار اس کے الطاف کے ہے قریب　　خزاں اس پہ پھرتی ہے مثلِ رقیب

غرض باغِ قدرت کا رنگِ بہار　　کیا دلپذیر اس قدر اس نے یار

تو کی نخلبند اس نے نبیوں کی ذات　　کہ فیض ان کا ہے مثلِ آبِ حیات

خصوصاً ہمارے نبیؐ کریم　　بہ روح جناب الرحیم[]

(ورق ۴-الف)

آخری شعر بہ روح جناب الرحیم میں ایک رکن یعنی فعولن کم ہے۔ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ وہ جناب الرحیم سے پہلے بروزنِ فعولن لفظ لکھنے سے معذور رہا۔

اس کے بعد نثر ہے۔

''نعتِ سلطان الانبیاء حضرت عیسیٰ روح اللہ ذات گل ہائے گونا گوں بہ ناز نثار ذات پاک روح اللہ پر کہ جس نے بیاض دیں کو آبیاری رائے جہاں آرائی سے طراوتِ تازہ و آب و ورنگ بے اندازہ دی و غنچہ تمنا خار یہ یا شکستگانِ معصیت کو بہ نسیم ہدایت برنگِ گل شگفتہ کیا''۔

(ورق ۴--الف)

نظم در نعت سے قبل حضرت عیسیٰ کی شان میں فراسو کہتا ہے کہ'' آئینہ دیں نے اس کے مصقلہ ضمیر صافی سے ایسے صفائی نہ پائی کہ چہرہ نجات اس میں رُو نہ دِکھاوے و چراغِ ملت اس کے پرتوِ رائے منیر سے ایسا روشن نہ ہوا کہ تا صبحِ قیامت شعلہ نور کا چمکاوے''

(ورق ۴)

نظم در نعت میں ۱۷ اشعار مثنوی کی ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔اس نعت کا آغاز یوں ہوتا ہے:

ہر قدم اب راہِ حق میں خوب ہے　　حشر کو بخشش اگر مطلوب ہے
گرچہ بھیجے ہیں بہت حق نے رسول　　جان و دل سے سب کیے ہم نے قبول
لیک بھیجا حضرت عیسیٰ کو جب　　ہوگیا روشن جہاں تاریک سب
بے پدر پیدا ہوا وہ ماہ ہے　　بے شک اس کی ذات روح اللہ ہے

(ورق ۴)

نظم در نعت کے اختتامی اشعار:

حضرت عیسیٰ خدا کی ذات ہے　　ورد نام اس کا مجھے دن رات ہے
مادر ان کی حضرت مریم ہے جو　　وصف مخدومی کا ان کی کس سے ہو
اس طرح کی ہیں وہ بقولِ خدا　　فخرِ نسواں مقتدیوں کی مقتدا
کیوں نہ ہو وہ بحرِ عصمت پاک تر　　جس کے ہووے شکم میں ایسا گہر

(ورق ۵-الف)

اس کے بعد مدحِ شاہِ کشور لندن کی گئی ہے۔ عنوان اس کا ''لآلی متلالی مدح شاہِ لندن'' ہے:

''مدح وثنا کہ سزاوار جنابِ شاہ ولایت لندن کشورستاں سرِ آمد خواقین جہاں مہر لقا مشتری سیما آسمانِ سریر عطارد دو بیر کیواں بارگاہِ بہرام رزمِ زہرہ بزمِ سلیماں نگینِ فریدوں، تمکینِ دارا حشمتِ سکندر مرتبت کی ہی لکھتا ہے۔''

(ورق ۵)

نظم در صفتِ شاہِ لندان کے عنوان سے مثنوی کی ہیئت میں کُل ۹ر اشعار ہیں۔ نظم در صفتِ شاہِ لندن کا آغاز:

سپہ دارِ عالم بہ زورِ جہاں ۔۔۔ فلک جس کے ایوان کا سائباں
معلےٰ جناب و مقدس خطاب ۔۔۔ جہانگیر چوں پنجۂ آفتاب
وہی منبع فیض و انصاف ۔و داد ۔۔۔ بر آئی ہیں اس سے دلوں کی مراد

(ورق ۶-الف)

نظم در صفتِ شاہِ لندن کے اختتامی اشعار:

جو کھولے وہ دستِ سخاوت مآب ۔۔۔ تو ہو زر فشاں پنجۂ آفتاب
غضب کی طرف آئے گر اس کا دھیان ۔۔۔ تو تیغ اس کی بولے کہ من گل رخان
ولے چشمۂ فیض ہے اس کی ذات ۔۔۔ کہ بہتا ہے ہر طرف آبِ حیات

(ورق ۶)

لفظ طرف کو بروزنِ درد لکھا گیا ہے۔ اس قصے میں دیگر جگہوں پر طرف کو بروزنِ دعا بھی تحریر کی گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس عہد میں طرف دونوں طرح سے مستعمل تھا اور طرف کا معاملہ بھی طرح جیسا تھا۔

تصویر شاہ لندن

(ورق ۶)

نظم درتوحید وحمدِ ربانی بکلامِ ہندی اُردوئے معلیٰ میں ۳۷/اشعار مثنوی کی ہیئت میں پائے جاتے ہیں اور یہ نظم ورق ۷-الف تا ورق ۸-الف تک ہے۔

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ　　اسیرِ دامِ کثرت ہوں میں ہر راہ
جہاں آئینہ آسا پر صفا ہے　　ترے ہی عکس سے جلوہ نما ہے
جہاں کا ہے برنگِ گلستاں ڈھنگ　　بہارِ فیض ہے تیرے ہی ہر رنگ

(ورق ۷-الف)

نبھا دے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست　　نہ چھوڑے دستگیری جو ترے دست
گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ　　رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ
رہے گی چشم تر تا حشر روتی　　خجالت کے سدا موتی پروتی

(ورق ۷)

نظم درتوحید وحمدِ ربانی کے اختتامی اشعار:

اگر میں ہوں رہِ بغض و حسد پر　　نظر مت کر مرے اعمالِ بد پر
تو ہی تو چارۂ بے چارگاں ہے　　توانائی وہی بر ناتواں ہے
جو مجھ میں خوش پسندی ہے نہایت　　نیاز و عاجزی کر تو عنایت

(ورق ۸-الف)

درصفتِ عشق کے عنوان سے مثنوی کی ہیئت میں ۱۳/اشعار پائے جاتے ہیں:

رکھ اپنے عشق میں مجھ کو ہمیشہ　　مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ
ترا ہی عشق ہر دم رہ نموں ہو　　مرا دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو
مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے　　شرابِ عشق سے مستانہ کردے

(ورق ۸-الف)

درصفتِ عشق کے اختتامی اشعار:

ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی — تو دنیا سے مجھے ہو بے نیازی
مجھے کر رازِ عشق اپنے سے آگاہ — دکھا دل کو مرے تحقیق کی راہ
فراسو ہے تری الفت کا طالب — کہ تیری ذات ہے ہر شے پہ غالب

(ورق ۸)

درمرتبہ عشق ومحبت کے عنوان سے مثنوی کی ہیئت میں ۴۷/اشعار ورق ۸تا۱۰-الف موجود ہیں۔

آغاز:

مجھے دے ساقیا جامِ رحیقی — بھری ہو جس میں بادۂ حقیقی
کہ جس سے دل ہو مثلِ گل درخشاں — رہے تاحشر بعد از مرگ خنداں
رہی مستی ہے دائم مجھ پہ عاشق — مۓ توحید ہو دل کے موافق

(ورق ۸)

کہ مجھ کو عشق کی کرنی ثنا ہے — بجز عشق اور اس عالم میں کیا ہے
تری ہے عشق سب نیرنگ سازی — ترا ہے کھیل مثلِ حبہ بازی
تو ہی بخشے ہے عاشق کو رخِ زرد — دلوں میں بھی اُٹھاتا ہے تو ہی درد

(ورق ۹-الف)

سبھوں کو دے ہے تو زلفوں کا سودا — کیا ہے تو نے اک عالم کو رسوا
تری امداد سے جیتے ہیں عاشق — لہو اپنا سدا پیتے ہیں عاشق
سدا ہے زخمِ دل تیرا نمک خوار — رہے ہے روز و شب مرہم سے بیزار

(ورق ۹)

درمرتبہ عشق ومحبت کے اختتامی اشعار:

کہ ہے خوں دونوں آنکھوں سے چکیدہ سدا ہے آہ بھی بر لب رسیدہ
جگر پانی ہوا ہے درد و غم سے یہ دم بھی اب جدا ہوتا ہے دم سے
زباں پر عشق کی جو گفتگو ہے سخن کہنے کی مجھ کو آرزو ہے

(ورق ۱۰-الف)

درصفتِ سخن میں ۱۹/اشعار پائے جاتے ہیں۔ جو ورق ۱۰-الف تا ورق ۱۰ موجود ہیں۔

آغاز:

الٰہی دے سخن میں میرے تاثیر کہ ہوں جیوں قند شیریں میری تقدیر
سخن میں نالۂ بلبل کا ہو ڈھنگ کہ مثلِ گل ہو اس پر آب اور رنگ
کلی آسا زباں ہے پُر دہاں ہو بسانِ شمع تن واقف زباں ہو

(ورق ۱۰-الف)

درصفتِ سخن کے اختتامی اشعار:

میرے شعروں کو یارب نغز کردے معانی سے انہیں پُر مغز کردے
سخن کے باغ کو دے آب اور رنگ فراسو کو کہانی کا ہے آہنگ
کہانی کی کرے تاثیر موزوں کہ جس سے سننے والے کا ہو دل خوں
کہے بلبل نمط رنگیں حکایت اکھاڑے اک نیا کنجِ محبت
نئی بات اور نیا طرزِ بیاں ہو نیا رازِ دلِ عاشق عیاں ہو

(ورق ۱۰)

اس کے بعد فراسو قصے سے پہلے نثر میں تمہید باندھتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''بہ تمہید صورت کھینچی اس نگاریں مرقع صورِ معانی کی وآب ورنگِ دنیا اس رنگیں حدیقہ نکتہ دانی کا رائے جہاں آرائی دانش ورانِ صبح نفس پر ورتنویرِ خرد ورانِ نکتہ رس پر پوشیدہ نہ رہے کہ ہیچمداں ناتواں فراسو کوین ولد جان گاٹلیب کوین قوم الیمان اگر چہ لیاقت واستعداد اسقدر نہیں رکھتا کہ آپ کو بہ زمرۂ اہلِ علمِ نظم ونثر جانے مگر باتفاقِ

ہنگامِ ایامِ بے دلی و پریشاں حالی بہ عشقِ لیلیٰ وشی جو رِ زمانہ بوقلموں سے چندے عالمِ تنہائی و گوشہ گیری میّسر ہوا اسی وقت خیالِ دلِ دردمند پر گذرا کہ ایک افسانۂ رنگین و دلچسپ تازہ و پُر درد بصد شکر نگاری تحریر کرے و بہ شیریں گفتاری کہ کوئی قصہ تازہ و کہن اس کے سوز و گداز کو نہ پہونچے و گوشِ فریاد پیشگانِ تعشق اندیش سوائے اس شیریں حکایت کے خواہش نہ کرے سوائے سیر اس قصے کے کسی کہانی پر دل نہ دھرے علیٰ ہذا القیاس بکلامِ فارسی و زبانِ ہندی کہ جیسے اُردوئے معلّٰی خطاب کرتے ہیں اس داستان کو مترجم کرکے وا کثر غزل و مثنوی و رباعی و فرد بر محل و مقام بہ پیرائش نگارش میں لاکے دل افروزِ انجمن کیا تا رشتۂ شوق عاشقوں کے ہاتھ آوے و جانِ دیوانگاں کی ذوقِ جنوں اٹھاوے و سینۂ بےقرار اس سرمایۂ بےقراری پاوے و سرکشتگانِ وادیٔ یاس کو منزلِ حصولِ امید پر پہنچاوے وا آتشِ محبت ہر دل سوختوں کی جان میں دوبالا کرے و حاضرانِ محفل کا شمع وار جگر گلاوے آخر کار بہزار حسن و خوبی نام اس قصے کا ''عشق افزا'' موسوم کیا مگر امیدِ چمن پیرایانِ سخنوری و گلشن آریانِ دانش گستری یہ ہے کہ امن رنگیں گلزارِ سخن کو فیض نظارہ سے آب و رنگ قبولیت عطا کریں اور جو پنہاں موافقِ مدعا مناسب تمام نہ دیکھیں بہ باغبانی اصلاح بجائے لائق ترتیب دیں اور اس بے پیرو بے برگ و نوا نے جو جو ہر از خار خار خاطر سے گلزارِ رنگیں بار کو بہ آراستگی فراہم کناں گفتارِ چنیں و چناں سے معاف فرماویں)......

جہاں جرم سے گو ہے ہر سر بسر      تو بخشش پہ اس کی ہے سب کی نظر

تصویرِ مصنفِ کتاب فراسو کوین قوم الیمان ساکن ولایت پولینڈ

(ورق ۱۱-الف اور ۱۱)

ورق ۱۲-الف سے فراسو آغازِ داستانِ محبت (قصۂ عشق افزا) کرتا ہے:

''آغازِ داستان محبت پر وابتدائے قصہ عشق افزا کہ دل و جاں مشتاقوں کو مشتاق کرے و شمع جاں کو برنگِ پروانہ سوز و گداز کرے۔

بہار پیرایانِ بساط ایں حکایات و چمن آرایان حدائقِ روایات اس رنگیں داستاں کو آبیاریٔ تقدیر سے اس روش آب و رنگ دیا اور غنچہ گلزار افسانہ کو نسیمِ بیاں سے اس وضع پر شگفتہ کیا کہ کشورِ حسن و عشق آباد ہندوستان کہ خاک عطر آمیز اس کی گلگونہ شاہدانِ روئے زمیں و گرد عنبر و سمہ ابروئے حورانِ بریں سرزمینِ دل کشا اس کے برنگِ رخسارہ

لالہ رویان رنگیں وہوائے محبت افزائے مانند ہوائے دل عاشقان دردآ گیں ایسی منزلت وتمکیں سے معمور ومعروف کہ پردماغانِ عالم اس کے روضۂ رشک ارم سے بہزار تمنا گلچیں اور ایسی لطافت تریں سے موصوف کہ گویا خاتم اقلیم پر مثال نگیں۔''

(ورق ۱۲-الف)

نظم درصفتِ شہر دہلی میں۲۲/اشعار پائے جاتے ہیں جو مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔

شہرِ دہلی یوں ہے ہندوستان میں جیسے ہو رنگیں چمن بستان میں
اس کا اس رونق پہ ہر بازار ہے جیوں نمود اک تختۂ گلزار ہے
بیچ میں بازار کے اک نہر ہے آبِ کوثر کی سے جس میں لہر ہے

(ورق۱۲-الف)

ایک جانب اشرفی کی ڈھیر ہے جس کے دیکھے سے طبیعت سیر ہے
اور روپوں کاک طرف انبار ہے جس کا جلوہ گرمیٔ بازار ہے
اور بزازوں کا کروں میں کیا بیاں بسکہ دوکانوں پہ ہے جلوہ کناں

(ورق ۱۲)

طاش و کم خواب و تمامی بادلا لاہے شبنم ململ اور پھولیا

(ورق ۱۳-الف)

تصویر درصفت جوہری بازار ونہرِ فیض بہ شکلِ تمامی

(ورق ۱۳-الف)

ورق۱۳-الف پر اہلِ حرفہ شہر کے عنوان سے [illegible] شعر مثنوی کی ہیئت میں موجود ہیں:

سب دوکانوں پر دھرا ہے جا بجا صحنِ دوکاں ہورہا ہے جگمگا

(ورق۱۳-الف)

چاندنی چوک اس کے ہے درمیان میں　　خوب ہے اپنی ادا و آن میں
ہووے ہے وقت سہ پہری جس گھڑی　　آ کے ہوتی ہے وہاں خلقت کھڑی
اس جگہ جو ہے پراچہ کی دوکاں　　بیچتے ہیں ٹوپیاں اور دولمیاں

(ورق ۱۳)

اہلِ خرقہ شہر کے اختتامی اشعار:

کیا شریفہ خوب اور انگور ہیں　　شربت شیریں سے سب معمور ہیں
ناسپاتی ہے بہی ہے اور انار　　عام ہے جامن کے اوپر بھی بہار
اک طرف کیلے اکیلے ہیں دھرے　　ایکسو آڑو چنگیری میں پڑے
ہے غرض بازار پر یہ آب و رنگ　　دیکھ کے جس کو چمن ہو جائے دنگ

(ورق ۱۴-الف)

تصویر در صفت چاندنی چوک وسماں وقتِ شام

(ورق ۱۴)

پھر ورق ۱۵ا پر جامع مسجد کے حوالے سے ۱۴/اشعار مثنوی کی ہیئت میں موجود ہیں۔

اک طرف مسجد بھی عالی شان ہے　　جس پر چرخِ عنبریں قربان ہے
جامع مسجد ہے اُس مسجد کا نام　　ہے بزرگی عرش کی اس پر تمام
سرخ پتھر کا ہے سب اس میں بناؤ　　جس پہ ہے تحریر موسیٰ کا لگاؤ

(ورق ۱۵)

اختتامی اشعار:

گر گنہ سے پُر ہو کوئی بال بال　　صدق سے جا کر کریں واں عرضِ حال
پھر نہ رہویں ایک مو اس کے گناہ　　سرخرو ہوویں وہیں روئے سیاہ
اس قدر لاکھوں زیارت ہیں وہاں　　مجرم اس جا جائے بخشا بے گماں

(ورق ۱۵-الف)

تصویرِ جامع مسجد

(ورق ۱۵)

لال قلعہ دہلی کے حوالے سے ۱۹/اشعار مثنوی کی ہیئت میں ہیں:

ہے لبِ دریا اوپر جو لال قلعہ ہے کلاں با حشمت و اجلال قلعہ
دیکھ لیویں اُس کی گر شان و شکوہ جائیں دب اُس کی بلندی دیکھ کوہ
سیر کیجے گر لبِ دریا پہ جا قدرتِ حق کا ہو دل پہ بھید وا

(ورق ۱۶-الف)

اختتامی اشعار:

کوئی کوچہ میں کھڑی ہے درد مند جھانک کر کھڑکی کوئی کرتی ہے بند
کوئی کھولے بال کوٹھے پر کھڑی چاکِ در سے کوئی جھانکے ہے پڑی
سینکڑوں بانکے پھریں ہیں خانہ جنگ وضع جن کی دیکھ کر رستم ہو دنگ
ہر طرح کی خلق کا ہے اژدھام خوبیاں عالم کی ہیں اس جا تمام

(ورق ۱۶-الف)

تصویر لال قلعہ

(ورق ۱۶)

ورق نمبر ۱۷-الف سے عشق افزا کا آغاز ہوتا ہے:

"عشق افزا ازمانِ عظمہ وشان مسعود شاہ کہ شروع قصہ جس کا نام پر ہو وہ گلدستہ بہا (؟) زمانۂ سلف میں اورنگ آرا تھا۔ عرشِ احتشام مسعود شاہ نام اس کا پایہ سریر رفعتِ سرِ چرخِ بریں پر اور سایۂ چھتر عظمتِ افسر خورشید انور اس کے صاف جامِ طرب کا جمشید دُرخوار اور بارگاہ وحشمت کا سکندر آئنہ دارِ نظم۔ وہ سلطان تھا بہت با دولت............"

بعدازاں ۶ راشعار مثنوی کی ہیئت میں ہیں:

بیاں ملک اس کے کا کیجے کہاں تک　　جہاں زیر نگیں تھا اس کے بے شک
پر از لعل و گہر لاکھوں میں اشتر　　ہزاروں فیل بر گنجینۂ زر

(ورق ۱۷-الف)

تصویر مسعود شاہ

(ورق ۱۷)

مسعود شاہ ایک بادشاہ تھا روایتی داستانوں کی طرح دنیاوی اسباب مال ومنال افواج اور عدل کے حوالے سے یکتائے روزگار تھا۔ عدل اس کا داستان گو نے نوشیرواں جیسا، سخاوت اس کی حاتم جیسی، دبدبہ سکندر جیسا بیان کیا ہے۔ مسعود بادشاہ بھی روایتی داستانوں کا وہ بادشاہ ہے کہ ہر سطح پر مثالیت کا نمونہ۔ لیکن فرزند اس کی تقدیر میں نہیں ایسی صورت حال میں ایک بادشاہ سخاوت کے حوالے سے اور اپنے عقیدے کے حوالے سے جو کچھ کر سکتا تھا۔ مسعود شاہ نے بھی کیا۔ ایک روز وہ شکار پر روانہ ہوا۔ دورانِ شکار اس کی ملاقات ایک درویشِ پرہیزگار سے ہوئی۔ اس کے بعد کا احوال فراسو کی زبانی:

''ایسا درویش کہ اس کے پرتوِ انوار وجود سے صحن حجرہ بسانِ خانہ آہنہ منور ومصفا وصورت مدعائے ارباب حاجات اس کے مرات کف دعا میں بوجہ احسن رونما ویرانہ خاطر اس کا کنج معرفت سے آباد وجود بند تعلقات سے مثال شمشاد کے آزاد اخگر وار لباس خاکستری بہ برگزی فقیر سے رنگ رو اس کا ہم رنگ از دانشِ عشق الٰہی سے لالہ نمط داغِ جگر میں اور گرمی شوق ناتمنا ہی سے برنگ گل آتش سودا سر میں تن عارفانِ پیراہن اس ک چراغِ نفسِ نورانی سے روشن وسفینہ سینۂ نقوشِ کمال سے رشک صد ہزار چمن۔''

پھر اس کے بعد ۹ راشعار کی غزل ہے جو ورق ۱۸ اور ۱۹-الف پر موجود ہے:

خدائی اس کو عطا کی تھی عفو کی کزلک　　کہ حرفِ جرم کو لوحِ جہاں سے کرتا حک
زمین پر ہی نہ نورِ کرشمہ کی تھی جھلک　　کہ نیچے اس کے قدم کے تھا بام ہفت فلک

(ورق ۱۸)

مسعود شاہ نے درویش سے اپنا مدعا بیان کیا درویشِ نورانی کہ جو مسعود شاہ کے مقصد سے آگاہ تھا۔ بارگاہِ رب العزت میں مسعود شاہ کے لئے درویش نے دستِ دعا دراز کیا اور اس کی دعا قبول ہوئی اور درویش نے ایک سیب تازہ ورنگیں بادشاہ کو عنایت کیا ور کہا کہ انشاء اللہ تیری خواہش ضرور پوری ہوگی مگر اس دورنگی سیب سے دلیل ذو معنی ہے کہ پیدا ہونے والا فرزند جوانی ہی سے لہو ولعب کی زندگی بسر کرے گا نیز عاشقانہ مزاج ہوگا اور اسی سبب وہ رنج والم اُٹھائے گا۔

تصویر درویشِ پارسا و صحرائے لق و دق و ہجوم ورفتاہ پُر رونق و حاضر ہونا و بادشاہ کا آگے درویش کے عنایت کرنا سیب کا بادشاہ کو

(ورق ۲۰-الف)

مسعود شاہ درویش سے رخصت ہو کر واپس ہوا اور درویش کی ہدایت کے مطابق عمل کیا ملکہ امید سے ہوگئی۔ سلطنت میں شادمانی کے نقارے بج اُٹھے اور فرزند کی ولادت ہوئی بادشاہوں کے شایان شان اختر شناسوں، جوتشیوں وغیرہ کو طلب کیا گیا۔ شہزادے کا زائچہ تیار کرایا گیا۔ زائچے میں بھی وہی کچھ سامنے آیا جو کچھ درویش نے شہزادے کے متعلق مسعود شاہ کو پیش آگاہی کی تھی۔ شہزادے کا نام ماہ رو رکھا گیا اور بڑے ناز ونعم سے اس کی پرورش ہوئی۔

تصویر ہجوم وسامانِ شادی و پیدا ہونا شہزادے کا و دینا آغوشِ دایہ میں و بجنا نوبت ونقارہ کا

(۲۱-الف)

ماہ رُو کے لئے اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار اساتذہ مقرر کیے گئے تا کہ وہ امورِ سلطنت اور اس زمانے کے مروجہ اور متداولہ علوم سیکھ سکے۔ نتیجتاً ماہ رُو یگانۂ روزگار و نادرِ آفاق ہوا اور اس کا شہرہ تمام عالم میں ہوا۔

پھر ایک نظم ہے جو مثنوی کی ہیئت میں ۵/اشعار پر مشتمل ہے:

زبس سینہ تھا اس کا علم کا گنج — سخن کا قدرداں تھا اور سخن سنج
بیاں کیا کیجے اس کی حسنِ خوبی — کرے مہر جس کی خاکروبی

(ورق ۲۱)

اور وزیر کا بیٹا دل افروز کہ جو دانش وری و ہوشمندی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا ماہ رُو کا خاص دوست بن گیا۔ ایک اور نظم جو دل افروز کے حوالے سے ہے۔ ۵/اشعار پر مشتمل ہے اور مثنوی کی ہیئت میں ہے:

برس باراں کی اس کی عمر تھی پر    وہ دانائی میں تھا پیروں سے بہتر

غرض ہر فن میں تھا وہ کامل وقت    شفیقِ خلق تھا اور قابلِ وقت

(ورق ۲۱)

تصویر شہزادہ ماہ رُو اور وزیر زادہ دل افروز و بیٹھنا مکتب میں واسطے تحصیل علم کے

وتصویر استاد معلم

(ورق ۲۲-الف)

ماہ رُو اور وزیر زادہ دل افروز ہم مکتب تھے۔ اور آپس میں بے تکلف بھی تھے اور ماہ رُو ہمیشہ اس سے عنایت سے پیش آتا۔ جس طرح داستانوں میں شاہ زادوں کی دلدہی کے لئے باغ کی سیر یا گلگشت آباد کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح کا باغ ماہ رُو کے لئے شہر کے کنارے پر تھا اور بلا مبالغہ انتہائی آراستہ تھا مانندِ بہشت کے۔ اس حوالے سے فراسو کی منظر کشی ملاحظہ فرمایئے:

''عندلیبانِ خوش نوا دل حاضروں میں شور جنوں ڈالتے اور نوائے قمریانِ رنگیں ادا ہوش تماشائیوں کا سر سے نکالتے گلہائے رنگارنگ اس جا چمن چمن کھلے اور سرِ خیاباں میں غنچہ گلوں سے باہم ملے۔''

(ورق ۲۲)

اس باغ کا نقشہ اشعار میں بھی فراسو نے کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔ نظم میں اشعار کی تعداد ۱۳ ہے۔ یہ اشعار غیر مردف غزل کی صورت میں ہیں اور ورق ۲۲ اور ۲۳-الف پر موجود ہیں:

رشکِ فردوس باغ کی تھی بہار    تھی وہ رنگیں کیاریاں گلزار

عشق پیچا کہیں کہیں گیندا    موتیا کے تھے پھول گوہر دار

تھیں مدن بان کی تو بان ہی اور    طرح کے مثل طرہ تھے آثار

(ورق ۲۲)

اختتامی اشعار:

تھے گلاب اور لالہ نافرمان پہنے بابونہ بھی تھا ہار سنگھار
کیوں نہ نرگس تکے بہ رنگِ دگر تھی قبا کیا چمن کی بوٹی دار
یاد میں گل کے بلبلِ بے کل کیوں نا نالہ کرے ہزار ہزار

(ورق ۱۳-الف)

اکثر اوقات ماہ رُو اس جنت نظیر باغ میں اپنی خوبصورت کنیزوں کے ہمراہ تفریح کرتا۔ اکثر رات کو بزمِ ساز وطرب آراستہ کی جاتی۔ ایک روز محفلِ نا ؤونوش کے دوران شہزادے نے مدہوشی کے عالم میں بزمِ نا ؤونوش برخاست کی۔ یہ سلسلہ نصف شب تک چلتا رہا تھا کہ جس میں حاضرینِ بزم عیش ونشاط اور خوبصورت رقاصاؤں کے رقص اوران کے حسن سے محظوظ ہوتے ہوئے ہرایک کو پان کا بیڑہ اور عطر دے کے رخصت کیا گیا۔

تصویر باغ ونشیمن سامانِ رقص ونشاط وعالمِ محفل وبادشاہ زادہ ووزیرزادہ بسامانِ عطرو پاندان

(ورق ۲۳)

سب کو رخصت کرنے کے بعد ماہ رو بسترِ استراحت پر آرام فرما ہوااور تمام کنیز غلام اس کے عشق میں مبتلا اسے آرام کرتے ہوئے حسرت ویاس سے دیکھتے رہے۔ بعدازاں حسین کنیزیں اُسے سلانے کی تدبیر کرتی رہیں۔شہزادہ جو کہ شبِ مہتاب میں آرام فرما تھا اور چودھویں کے چاند نے شہزادے کے حسن و جمال میں مزید اضافہ کردیا۔

پریوں کے دل میں دنیا کی سیر کا خیال آیا اور ان کا گذر شہزادے کی قیام گاہ سے ہوا تو ان کے نازک دماغوں کا معطر ہوا نے استقبال کیا اُتر کر دیکھا کہ مکان ہے پاکیزہ ودل کشا بوستان ہے برنگِ باغ جنت فضا روح افزا ہر جا بچھونے پاکیزہ بچھے۔ چند حسین کنیزیں اطراف میں اوران کے درمیان ایک انتہائی حسین انسان ہے جس کا جمال حور وفرشتہ سے تعلق رکھتا ہے۔۔دونو[illegible] ذہن میں یہ آیا کہ اگر یہ انسان کسی پری سے ہم آغوش ہوااور اگر حور سے ہم دوش ہو تو مناسب ہوگا۔ ایک کہنے لگی کہ یہ یکتائے روزگار ہے حور اس کی برابری کے لائق نہیں اور نہ پری اس کی ہم بستری کا استحقاق رکھ سکتی ہے۔مگر شہرِ نقشِ جہاں کے بادشاہ کی لڑکی اس کی ہمسری کے لائق ہے۔گیتی

آرا کہ جو پریوں کی سردار تھی اور خود بھی حسن و جمال میں یکتا تھی اس نے یہ سن کر تعجب کیا اور جہاں آرا کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کیا بادشاہِ شہرِ نقشِ جہاں کی بیٹی اس شہزادے سے زیادہ حسین ہے۔

تصویر خوابگاہِ بالائے بام ماہ رُو کی و چند ناز نیناں گرد اس کے خواب میں
و تصویر تخت رواں با مشکل گیتی آرا و جہاں آرا متصل پلنگِ شہزادہ

(ورق ۲۵-الف)

جہاں آرا نے کہنا شروع کیا کہ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ افضل ہے یا یہ کمتر جب تک کہ دونوں باہم مقابل نہ ہوں غرض یہ کہ دونوں پریاں اس بات پر متفق ہوئیں کہ شہزادہ ماہ رُو کو اس کے پاس لے چلتے ہیں اور روبرو تماشا دیکھنے سے تصدیق ہو جائے گی۔ غرضیکہ شہزادے کو پلنگ سمیت دونوں پریاں شہرِ نقشِ جہاں لے گئیں اور اس ملک کی شہزادی کے قریب ماہ رُو کا پلنگ بچھایا اور ان دونوں (شہزادی اور شہزادہ) میں سے ایک کو بیدار کیا۔ شہزادی نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک انتہائی حسین نوجوان اس کے سامنے ہے۔

پھر ایک نظم ہے جس میں ۱۹/اشعار غیر مردف غزل کی ہیئت میں ورق ۲۵ تا ۲۶-الف موجود ہیں:

یک بیک کافر صنم ایسا اُسے آیا نظر — تھا بجا جو نور کا شعلہ اُسے کہیے اگر
تھا قیامت قد کہ جس کا عالم بالا پہ شور — تھا پری مکھڑا کہ جس کو دیکھ چھپ جائے قمر
بال وہ دامِ بلا پھنس جائے گر اُس میں غریب — پھر نہ چھوٹے آہ وہ جی دے کے ہی چھوٹے مگر

(ورق ۲۵)

اختتامی اشعار:

چاہِ غبغب وہ کہ جس میں غرق ہوں لاکھوں ہیں دل — وہ گلو شرمندہ جس سے مطلعٔ خاکِ سحر
وہ لباسِ خوب ادر وہ چال اور زیور میں غرق — وہ بھبھوکا رنگ اور چھوٹی لٹیں ایدھر اُدھر
اے فراسو ہائے وہ کافر جو دیکھے یک بہ یک — تیر اس کے عشق کا دل سے گیا میرے گزر

(ورق ۲۶-الف)

مہر نگار نے حیرانی سے ماہ رُو کو دیکھا اور مذکورہ اشعار پڑھے بعد ازاں ماہ رو کو بھی بیدار کیا گیا شاہزادے نے جو آنکھ کھولی تو متعجب ہوا اس کی حیرانی کا بیان فراسو کی زبانی:

''شاہزادے نہ جو چشم وا کی دیکھا کہ مکان ہے برنگِ نگار خانہ رنگین و منقش و نشیمن کدہ سے مثال باغِ ارم پاکیزہ و دلکش اس منزل بہشت آ میں میں ایک گل بستر ناز پر آرام فرما ہے کہ لالہ نے اس کے نظارۂ رنگساز عذار سے داغ جگر پر کھایا اور پروانے نے ملاحظہ شعاعِ مہر رخسار سے عشقِ شمع دل سے بھلایا اس کے تابشِ جمال سے در و دیوار تجلی بدہ نور بلکہ برنگِ طور جلوہ گاہ عینِ ظہور آہو چشم کہ چشمانِ آہو پر آہو پکڑتے و دامِ رشتۂ نگاہ سے دلِ مردمان صید کرتے''

(ورق ۲۶-الف)

پھر ایک نظم ہے جس میں ۱۹/ اشعار مثنوی کی ہیئت میں ورق ۲۶ تا ۲۶۷-الف موجود ہیں۔ ان اشعار میں مہر نگار کا سراپا بیان کیا گیا ہے:

سراپا کا کروں کیا اُس کے اوصاف — کہ تھی جوں لعبتِ چیں وہ پری صاف
قد و قامت کروں اُس کا بیاں کیا — قیامت کا سا ٹکڑا وہ عیاں تھا
وہ اس کے بال تھے جنجالِ دل کے — وبالِ جان تھے اور جال دل کے

(ورق ۲۶)

اختتامی اشعار:

خجل ہنسنے سے اُس کے برق ہووے — اگر رک جائے وہ تو ابرو رو وے
دہن اُس کا نہ کچھ غنچہ سے کم تھا — سخن واں رہروِ ملکِ عدم تھا
غرض اب کیا کہوں اُس کی لطافت — بھبوکا برق تھی شعلہ تھی آفت

(ورق ۲۷-الف)

مختصر یہ کہ ماہ رو اس محبوبۂ دلربا کو دیکھ کر حیراں ہوا کہ آیا یہ کوئی طلسم ہے۔ شہزادہ لمحہ بہ لمحہ تعجب سے گزرتا رہا آخر کار اس نے جرأت سے کام لیتے ہوئے مہر نگار کے چہرے سے حجاب ہٹایا۔ مہر نگار جو بے دار تھی بہ اندازِ اضطرار نقاب شہزادے سے زبردستی کھینچ کے اپنا منہ چھپایا اور شہزادی نے ماہ رو سے پوچھا کہ میری خواب گاہ میں باد

صبا کا گذر نہیں ہو سکتا تو کس طرح یہاں تک آ گیا۔ شہزادے۔۔۔نے جو محبت کا انداز دیکھا تو گویا ہوا کہ میں ایک ملک کا شہزادہ ہوں کہ جو اپنے باغ میں رات کے وقت اپنے ہمنشینوں کے ساتھ عیش وعشرت کی محفل سجا کر جامِ شرابِ عشرت سے مدہوش خوابِ غفلت میں مست سو رہا تھا جو آنکھ کھلی تو اچانک تجھ کو دیکھا مجھے نہیں معلوم کہ یہ مسافرت کا نقش کس مصور نے میرے صفحۂ حال پر کھینچا اور خبر نہیں کہ کس جادوگر نے یہ جادو کیا کہ میں نے تیرا جمال یا تجھے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا اور نہ تیری کوئی بات کبھی سنی مجھے تو بتا کہ تو کون ہے۔ شہزادی نے یہ بات سن کر اپنی بات شروع کی اور کہا کہ نام اس شہر کا نقشِ جہاں اور میرے والد کا محمود شاہ ماں میری مہر افروز نے میرا نام مہر نگار رکھا میں اپنے مکان میں سو رہی تھی کہ اچانک آنکھ کھلی تو تجھے دیکھا معلوم نہیں کہ یہاں تجھے کس نے پہنچایا اور مجھے تیرا عاشق کس نے کیا۔ بس اس بحث وتکرار میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے میں محو ہو گئے۔ ان کی کیفیت مثالِ تصویرِ نقشِ دیوارِ حسرت ہوئی اگر بغور نظر کیجئے آئینہ محاذی یا ماہ بمقابل ماہ۔

اس کے بعد فارسی کی ایک غزل ہے جو ۹ / اشعار پر مشتمل ورق ۲۸ اور ۲۸-الف پر موجود ہے:

| | |
|---|---|
| زہے از عکس روئش جلوہ گر آئنہ دلہا | زہے حسنت ز خوبی ملاحت شور محفلہا |
| بہ ہنگامِ وصالِ دوست عمرِ خضر می خواہم | بگویم تا بہ بینش شوق مجملہا مفصلہا |
| بہ رخسارِ آں بتِ شیریں دہن خوشحال با دارد | برنگِ آں کہ در مصری بہ چسپانند فلفلہا[۱] |

(ورق ۲۸-الف)

ایک پہر کے بعد شاہزادہ ہوش میں آیا اور زبانِ حال سے یہ نغمہ ادا کیا۔ اس کے بعد ایک غزل ہے جو ۵ / اشعار پر مشتمل ہے:

| | |
|---|---|
| دیکھ دنیا میں تری جلوہ گری کا عالم | جا چھپا قاف کے پردے میں پری کا عالم |
| اس گھڑی میری زباں بہکے تو رکھنا معذور | عالمِ تشنہ ہے اور بے خبری کا عالم |
| رکھو یکدست غنی دل کو فراسو صاحب | اب تو آتا ہے نظر سیم بری کا عالم |

(ورق ۲۸)

---

۱ فارسی کی مذکورہ غزل حافظ شیرازی کی زمین میں ہے اور حافظ کے دیوان کا آغاز اسی زمین میں غزل سے ہوتا ہے۔

ع کہ عشق آساں نمود اوّل و لے افتاد مشکلہا۔ [صہ ۲۹، دیوانِ حافظ مترجم مولانا قاضی سجاد حسین صاحب]

مہر نگار نے یہ اشعار سن کر ایک رباعی پڑھی:

مجھ کو ہی کیا بے سروسامان نیا ‏‏ یہ سوانگ کیا زلفِ پریشان نیا
عالم کی ڈبوئی ہے غرض تو نے جان ‏‏ آنکھوں نے اُٹھایا ہے یہ طوفان نیا

(ورق ۲۸اور ۲۹-الف)

مختصر یہ کہ وہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوئے۔ مہر نگار نے حجابِ زرتار چہرے سے اتار کہ شاہزادے کہ کندھے پر ڈالا اور شاہزادے نے دوشالہ اور انگوٹھی مہر نگار کے حوالے کی اور اس کی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن کر معراجِ عشق کو پہنچا اور انھوں نے ایک نظر اٹھا کے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ مہر نگار نے جو ماہ رو کی بیتابی دیکھی تو کہا کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تو میری عصمت کو تار تار کرے ماہ رو نے جواباً کہا کہ اب پتہ نہیں کہ ایسی رات کب آئے اور تیرا وصال مجھے کب نصیب ہو۔

اس کے بعد ۴ ر اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۲۹ پر موجود ہیں:

گل کی ہوس نہیں ہے نہ گلزار کی ہوس ‏‏ ہم کو تو ہے ترے گلِ رخسار کی ہوس
ہے ہم کو تیرے جلوۂ دیدار کی ہوس ‏‏ ذرہ کو جیسے مہرِ پُرانوار کی ہوس
اُس گل بدن کے کوچہ میں رہنا اگر ملے ‏‏ کافر ہو جس کو پھیر ہو گلزار کی ہوس
وے آگ ہے فراسو دلِ زار کو مرے ‏‏ کیا عشق کو ہے گرمئ بازار کی ہوس

(ورق ۲۹)

مہر نگار نے اسے تشفی دی اور کہا صبر کر خداوندِ تعالیٰ سے امید رکھ کہ وہ ہمیں پھر ملا دے گا۔

تصویر باغِ مہر نگار و مقام خواب گاہ و بر پلنگ مہر نگار بیٹھی و محاذی پلنگ ماہ رو تبدیل دوشالہ و مقنعہ وانگشتری باہم دیگر و سامانِ شوق و نہاں ہونا گیتی آراء و جہاں آراء کا گوشۂ باغ میں غایت کرنا

(ورق ۳۰-الف)

اس کے بعد پھر ۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۰ پر موجود ہیں۔

تمہیں مغروری اپنی آن پر ہے قیامت بس ہماری جان پر ہے
ہمیں بالا بتاوے کیوں نہ اُس دم یہ بالا جو تمہارے کان پر ہے
کروں کیا آئنہ رو تم سے اظہار جو کچھ آفت دلِ حیران پر ہے
فقط کیا مہر کے ہی دل میں ہے مہر فدا مہ بھی تمہاری شان پر ہے
فراسو کو بھلا کل کیوں کے آوے تمہاری چلبلاہٹ[1] دہان پر ہے

(ورق ۳۰)

ماہ رو نے اپنی دلی کیفیات مذکورہ اشعار میں بیان کیں اور مہر نگار اس کی کیفیات جان کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر جاسوئی یہ سب تماشا گیتی آراء اور جہاں آراء (پریاں) دیکھ کر خوش ہوئیں کہ دونوں حسن و جمال میں ہم پلہ ہیں۔ اور یہ احساس کر کے کہ کچھ ہی دیر میں صبح ہوا چاہتی ہے ہم پر لازم ہے کہ شہزادے کو جلد از جلد اس کی قیام گاہ تک پہنچا دیں۔ لہٰذا شہزادے کا پلنگ اٹھا کر باغ میں پہنچایا اور اپنی راہ لی شہزادہ بیدار ہوا تو اس کی بیتابی حد سے بڑھی۔ مسعود شاہ پدرِ شہزادہ اس بیتابی کو شہزادے کی ناسازیٔ طبع سمجھا اور اس نے طبیبوں، عالموں اور درویشوں سے رجوع کیا۔ مگر شہزادے کی کیفیت میں فرق نہ آیا وزیر زادے نے بھی اپنی سے کوشش کی لیکن کسی طور شہزادے کو قرار نہ آیا اور وہ جنون کی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔

اس کے بعد ۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

شب خواب مجھے لوگو کیا خوب نظر آیا لگتے ہی پلک کہ پس محبوب نظر آیا
دیکھا تو بہت چہرہ مغموم پریشاں ہے اور دل بھی طرف غم کے مرغوب نظر آیا
خوش ہو کے فراسو سے ہرگز نہ ملا کافر ان باتوں سے وہ ہمکوں[2] معیوب نظر آیا

(ورق ۳۱-الف)

---

[1] دہان بروزنِ دھان یا در دلکھا گیا ہے جبکہ مستعمل بروزن نشاط ہے۔ دھیان کا معاملہ مختلف ہے کہ بروزنِ دھان مستعمل ہے۔
[2] ہمکوں سے یہ بات واضح ہے کہ فراسو نے اس قصے میں اپنا ابتدائی کلام بھی بغیر نظرِ ثانی کے شامل کر دیا ہے۔

شہزادے کی ہر طرح دلجوئی کی گئی اور طرح طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں پر شہزادے کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اس نے آہ آتش بار کھینچی اور کہا۔اس کے بعد ۳ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

یہ جس کے غم میں دل اندوہگیں ہے     پری ہے حور ہے اور نازنیں ہے
ظہور اس دلربا کا ہر کہیں ہے     وہی ہر دم ہمارے دلنشیں ہے
ترے ہی حال و رخ کا ہے دیوانہ     فراسو وہ کہ اتنا نکتہ چیں ہے

(ورق ۳۱)

ملازمانِ شاہی نے مسعود شاہ کو حقیقت حالِ شہزادہ سے آگاہ کیا بادشاہ نے یہ کیفیت سن کر آنسو بہائے۔ طبیبوں، دانشوروں اور عقلمند وزراء نے بھی اپنی سی کوشش کر دیکھی۔کوئی شاہزادے کو دیوانہ کہتا اور کوئی کثرتِ شراب نوشی سبب بتاتا اور کوئی جادو سے اسے تعبیر کرتا اور کوئی کہتا کہ اسکی دیوانگی کا سبب کوئی پری ہے۔ یہ سب صورتحال ماہ رولا چارگی سے دیکھتا اور فریاد کرتا۔اس کے بعد ۳ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

بیمارِ عشق کا نہ کسی سے ہوا علاج     جو دکھ کہ لاعلاج ہو اُس کا ہو کیا علاج
باتیں بناؤ مت مری بالیں پہ بیٹھ کر     ہرگز نہ ہوگا تم سے طبیبوں مرا علاج
بے طرح تھی طپش مرے دل میں فراسواب     اُس دلربا کی چھاتی سے لگ کر کیا علاج

(ورق ۳۲)

تصویر خرابی حال و چاک گریباں شہزادہ ماہ رو و آنا بادشاہ کا و مجمع طبیباں، عالمیاں و درویشاں

(ورق ۳۳-الف)

اس کے بعد پھر ۳ اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۳ پر موجود ہیں:

ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے     خدا ہی جانے مجھکوں کیا ہوا ہے
کبھی جو زخمِ دل اچھا ہوا ہے     تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے
وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فراسو     ہمارا جنسِ دل پرچہ ہوا ہے

(ورق ۳۳)

پھر کسی نے اطباء کامل سے کہا کہ آپ کی دوائیں اس کے کام کی نہیں کیونکہ اسے مرضِ عشق لاحق ہے۔ پھر ورق۳۳ پر دو اشعار فارسی کے ہیں:

دردِ ہجراں را دوائی دیگر است　　نسخہ ہا دیگر شفائی دیگر است
در دلش آہِ سحر مثلِ صبا است　　در چمن زارش ہوائے دیگر است

(ورق ۳۳)

اس کے بعد ۸/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

ہے یہ بھی ہجر کے تپ دشوار کا علاج　　جز وصلِ یار کیا ہو اس آزار کا علاج
عیسیٰ سے ہو سکا نہ دل آزار کا علاج　　تم بن ہو کس سے عشق کے بیمار کا علاج
جتنی دوائیاں ہیں فراسو ہیں سب مضر　　ہے دیدِ یار طالبِ دیدار کا علاج

(ورق ۳۴-الف)

''اگر شربتِ دیدار محبوب اس کے کامِ تلخ میں شکر پرور اور یاقوتِ لبِ لعلِ مطلوب یاقوتی وارقوتِ جگر ہوا آخر کار کل مرض عشق تشخیص پایا و قولِ پیرِ روشن ضمیر کے اول اس معنی سے نشان دیا تھا یاد آیا''۔

(ورق ۳۴-الف)

بادشاہ نے جب یہ جان لیا کہ ماہ رو کو مرضِ عشق لاحق ہو گیا ہے تو وہ درویش اور اس کا دیا ہوا نگین سیب یاد آیا کہ اس احوال کی پہلے ہی پیشین گوئی کی جا چکی تھی۔ بادشاہ نے غم واندوہ میں بہرور وزیر کو طلب کیا اور تمام احوال کہا اور پھر اسے حکم دیا جیسے بھی ممکن ہو شہزادے کو اس جنوں کی کیفیت سے چھٹکارا دلایا جائے بہرور حکم کے مطابق ماہ رو کے پاس آیا اور اس سے احوال جنوں دریافت کیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے جس نے تیرا یہ حال کیا شہزادے نے اس کے کلماتِ محبت افزا سن کر اپنا حال بیان کیا اور کلمۂ جاں سوز ادا کیا۔

اس کے بعد ۵/اشعار فارسی کے غزل کی ہیئت میں ورق ۳۴ اور ۳۵-الف پر موجود ہیں:

بشد در شیشۂ دل جلوہ فرما روئے جانانم　　بکن اے زاہدِ خلوت نشیں سیرِ پرستانم
اسیرِ دامِ آں شہرِ غزالاں ہستم اے ناصح　　نہ من فرہادِ کوہستاں نہ مجنونِ بیابانم
بغیر از روئے تو پیشِ فراسو کس نمی آید　　اگر بینم ترا بینم اگر دانم ترا دانم

بہرور نے یہ ساری رام کہانی سن کر کہا یہ ساری باتیں خواب وخیال کی ہیں حقیقت سے ان کا واسطہ نہیں جواباً شہزادہ نے شعر پڑھا:

ناصح مری حالت سے تب تجھکو خبر ہووے　　　کوچہ میں اگر اس کے جب تیرا گزر ہووے

(ورق ۳۵-الف)

ماہ رو نے کہا اگر یہ خیال وخواب کی باتیں ہیں تو یہ چادر کس دلربا کی ہے اور یہ انگوٹھی جو میرے، ہاتھ میں ہے یہ کس کی ہے۔ وزیر نے خوش آمدی لہجے میں کہا کہ یہ کام پریوں کا ہوسکتا ہے۔ پریاں ہی انسانوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ شہزادے نے کہا اے یکتائے فہم وفراست وہ پری نہیں ہے بلکہ پری اس مہ وش کی دیوانی ہے اور حور اس شمع رو کی پروانہ ہے جس نے مجھے ایسا اسیر کیا کہ میں کہیں کا نہیں رہا بہرور نے کہا کہ اگر بات آدم کی ہے تو وصال اس کا محال نہیں اگر تیرے دل میں حسن و جمال سے رغبت ہے تو اطراف واکناف میں زہرہ جبینوں اور مہ لقاؤں کی کمی نہیں ہے تو حکم کر کہ ماہ جبینوں کی تصاویر تیری بارگاہ میں پیش کی جائیں اور جس کی تصویر تو پسند کرے وہ مہ لقا تیرے حضور حاضر کی جائے۔ ماہ رو نے کہا کہ تیری یہ بات دانشمندی کے زمرے میں آتی ہے مناسب ہے لیکن اس طرح کی کوئی پیشکش مجنوں قبول نہیں کرتا اور عاشق کے دل کا زخم نصیحت کے مرہم سے نہیں بھرتا۔

اس کے بعد ۶ /اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۵ اور ۳۶-الف پر موجود ہیں۔

دل میں میرے سما رہا ہے عشق　　　داغ سے دل کھلا رہا ہے عشق
ملکِ دل سے کیا ہے صبر نے کوچ　　　اب تو اس جا یہ آ رہا ہے عشق
از غمِ شعلہ رو فرآسو کے　　　آگ دل میں لگا رہا ہے عشق

یہ تمام کیفیات اور احوال سن کر بہرور نے اپنے بیٹے دل افروز کو شہزادے کی غم گساری کے لئے اس کے پاس بھیجا دل افروز نے بھی اپنی دیرینہ رفاقت کی آزمائش کی اور یہ جاننا چاہا کہ کس کے غم میں ماہ رو کا یہ حال ہوا۔

اس کے بعد ۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۶-الف اور ۳۶ پر موجود ہیں:

یہ نقشہ کس کا خوش آیا دلِ دل گیر کیا باعث ہوا ہے کس لئے تو غم کی یوں تصویر کیا باعث
گریباں چاک ہو تم کیوں اجی اب سچ کہو ہم سے تمہارے دل میں کیوں کرتی نہیں تاثیر کیا باعث
فراسو دل میں ہے ایک اور پیغام بر بھیجوں انہوں نے کس لئے آنے میں کی تاخیر کیا باعث

دل افروز نے مذکورہ اشعار کے ذریعے اس کی مزاج پرسی کی نیز اس سے حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ماہ رو نے انگوٹھی اور چادر دل افروز کے سامنے رکھدی اور تمام حال اس رات کا بیان کردیا اور کہا میں نہیں جانتا کہ وہ نازنین کون سے قبیلۂ حسن سے تعلق رکھتی ہے کہ مجھے دیوانہ کیا اور اس کے خیالِ جمال سے میرا ہوش جاتا رہا۔ اس کا ٹھکانہ اور اس کا باپ بہت نامور ہے میں سب کچھ بھول بیٹھا ہوں اب کس طرح میں اس کا نام و نشان پاؤں تا کہ وصل نصیب ہوسکے۔

اس کے بعد ۶/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۶ اور ۳۷-الف پر موجود ہیں:

مشتاق ہوں مدت سے دیدارِ پری تن کا اس نام پہ پھیروں ہوں منکا میں سدا من کا

(ورق ۳۶)

حُسن اس بتِ کافر کا اک برق کا شعلہ ہے اللہ ہی حافظ ہے دل کے مرے خرمن کا
روتا ہوں پڑا اس کی فرقت میں فراسو اب اشکوں کی جھڑی ہے یہ یا مینہ ہے ساون کا

(ورق ۳۷-الف)

دل افروز نے ماہ رو کی دلجوئی کی اور کہا کہ خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے امید رکھ انشاء اللہ جلد تجھے گوہرِ مقصود ہاتھ آئے گا یہ سن کر شہزادے کی طبیعت بہتر ہوئی۔

تصویر دیوانگیٔ شہزادہ و دلداری کرنا دل افروز وزیرزادے کی

(ورق ۳۷)

ماہ رو کے عشق کا تمام احوال دل افروز نے جیسے تیسے بادشاہ کے روبرو بیان کیا بادشاہ نے تجویز کے مطابق تمام مصورانِ صاحبانِ کمال کو ہر دیار میں مقرر کیا کہ وہ حسین و جمیل مہ لقاؤں کی تصویریں ہو بہو بنائیں شاید اس طرح شہزادے کی محبوبہ کا کچھ پتہ چلے۔ بادشاہ مسعود شاہ نے ماہ رو کی دل بستگی کے لئے ہر راہ اختیار کی لیکن ماہ رو کو کسی طور بھی قرار نہ آیا اور وہ غمِ فرقت میں گھلتا چلا گیا۔

اس کے بعد ۷/ اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۸-الف اور ۳۸ پر موجود ہیں:

سہوں کب تک یہ ہجراں کی تباہی ملا دلبر کو میرے یا الٰہی

(ورق ۳۸-الف)

کہوں کیا آہ اپنا جوشِ مستی پھروں بے ہرزہ اور بکتا ہوں واہی

طرح مجنوں کی مجھ کو اب فراسو ملی ملکِ جنوں کی بادشاہی

(ورق ۳۸)

اور شب و روز ماہ رو کی بے قراری بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے بعد ۳/ اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۳۸ پر موجود ہیں:

کہیو قاصد یوں اسے اب تیرے بن آرام ہے شب کو اس کو نیند ہے دن کو نہ کچھ آرام ہے

گلبدن کے ہجر میں نے چین نے آرام ہے یاں تلک گل کھائے ہم نے سب بدن گلفام ہے

یہ ہمارا حال تیرے بن بُتِ گلفام ہے ہوش ہے نے چین ہے نہ صبر نہ آرام ہے

(ورق ۳۸)

تمام مصوروں کی تصاویر شہزادہ کی نظر سے گزریں مہر نگار کی تصویر نہ پا کر اس کی بے قراری انتہا پر پہنچ گئی۔ ماہ رو اپنے یارِ جانی دل افروز سے مخاطب ہوا کہ اے مرے غم گسار اب مجھ سے مہر نگار کی دوری برداشت نہیں ہوتی۔

اس کے بعد ایک رباعی ورق ۳۹ پر:

تڑپوں ہوں نیم بسمل بے حال کی مثال ہر ایک دن ہے ہجر کا صد سال کی مثال

کھائے ہیں جو فراسو نے تیرِ ستم ترے سینہ تمام اس کا ہے غربال کی مثال

(ورق ۳۹)

(یہ رباعی نہیں قطعہ ہے اس کا عروضی وزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ہے۔)

ماہ رو کبھی مہرنگار کے فراق میں یہ اشعار پڑھتا ہے۔۵/اشعار پر مشتمل یہ غزل ورق ۳۹-الف پر ہے:

مرا قاصد شتاب آوے نہ آوے　　خدا جانے جواب آوے نہ آوے
گیا ہے کوچۂ قاتل میں پھر کر　　دلِ پُر اضطراب آوے نہ آوے
کروں آنکھوں سے دید اس کا فراسو　　ولے ڈر ہے کہ خواب آوے نہ آوے

(ورق ۳۹-الف)

دل افروز نے شہزادہ کو صبر کرنے کا مشورہ دیا کہ سوائے صبر چارہ نہیں ماہ رو نے دل افروز کا مشورہ مان کر کچھ روز مزید فراق مہرنگار میں گزارے کہ شاید کوئی قاصد یا کسی مصور کا گزر اس کے دیار سے ہو اور کوئی خبر اس تک پہنچے لیکن تمام تگ و دو بے کار گئی اور مہرنگار کا نشان نہ ملا۔ آخر کار ماہ رو مایوس ہوا اور مجنوں کی طرح صحرا کی راہ کو اپنانے کا ارادہ کیا۔ دل افروز اس کے حال سے باخبر تھا اس نے اپنے دوست سے کہا کہ اس راہ میں تو اپنے آپ کو تنہا نہیں پائے گا اگر تو اپنے گوہر مقصود کے لئے روانہ ہوگا تو میں بھی تیرے ہمراہ چلوں گا۔ اس صورتحال کی اطلاع بادشاہ (پدرِ ماہ رو) اور ملکہ (مادرِ ماہ رو) کو ہوئی تو وہ ماہ رو کے پاس آئے۔ فراسو کے الفاظ میں:

''دیکھا کہ برنگِ غنچہ سر بگریباں تفکر میں مانندِ خزاں رسیدہ رنگ رو سے اڑا ہے مادر نے سر خاک سے اٹھا کے زانو پر رکھا اور منہ سے بولی اور باپ نے دلِ پر درد دیدۂ غم پر درد سے زبان کھولی کہ اے جانِ عزیز سلطنت سے گزرنا آئینِ ہوشیاری سے بعید و تاجِ خلافت سر سے ڈالنا و پائے آوارگی پر رکھنا سوائے زیاں کیا ہے حصول ہوشا ہزادے نے فریاد کی اور کہا''

(ورق ۴۰-الف)

اس کے بعد ۷/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

دنیا میں کوئی چیز نہیں جان سے عزیز　　پر ہمکوں جان بھی نہیں جانان سے عزیز
رکھتا ہوں اس لئے میں اُسے جان سے عزیز　　ہے عشق کو یہ لختِ جگر پان سے عزیز
اے شیخ دین دور ہو بک بک عبث نہ کر　　عشق بتاں ہے مجھکوں تو مہمان سے عزیز

(ورق ۴۰-الف)

مسعود شاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے ماہ رو سے کہا تو مہر نگار کی تلاش میں نکل جائے اور میں تیری جدائی میں کس طرح زندگی گزاروں گا۔ تیری جدائی مجھے زندہ درگور کر دے گی۔ بادشاہ کی بات سن کر بھی ماہ رو کا ارادہ متزلزل نہیں ہوا دل افروز نے بادشاہ سے سفر کی اجازت چاہی۔ دل افروز کا باپ بہرور یہ سن کر افسردہ ہوا اور مجبوراً ماہ رو اور دل افروز کے سفر کے تمام ترلوازمات کا بندوبست کیا اور ماہ رو کی روانگی کا وقت آیا۔ بادشاہ اور ملکہ نے خوب آنسو بہائے اور شہزادے کو نصیحت کی۔

اس کے بعد ۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۰ اور ۴۱-الف پر موجود ہیں:

منزلِ عشق یہ غافل ہے بہت دور دراز　　پاؤں اس راہ میں مت کر دلِ مغرور دراز

(ورق ۴۰)

سرکشی شعلہ نمط عالمِ خاکی میں نہ کر　　ہے سلیماں سے بیاں رتبۂ ہر مور دراز
حالِ دل اس کو فراموش میں سناؤں کیوں کر　　رات تو تھوڑی سی ہے اور ہے مذکور دراز

(ورق ۴۱-الف)

شہزادے نے جب مسعود شاہ کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ میں مجبور ہوں میں اپنی خوشی سے روانہ نہیں ہو رہا۔ جب ماہ رو کے والدین کو یہ یقین ہو گیا کہ ہمارا بیٹا ہماری بات نہیں مانے گا تو انھوں نے مجبوراً اسے الوداع کہا۔

۳/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ہیں:

تم کو تو اس طرف ہم کرتے ہیں رو کے رخصت　　جاتا ہے جی ہمارا اس طرف ہو کے رخصت
تو مانگتا ہے رخصت یاں اشک بھر رہے ہیں　　ہووے گا گھر کسی کا ظالم تو کھو کے رخصت
میں نے کہا فراموش جانے نہ دوں گا تجھ کو　　اے میری جان ہو تو جی میرا کھو کے رخصت

(ورق ۴۱-الف)

انجام کار چند ملازمین کے ساتھ ماہ رو کو رخصت کیا بادشاہ کے لئے زندگی بے کیف ہو گئی اور ملکہ ماہ رو کی جدائی برداشت نہ کر سکی۔

۶/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۱-الف اور ۴۱ پر موجود ہیں:

سفر کو ماہ روکے ہے شتابی　　نہ کیوں کر دل کو ہو اب اضطرابی
بیاں اس کا نہیں ہوتا عزیزو　　غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی
فراسو کس طرح سمجھایئے اب　　کہ ہے یہ غصۂ غم بے حسابی

تصویرِ عزمِ سفر ماہ رو و دل افروز و گریہ وزاری بادشاہِ جہان و ملکۂ دوراں یعنی مادر و پدرِ ماہ رو و ہجومِ خلائق بہ نالہ و فغاں

(ورق ۴۱)

روانہ ہونا اس سر قافلہ آشفتہ حال کا بہ بدرقہ باد پیش کاروانِ سالار یوسفِ جمال و نکلنا آہو تیز رد کا گوشۂ بیاباں سے دوڑانا اسپانِ تیز گام دونوں شاہزادوں کا ورم کرنا آہو کا نظر سے و خراب دونوں آزادوں کا پیچھے آہو کے۔

(ورق ۴۲-الف)

اس سے آگے فراسو یوں رقم طراز ہے:

''رہ نوردِ وادیٔ داستاں راہِ مدعا یوں کرتا ہے کہ جو اس خسرو فرہاد کیش نے والدین سے مرخصی ہو کے گلگونِ عزم کو میدانِ جستجوئے معشوقۂ شیریں لب میں جلوہ ریز کیا شاہزادہ نے بہ فرطِ بے قراری عین راہ میں دلافروز سے کہا کہ اے مرہم ریش دل کون سے دن کوئے جاناں میں پہنچ کے نشانِ دیار کا دیکھیں گے دل افروز نے حرف تسلی آمیز سے اس کی تسکینِ خاطر کر کے ہمارہ اس سالک مالک عشق کے قدم پیش رکھا جبکہ سادہ صفحہ سپہر لاجوردی نقوشِ نجوم سے منقش ہوا فضائے صحرا میں خیمہ برپا کر کے شب بہ آرام تمام بسر کی۔ جس دم شہبازِ زریں چنگ آفتاب نے دستِ اخضر فلک پر آہنگ صید کیا۔''

(ورق ۴۲-الف)

دونوں نے رات کو صحرا میں قیام کیا اور صبح جب وہ بیدار ہوئے اور اپنی برق رفتار سواریوں پر سوار ہوئے تو اچانک انہیں صحرا کی ایک جانب ہرن نظر آیا جس کی ہیئت عجیب و غریب تھی دونوں بہادر ہرن کے شکار کی طرف راغب ہوئے اور اپنے برق رفتار گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ہرن کے پیچھے نکل گئے۔ ہرن تو ہاتھ نہیں آیا البتہ وہ

دونوں شاہی رفیقوں سے بچھڑ گئے دونوں تھک چکے تھے ایک درخت کے نیچے تھکن سے نڈھال ہو کر پڑ رہے۔ تمام رات جاگتے گذری صبح ہوئی تو پھر برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔ قسمت سے پھر وہی ہرن نظر آیا۔ ماہ رو نے دل افروز سے کہا کہ یہ وہی ہرن ہے کہ جسکے پیچھے کل کا دن ہم نے ضائع کیا آج پھر وہی ہمارے تیر کا شکار ہونے آگیا ہے۔ تقدیر کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا ہرن کی حقیقت میں عجوبہ نیرنگیٔ قدرت تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اچانک غائب ہو گیا اور وہ دونوں حیران پریشان اس کی جستجو کرتے رہے بالآخر رات ہو گئی تمام رات جاگتے رہے صبح کے ہونے کا احوال فراسو کی زبانی:

''وقتِ صبح کہ غراب سیاہ بل شب میں زریں بیضۂ آفتاب آشیانہ چرخ پر نکالا''

(ورق ۴۳-الف)

صبح ہوئی اور دونوں نے ہمت مجتمع کر کے اپنے کھوئے ہوئے ساتھیوں کو بہت ڈھونڈا لیکن سراغ نہ پایا مایوسی کے عالم میں دونوں اک سرسبز جگہ پہنچے وہاں گلزار چمن کی رونق جنت نظیر تھی اور طوبیٰ جیسے اشجار ہر طرف نظر آئے۔

تصویر شاہزادہ و وزیرزادہ و آہوئے خوش خرام و شکلِ باغ و بستان بہ تنہائی شاہزادہ و وزیرزادہ و شکل درختان و حوض و آب و جانوراں

(ورق ۴۳)

آگے کا احوال پھر فراسو کی زبانی:

''گلہائے رنگارنگ برنگ خوبانی شوخ و شنگ جلوہ گر طنازی ایک سو چشمۂ آب مصفا جاری کہ لطافت چشمۂ کوثر سے ہمکنار تھا بہ نظارۂ کل زمینِ مینونشان و چشمۂ خوشتر نورِ آبِ حیواں سے آب تازہ جوے خاطر پژمردہ میں بھرا فرش مخمل سبزہ کو بستر آسائش قرار دیا و چندروز اس رشکِ روضہ رضواں کو اقامت کدہ کیا''۔

(ورق ۴۴-الف)

ادھر شاہ زادے کی جدائی میں لشکریوں کی اداسی دیکھنے کے قابل تھی۔

نوٹ: ورق ۴۴-الف میں دیگر سطور سے نسبتاً چھوٹے قط میں یہ عبارت تحریر ہے کہ ''فریاد و نالہ کرنا لشکریوں کا بضم مہاجرت شاہزادہ و آخر پھر جانا درگاہ میں شہریار پدر اس دل افگار کے''۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لشکری شہزادہ کے فراق میں مایوس ہوکر مسعود شاہ پدرِ شہزادہ کے پاس گئے جب کہ اگلی عبارت اس کی نفی کرتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لشکریوں میں شامل کچھ شہزادے، سے محبت کرنے والوں نے اس کی تلاش و جستجو میں دن رات صرف کیے اور سردارِ قافلہ نے لشکریوں کی رائے کے مطابق ایک جگہ قیام کیا اور ماہ رو کی تلاش کا سامان کیا اور وہ اس کے غم میں رو رو کے یہ اشعار پڑھتے تھے۔

اس کے بعد ۱۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۴ اور ۴۵-الف پر موجود ہیں:

برق وش بن یہ ہے عشاق کو غم آپس میں — ابرساں روتے ہیں مل مل کے بہم آپس میں

گل کا دل چاک ہے اور گریہ کناں ہے بلبل — رکھتے ہیں عاشق و معشوق اَلم آپس میں

ہائے دنیا سے گیا کون سگھڑ جو اک بار — زیریں بے طرح مچاتی ہیں یہ بم آپس میں

یاں تلک کسرتِ افسوس ہوئی عالم کو — ہاتھ لوگوں کے سدا رہتے ہیں تھم آپس میں

اب فرآسو و نصیر اور فراق و دلسوز — مرثیہ رو رو سدا کہتے ہیں ہم آپس میں

ان لشکریوں میں سے کچھ لوگ بادشاہ کے حضور پہنچے اور حقیقت احوال بیان کیا بادشاہ کے پاس سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا۔

تصویر حاضر ہونا لشکریوں کا غمِ ماہ رو میں حضورِ بادشاہ کے و عرضِ حال کرنا ان دونوں گم گشتوں کا

(ورق ۴۵)

ادھر ماہرو اور دل افروز نے اس سرزمینِ گلگشت سے کوچ کیا اور سفر کرتے ہوئے دریائے نور تک جا پہنچے اور ایک سوداگر کی مدد سے کشتی پر سوار ہوئے۔ خاصی مسافت کے بعد ایک صحرا میں پہنچے جہاں پانی ناپید تھا سوائے اشکِ چشمِ تر کے۔ سورج کی تپش نے انھیں مجبور کیا اور انھوں نے ایک درخت کے سائے میں پناہ لے لی اس طرح رات ہوگئی۔ صبح ہونے کا اعلان فرآسو کی زبانی:

''صبحدم نقارچی چرخِ عنبریں نے زرین کوش آفتاب بامِ مشرق پر دوالِ خطوطِ شعاعی سے بجایا وہ رونوردانِ وادیٔ شیدائی و قافلہ سالارانِ صحرائے بے نوائی پیشتر راہی ہوئے۔''

(ورق ۴۶-الف)

خاصی مسافت طے کرنے کے بعد دریا کے کنارے پہنچے جب انھوں نے محسوس کیا کہ دریا عبور کرنا ناممکن ہے تو مجبوراً دریا کے کنارے قیام پذیر ہو گئے اور کسی کشتی کا انتظار کرنے لگے چند روز بعد ایک تاجر اسباب تجارت کے ساتھ اس جگہ پہنچا دونوں کو اس تاجر کا دم غنیمت لگا وہ تاجر مسعود شاہ کا دوست تھا اس نے شاہزادے کو پہچان لیا اور جانثار کی طرح اس کا احوال دریافت کیا کہ اسطرح کا دشوار گزار سفر کرنا کیا بھلا ہے۔ جواباً شہزادے نے آہ بھری اور کہا۔

اس کے بعد ۳ر اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۶ اور ۴۷-الف پر موجود ہیں:

دیوانگی کی اپنی تدبیر ہے اور میں ہوں　　　اب زلف پری رو کی زنجیر ہے اور میں ہوں

(ورق ۴۶)

دوری میں مرے دل پر گزرے ہے سو کیا کہیے　　　ہر دم ترے ملنے کی تقدیر ہے اور میں ہوں

ہر رات یہی نقشہ ہے دھیان ترا اور میں　　　ہر روز یہی صورت تصویر ہے اور میں ہوں

(ورق ۴۷-الف)

سوداگر کو سن کر بہت افسوس ہوا۔ آخر کار دونوں کشتی پر سوار ہوئے اور خاصی مسافت کے بعد سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچ گئے۔

نوٹ: کاتب نے نسبتاً چھوٹے قط میں یوں تحریر کیا ہے'' آنا بادِ مخالف کا کشتی پر و ساحل سلامتی پر پہنچنا دونوں کا موجِ دریا خیز سے روانہ ہونا وزیرزادے کا برائے جستجوئے آب طرف بیاباں کے و گرفتار ہونا شہزادے کا بدستِ جانستاں سرخیل پری زاداں کوہ قاف کے''

(ورق ۴۷)

درمیان میں اس طرح کی عبارت کا آجانا ہر چند کہ عبارت کا سرنامہ ہی کیوں نہ ہو تسلسل میں فرق پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

کشتی پر روانگی کے دوران طوفانِ باد و باراں نے کشتی کو غرق کردیا سوداگر کہ جو الگ کشتی میں تھا مال کی تباہی پر افسردہ ہوا اچانک دوسری کشتی پہاڑی جزیرے کے نزدیک پہنچی ناخدا نے بہت کوشش کی کہ کشتی سلامت گذر جائے لیکن وہ پہاڑ سے ٹکرا گئی اور اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔

تصویر دریائے شور و تباہیِ کشتی بابا سوداگر و تصویرِ ماد رو و دل افروز بر تختۂ پارہ رواں برروئے آب
(ورق ۴۷)

شہزادہ اور دل افروز اس طوفانِ بلا خیز میں دریا میں تختہ پر سوار اپنے نصیب یا تقدیر سے گلہ کرتے ہیں روتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ۱۰/ اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۸-الف اور ۴۸ پر موجود ہیں:

دیا تمکوں دل ہم نے جانی عبث — یہ کی رائگاں نوجوانی عبث
خفا مجھ سے رہتا ہے جانی عبث — جہاں میں ہے اب زندگانی عبث
(ورق ۴۸-الف)

فراسو کوئی روز کی زیست پر — جہاں میں ہے یہ شادمانی عبث
(ورق ۴۸-الف)

مختصر یہ کہ بعد ایک رات دن کے وہ تختہ کنارے لگا اور وہ دونوں سجدۂ شکر بجالائے اور پھر مسافت شروع کردی۔ ان کا گذر صحرا سے ہوا و تین فرسنگ کے بعد سرسبز علاقے میں پہنچے جگہ جگہ پھول کھلے ہوئے تھے۔ پھل دار درخت جابجا نظر آتے تھے۔ ہر طرف زندگی کی ہمہ ہمی رقص کناں تھی۔ جسے دیکھ کر دونوں اپنے مالک کے شکر گذار ہوئے۔

اس کے بعد سراپا در صفتِ باغ کے عنوان سے ۸/ اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۴۸ اور ۴۹-الف پر موجود ہیں:

جھومتے تھے شجر وہاں جو سبز — دل بھی دیکھے سے جن کے ہو سرسبز
(ورق ۴۸)

ایسی رنگت کا تھا گل و صحرا جائے دیکھے سے جس کے دل لہرا
کہیں تھا موگرا کہیں بیلا اور کہیں کیوڑا تھا البیلا
زیادہ اب اس کا کیا کروں میں بیاں رشک جنت تھا وہ غرض بستان

(ورق ۴۹-الف)

(زیادہ بروزن زادہ استعمال کیا گیا ہے زیادہ کو پیالہ کی طرح برتا گیا ہے ممکن ہے عہدِ فراؔسو میں اس لفظ کا چلن یہی ہو۔)

وہ دونوں اس قدرتی ضیافت سے شکم سیر ہوئے بعد ایک دو ہفتہ دونوں تازہ دم ہوئے اور پھر سفر شروع ہوا اور ان کا گذر ایسے بیاباں سے ہوا کہ جہاں دور دور تک کوئی ذی نفس دکھائی نہ دیتا تھا۔ سورج کی تپش سے دونوں نے نڈھال ہو کر ایک درحت کے نیچے پناہ لی اس وقت پیاس کی شدت سے شہزادے کی زبان تالو سے نہ لگتی تھی۔ فراؔسو کی زبانی:

''شاہزادہ کی زبان تالو سے نہ لگتی و گرمیٔ آتش عطش سے نفسِ شیریں جلتا تھا۔ لاچار وزیرزادے نے آب تسکیں سے اس کے شعلۂ اضطراب کو سرد کر کے جہت تلاشِ آب روانہ ہوا ہر چند مانندِ آب ہر طرف قطرہ زنی کی مگر سوائے سراب نشانِ آب نہ پایا''۔

(ورق ۴۹)

وزیرزادہ (دل افروز) پانی کی جستجو میں جگہ جگہ پھرا بالآخر ایک جگہ وہ بھی نڈھال ہو کر گر گیا اور اس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ جیسے تیسے ماہ روتک پہنچ سکے۔ ادھر ماہ رو نے دل افروز کے انتظار میں ایک دن گذار دیا اور خود بھی پانی کی تلاش میں سرگرم ہوا لیکن کہیں اسے پانی میسر نہ آسکا۔ پھر اسے خوف بھی تھا کہ وہ تنہا اس ہولناک صحرا میں کس طرح رات گذارے گا۔ اتنے میں اسے بہت بڑا درخت نظر آیا اور وہ اس عظیم درخت پر پناہ گزیں ہوا۔ اتفاق یہ ہے کہ وہ ہولناک صحرا پری زادوں کی گذرگاہ تھا۔ اکثر اوقات پری زادوں کی تقاریب اس درخت کے نیچے منعقد ہوتی تھیں۔ اچانک شام کے وقت ایک مرد ٹوکری اور جھاڑو لیے درخت کے نیچے آموجود ہوا اور بہت اچھی طرح اس نے صفائی کی اور چند سقے آئے جنہوں نے عرقِ گلاب چھڑک کر زمینِ صحرا کو معطر کیا اور پھر ایک سائبان تان دیا گیا نیز درخت کے نیچے ایک آراستہ مسند بچھا دی گئی۔ ماہ رو چاند کی روشنی میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور حیران تھا کہ

اس لق ودق صحرا میں یہ انسان کی شکل میں کون لوگ ہیں کچھ دیر بعد پری زادوں کی سردار جانستان پری اڑن کھٹولے پر سوار اس جگہ نمودار ہوئی اور شاہی مسند پر درخت کے نیچے جلوہ فرما ہو کر اس نے حکم دیا گانے والیاں، رقاصائیں اور سازندے مع سامانِ طرب حاضر ہوں اس اعلان کے ساتھ ہی سب حاضر ہوگئے اور بزمِ طرب سج گئی ماہ رو یہ سب دیکھ رہا تھا اور فراق مہر نگار میں بے اختیار تھا۔

اس کے بعد ۸ر اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

| | |
|---|---|
| مجنوں کی طرح مجھ کو دیا دیس نکالا | اے عشق بتانِ سلمہ اللہ تعالیٰ |
| جیوں برق چمکتا ہے پڑا اے مہِ عالم | بالا ہے ترے کان کا ہالہ سے نرالا |
| ارمان رہا اس کے ہی ملنے کا فراسو | اس نے نہ کہا ہائے کبھی اس کو بلالا |

(ورق ۵۰)

اس کیفیت میں ماہ رو کے آنسو جاری تھے اور یہ آنسو جانستان پر گرے جانستان کو سوزش ہوئی اور بے اختیار اس نے کہا کہ یہ قطرۂ گرم کس بادل کا ہے کہ جس نے میرے تن میں آگ لگادی ہے۔

تصویر درخت و میان برگہائے درخت ماہ رو و تصویر جانستان با پری زاداں و سامانِ رقص در صحرا

(ورق ۵۱-الف)

جانستاں کی نظر درخت کے اوپر گئی تو اس نے دیکھا کہ درخت پر ایک انسان موجود ہے۔ اس نے پوچھا کہ اے جوان مسافر تو کہاں سے آیا ہے اور کس کے غم میں تو نے یہ آنسو بہایا ہے۔ ماہ رو یہ سن کر چپ رہا۔ جانستان نے خدمتگار کو اشارہ کیا تا کہ ماہ رو کو درخت سے اتار کر اس کے پاس لائے جانستان نے جو ماہ رو کا حسن و شباب دیکھا تو وہ بھی ہر چند کہ پری تھی اس کے عشق میں مبتلا ہوئی اور مستی سے اس نے پوچھا کہ اے جوان کچھ اپنا اتا پتہ دے کہاں کا رہنے والا ہے اور کس کے غم میں مبتلا ہے۔ شہزادہ اتنے اصرار پر بھی چپ رہا۔ جانستاں کہ اس کے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ وہ اسے اپنے ساتھ پرستان لے جائے نہ چاہتے ہوئے بھی شہزادے نے فریاد کی کہ اے ظالم میرے زخم پر نمک مت چھڑک اور میرے دل کو غم کی آگ سے مت جلا کہ میں اس صحرا میں زندگی بسر کروں اور محبوبہ کی یاد میں مروں ۔ جانستان نے زبردستی شہزادے کو اپنے ساتھ تخت رواں پر بٹھایا اور

پرستان لے اڑی جانستان نے اپنے باغ میں شہزادے کو اس طرح پوشیدہ کیا کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی ماہ رو اس صورتحال میں بے اختیار اشک آنکھوں سے بہاتا ہے اور کہتا۔ اس کے بعد ۳؍اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

کرتا ہوں گریہ اس بن جو کام ہے تو یہ ہے　　آغاز دوستی کا انجام ہے تو یہ ہے

در پر ترے پڑے ہم جیوں نقش پا رہے ہیں　　فرقت زدوں کو تیرے آرام ہے تو یہ ہے

پُر خوں ہے دل فراسو پُر آب چشم تر ہے　　شیشہ ہے یاں تو یہ ہے اور جام ہے تو یہ ہے

(ورق ۵۲-الف)

ماہ رو کی کیفیت جان کر جانستان پریشان ہوئی اور اس کو دلاسہ دیا اور کہا کہ اپنے دل کو پروانے کی طرح مت جلا و شمع کی طرح غم سے خود کو نہ گھٹا اپنے آپ کو خوش رکھ اور اس جگہ کو اپنا گھر سمجھ۔ جانستان کی گفتگو سن کر شہزادے نے جانا کہ رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا اور جانستان بھی صبح و شام اس کی دل جوئی میں لگی رہتی۔ جانستان نے شہزادہ کی تفریح کے لئے مطرباؤں، رقاصاؤں کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کا دل بہلائیں لیکن شہزادہ مہر نگار کے فراق میں آہِ سوزناک دل سے کھینچتا اور کہتا۔

اس کے بعد ایک بیت ہے:

طپش ہے درد ہے گریہ ہے وزاری ہے اور میں ہوں　　تری فرقت میں ظالم اس قدر خواری ہے اور میں ہوں

(ورق ۵۲)

ماہ رو خود کلامی کرتا اور کہتا کہ اے مہر نگار خبر نہیں کہ یہ شب و روز کس کے خیال میں بسر کرتا ہوں لیکن میں آتشِ فرقت سے جل رہا ہوں اور یہ غزل میرے حسبِ حال ہے۔

اس کے بعد ۸؍اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۵۲ اور ۵۳-الف پر ہیں:

اگر دل کو مرے ڈھونڈے کوئی کر چاک سینے میں　　تو پاوے دل کی جا کے اخگرِ آتشناک سینہ میں

(ورق ۵۲)

اسے مت جانیو تو مہر اب اے مہرباں ہرگز　　رکھے ہے داغ تیرے عشق کا افلاک سینہ میں

سبوئے آب لے لے اے فراسو اشک پہنچے ہیں　　یہ بھڑکاتی ہے شعلہ آہِ آتشناک سینہ میں

(ورق ۵۳-الف)

بظاہر جانستان کے سامنے غمگیں نہ رہتا جبکہ جانستان ماہ رو کو اپنی عزت کی خاطر گوشۂ باغ میں مخفی رکھتی مگر رات کو اس سے ملاقات کرتی۔ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا یہ سارا معاملہ لعل پری مادرِ جانستان کے کانوں تک پہنچا لعل پری غضبناک ہوگئی۔ مختصر یہ کہ ایک رات جانستان شہزادے سے ہم آغوش ہو کر آبِ ارغوانی جامِ کامرانی میں بھرتی تھی کہ جاسوس نے رازِ لعل پری پر فاش کیا۔ سیاہ دیو نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لعل پری کو تفصیل سے بتایا۔

تصویر جانستان و ماہ رو در عیشِ شراب نوشی در رسیدن [لال] پری مادرش بر سر او عتاب کردن و جام و صراحی شکستن (ورق ۵۳)

(کاتب نے لعل کو دونوں طرح لکھا ہے لعل اور لال اور یہ صرف اور صرف مادرِ جانستان لعل پری کے ضمن میں ہے۔ اس سے آپ کاتب کی لاپرواہی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔)

لعل پری نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور غصے میں اپنی بیٹی سے بولی کہ تو اپنے ناموس کی دشمن ہے اور فسق و فجور میں مبتلا ہے آگ کو خاک سے کیا نسبت پری کو آدمی سے کیا قربت۔ اور اس نے جانستان کو قید کر دیا اور شاہزادے کو زندان میں ڈال دیا۔ اس ہوش کھو دینے والے سانحے سے ماہ رو پُر سوز نغمہ زبان پر لایا۔

اس کے بعد ایک فرد ہے:

گلہ کس کا کروں خوبی ہے سب اپنے نصیبوں کی ہوا برباد میں اور بن گئی کیا کیا رقیبوں کی

(ورق ۵۴)

اور کبھی یہ شعر پڑھتا:

اتنا تو جا کہے کوئی اس خود پسند کو ناحق ستاتے نہ کسی درد مند کو

(ورق ۵۴)

اور کبھی یہ غزل پڑھتا جو ۵ اشعار پر مشتمل ہے اور ورق ۵۴ پر موجود ہے:

انتظاری نہیں سونے دیتی بے قراری نہیں سونے دیتی

پانی چھڑکے ہو سدا منہ پہ مرے اشکباری نہیں سونے دیتی

مجھکو اس مہ کی فراسو صاحب دوستداری نہیں سونے دیتی

خود کلامی کرتا اور کہتا اے میری بری تقدیر ہجرِ جاناں کیا کم تھا اور اس پر یہ قید میں کس سے فریاد کروں۔ پھر یہ غزل پڑھتا جو ۵/اشعار پر مشتمل ہے:

باغ میں بیٹھے تھے مل مل کبھی مُل برسرِ گل  یا جدائی میں ہم اب کھاتے ہیں گل برسرِ گل
آج کس نے ہے پیا ساغرِ مُل برسرِ گل  کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گل برسرِ گل
وہ فراسو ابھی گلشن میں کرے چاک جگر  کھول دیں ہم یہ اگر ہاتھ کے گل برسرِ گل

(ورق ۵۵-الف)

اور کبھی مہر نگار کی یاد میں یہ غزل پڑھتا جو ۵/اشعار پر مشتمل ہے:

بہ شدت ہے اب بے قراری ہمیں  ستانے لگی تیری یاری ہمیں
ترے ہجر میں حیف جیتے رہے  رہی عمر بھر شرمساری ہمیں
فراسو وفا ترک کیونکر کروں  لگے ہے ادا اس کی پیاری ہمیں

(ورق ۵۵-الف)

جانستان ماہ رو سے الگ جگہ پر قید تھی اور ماہ رو کے فراق میں یوں کہتی تھی۔۲/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

الٰہی یہ دنیا سے اُڑ جائے عشق  نہ ہووے کسی دل کو سودائے عشق
برا حال ہے شوخ ترسا بغیر  کسی کو یہاں تک نہ ترسائے عشق

(ورق ۵۵-الف)

اور کبھی بے قراری میں یوں کہتی۔۳/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

غمِ جدائی سے یاں تک تو ناتوانی ہے  حباب کا بھی جگر دیکھ جس کو پانی ہے
ہمارے دیدۂ ترپر نہ اس قدر تو ہنس  یہ تیرے ہجر کی اے مہرباں نشانی ہے
تری جدائی میں کیا درد و غم کہوں اپنا  کہ صاف مرگ ہے اور نام زندگانی ہے

(ورق ۵۵)

اور کبھی شدتِ ہجر میں یہ غزل پڑھتی جو ۱۲/اشعار پر مشتمل ہے:

| | |
|---|---|
| ہمارے دیدۂ تر اشک برساتے تو کیا ہوتا | سما کے دل میں نالہ بھی سما جاتے تو کیا ہوتا |
| ہمارے گھر کسی دن رات کو آتے تو کیا ہوتا | اسی جا صبح تک آرام فرماتے تو کیا ہوتا |
| عبث رسوا ہوئے عالم میں کر کے آہ وزاری ہم | فراسو اپنے دل کو آپ سمجھاتے تو کیا ہوتا |

(ورق ۵۵)

آنا گیتی آرا کا پاس جانستان کے و رہا کرنا شہزادہ یوسف بجمال کا زنداں سے و رخصت ہونا ماہ رو کا جانستان و گیتی آراء کے واسطے طلبِ مطلوب کے پہنچنا اس کا ایک مکانِ دلکشا و مرغوب میں

(ورق ۵۵)

جانستان اور ماہ رو ایک زنداں میں علیحدہ علیحدہ مقید تھے گیتی آرا پری تمام ماجرا سن کر جانستان کے پاس پہنچی اور حقیقت اس سے پوچھی جانستان نے اسے تمام ماجرا کہہ سنایا اور اپنی کیفیات سے اسے آگاہ کیا کہ میں اس سے ملنے کے لئے بے قرار ہوں گیتی آراء نے جانستان کو تسلی دی اور خود ماہ رو سے ملنے کے لئے زنداں میں پہنچی گیتی آراء نے ماہ رو سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اور تجھے کیوں قید کیا گیا ہے۔ شہزادے نے پرسوز لہجے میں یہ غزل پڑھی۔

۱۲/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

| | |
|---|---|
| کیا ہے جب سے مجھے اس نے مبتلائے فراق | برنگِ نے مرے لب پہ ہے ہائے ہائے فراق |
| ہماری جان اب آنکھوں میں آ کے ٹھہری ہے | خدا ہی جانے کہ اب آگے کیا دکھائے فراق |
| کیا ہے جیسا فراسو کو ناتواں ایسے | نہ ایسا دکھ تو کسی کو بھی اب دکھائے فراق |

(ورق ۵۶)

ماہ رو نے کہا کہ میری قید کی داستان جگر سوز ہے میں بے قصور ہوں اور مشیّتِ ایزدی سے اس زنداں میں قید ہوں گیتی آراء نے اس کا نام اور احوال تفصیل سے جاننے کی خواہش ظاہر کی تو شہزادے نے تمام احوال سے اسے مطلع کیا۔ سن کر گیتی آراء نے شہزادہ کو پہچانا اور اس سے کہا کہ اے خانہ خراب یہ تمام فتنہ اٹھایا ہوا میرا ہے اور اسے اپنی تمام کارگزاری سے آگاہ کیا اور شہزادے نے جو کچھ خواب میں پایا تھا شہرِ نقشِ جہاں کے حوالے سے

گیتی آراء نے تصدیق کی ۔اس کے بعد گیتی آراء جانستان کے پاس آئی اور شہزادے کا تمام احوال اسے بتایا۔ جانستان گیتی آراء سے مخاطب ہوئی کہ اب کس طرح اس صورتحال سے نجات پائی جائے۔

تصویر گیتی آراء روبروئے لعل پری مادرِ جانستان

(ورق ۵۸-الف)

گیتی آراء نے جانستان سے کہا کہ دیکھ میں کس طرح ان معاملات کو سلجھاتی ہوں۔ جانستان سے رخصت ہو کر لعل پری کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ افسوس ایک بے گناہ کو بغیر تحقیق قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ تجھے صرف جانستان کی عزت کا خیال تھا جبکہ تو جانستان سے کہتی تھی کہ جس کو دل خواہش کرے جفت اپنا کروں۔اب جانستان محبت میں گرفتار ہوئی اس پر ظلم وزیادتی کرنا آئینِ مصلحت سے بعید ہے۔اس سے قطع نظر وہ بیچارہ جوان خود اس فعل کا مرتکب نہیں ہوا نہ اس نے جانستان کو ترغیب دی۔اسے کس جرم میں قید کیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ سارا قصور میرا ہے کہ یہ سیاہ دن میں نے اس آوارہ خانماں کو دکھایا۔لعل پری یہ ماجرا سن کر حیران ہوئی اس نے گیتی آراء سے کہا تفصیل بیان کی جائے گیتی آراء نے تفصیل اول تا آخر سب کہہ سنایا یہ سن کر لعل پری نے کہا کہ لے یہ زندان کی چابی ہے اسے اپنے ہاتھ سے رہا کر۔گیتی آراء نے فوراً زندان میں جا کر شہزادہ کو رہا کیا اور جانستان سے جا ملایا۔ جانستان دولتِ وصالِ شہزادہ سے کامران ہوئی۔ بزمِ طرب آراستہ کی شب وروز ماہ رو کے دیدار اور گیتی آراء کی باتوں سے اچھے دن گزرنے لگے۔شہزادہ جانستان کے تابع ہو گیا۔مختصر یہ کہ ایک روز بزمِ طرب آراستہ تھی ناؤنوش کی محفل جمی ہوئی تھی کہ سب سفینے پر سوار ہو کر سیر وتماشے کے لئے نکلے اور مذکورہ مجلس سفینے پر ہی آراستہ کی گئی۔

تصویر دریا ومیان کشتی بارقص وتماشائے چراغاں وشکل پریزاداں وجانستان وگیتی آرا وبیتابی کردن ماہ رو

(ورق ۵۹)

دورانِ سیر دریا بارش نے شہزادے کو عجب کیفیت سے دوچار کر دیا اس کیفیت میں ماہ رو اپنی جان کے درپے ہو گیا۔ جانستان اور گیتی آرا اس کی کیفیت پر حیران ہوئیں اور اسے دلاسا دیا اور کہا اے رخشندہ گوہر بحر زیبائی مایوس نہ ہو فضلِ ایزدی جلد تیرا مقصود پورا کرے گا۔ یہ سن کر ماہ رو خوب رویا گیتی آرا اور جانستان اس دیوانے کو اپنے ساتھ باغ میں لے آئیں۔ تسلی سے اس کا جنون کم کیا شہزادے نے کہا کہ اب میرے دل بے قرار کو کسی صورت قرار نہیں۔ گیتی آرا نے کہا اپنے آپ کو اذیت دینا ترک کر دے میں جہاں آرا سے مہر نگار کا پتہ پوچھوں گی اور تجھے اس تک پہنچا دوں گی۔ شہزادے کو گیتی آرا کی اس بات پر یقین نہیں آیا۔ اسے یہ خیال گزرا کہ جانستان مجھے ہمیشہ قید رکھنا چاہتی ہے ان اندیشوں کے پیش نظر اس نے گیتی آرا سے کہا میں نہیں چاہتا کہ اپنی آسانی کے لئے تیری مدد لوں اور عشق کا تقاضہ بھی یہ نہیں ہے کہ میں محبوب کو تلاش کرنے میں کسی کی مدد کا طلبگار ہو جاؤں محبت میں غم خوشی سے بہتر ہوتا ہے۔ جب گیتی آراء کو یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ کسی صورت بھی راضی نہ ہوگا تو اس نے ایک انگوٹھی ماہ رو کو دے کر کہا جب میری ضرورت پڑی تو اسے آگ دکھانا میں فوراً حاضر ہو جاؤں گی۔ ماہ رو نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی اور وہ سورۂ اخلاص پڑھ کے محبوب کی یاد میں سفر پر روانہ ہوا۔ جانستان نے اسکی روانگی کے موقع پر یہ اشعار پڑھے۔

۲/ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

تیرے بن چین مجھے یار نہیں ہونے کا　　نہیں ہونے کا یہ زنہار نہیں ہونے کا
شوق سے جور و ستم کیجے فراسو پر آپ　　اس کا دل آپ سے بیزار نہیں ہونے کا

(ورق ۶۱-الف)

اس کے بعد جانستان نے کہا اے میری زندگی کا سبب تیرے فراق میں صبر کہاں سے لاؤں گی۔ شہزادے نے کہا دل چھوٹا نہ کر بہت جلد تجھے آملوں گا۔ اپنے مقصود کے حصول کے بعد۔ جانستان یوں بولی کہ تیری خاطر بارِ غم ہجر اٹھاتی ہوں چار و ناچار فراق کا زہر کھاتی ہوں۔ جس وقت تو اپنی مہر نگار کو پالے تو مجھ کو بھول نہ جائیو۔ جانستان اور گیتی آراء نے آنسوؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔

تصویر ماہ رو بالائے تخت برسرِ دیوان

(ورق ۶۱)

شہزادہ تخت پر بیٹھ کر بلند ہوا مسافت دراز طے ہوئی ایک مقام نزہت گاہ میں پہنچا وہ جگہ جنت نظیر تھی۔ یہاں فراسو کا بیان گذشتہ اوراق میں بیان کیے گئے ایسے مقامات سے مماثلت رکھتا ہے۔
۶/ اشعار مثنوی کی ہیئت میں ہیں:

شجر اس باغ کے ہر جا پر اثمار  کریں تعظیم جھک خلقت کی سو بار
کھڑی بوٹی گلوں کی پر نزاکت  چمن کی تک رہی باہم لطافت
وہ رنگیں سرو اس کا بوستاں تھا  کہ ہر تختہ کتابِ گلستاں تھا

(ورق ۶۲-الف)

اس گلستانِ فردوس نشان کا نظارہ کر کے خرم ہوا اور اس نے پری زادوں سے کہا کہ یہاں سے تم اپنی راہ لو اور ماہ رو اس گلستان میں اتر گیا اور پری زاد روانہ ہو گئے۔

گزر کرنا اس گلدستہ بند سودا کو باغ فرحت افزا میں و دوچار ہونا مہ جبیں حور لقا سے و مارنا عفریت نافرجام کا
(ورق ۶۲)

اس عبارت کے بعد فراسو یوں رقم طراز ہے کہ
''گلچیں نے چمن زار سخن گلہائے مدعا کو اس رنگ سے دامنِ بیاں میں پر کرتا ہے''

(ورق ۶۲)

چند روز شہزادہ اس جگہ قیام پذیر رہا اس باغ کے مناظر اشجار، پھل، پھول سے لطف اندوز ہوا مجبوراً محبوب کی یاد میں وہاں سے روانہ ہوا اور مہر نگار کی یاد میں یہ اشعار پڑھتا۔
۲/ اشعار رباعی کے ورق ۶۲-الف اور ۶۲ پر موجود ہیں:

چاہت نے کیا فراسو اس کی یہ حال  عقبیٰ کا نہ غم رہا نہ دنیا کا خیال
خواب و خرد و ہوش ہوئے سب رخصت  ہے جانِ حزیں پہ زند گانی ہے وبال

اور پھر اس کے خیال میں یہ غزل پڑھتا جو ۴/اشعار پر مشتمل ہے:

چھوڑا نہ ناتوانی نے کچھ میرے تن کے بیچ — ہے دم ہی دم حباب نمط پیرہن کے بیچ

مرجاؤں انتظار میں اس کے تو دوستو — میری وصیت آئے تری انجمن کے بیچ

لپٹے ہو شب فراسو کسی گلبدن سے تم — آتی ہے بوئے گل جو تمہارے بدن کے بیچ

(ورق ۶۳-الف)

وہ سفر کرتا ہوا ایسے دشت میں پہنچا کہ جہاں جابجا ببول کے کانٹے اس کی راہ کا کانٹا بنے ہوئے تھے بدقت چلتا تھا۔ بے قراری وگریہ وزاری اس کے وجود کا حصہ ہو چکی تھی۔ بے قرارانہ یہ اشعار زبان پر لاتا۔

۸/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۶۳-الف اور ۶۳ پر موجود ہیں:

کرو گر دید سینہ پر مرے زخمِ نمایاں کی — نہ حسرت پھر رہے ہرگز تمہیں سیرِ گلستاں کی

ہمیشہ سیر اپنے دامنِ گلگوں کی کرتی ہو — کبھی پوچھی نہ کیفیت مرے چاکِ گریباں کی

(ورق ۶۳-الف)

تمہاری یاد میں شام وسحر رہتا ہے وہ مضطر — فراسو کو خبر ہرگز نہیں اپنے دل و جاں کی

(ورق ۶۳)

کبھی فلکِ ستم گر سے کہتا کہ اے جفا کار خدا کے لئے میرے حال پر رحم کر میرے زخم پر مرہم لگا بے اختیار ہو کر رو رو کے کہتا۔

۶/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۶۳ اور ۶۴-الف پر موجود ہیں:

ہمارے دیدۂ تر سے خجل ابرِ بہاری ہے — دلِ پر داغ کو دیکھوں گلِ لالہ کی کیاری ہے

محبت کی عبث ہم نے دلا بیمار چشموں سے — نہ پرسش نہ عیادت نہ کبھی تیمار داری ہے

(ورق ۶۳)

فراسو داغِ دل رہتا ہے تازہ مثلِ گل اپنا — دمِ سرد اپنا ہے یاری کہ یہ بادِ بہاری ہے

(ورق ۶۴-الف)

سورج کی حدت سے وہ بے حال ہوا اور تیزی سے اس نے ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لی خدا کا شکر بجا لایا کہ ایسی حدت میں کچھ کمی واقع ہوئی وہاں سے وہ چل پڑا ایک وشتِ پرخار سے گزر کیا ایک مقام پر پہنچا ہر جگہ سبزہ وگل کی فراوانی پر مسرور ہوا اب اس کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ رگِ گل کو بھی خار جانتا تھا۔ حیران و پریشان بیخودی کے عالم میں رو رو کر کہتا تھا۔

اس کے بعد ایک فرد ہے:

ان دنوں ہم نے جنوں کی وہ طرح ٹھانی ہے ‏ ‏ ‏ روح مجنوں بھی جیسے دیکھ کے دیوانی ہے

(ورق ۶۴-الف)

اور کبھی غم تنہائی سے یہ رباعی پڑھتا تھا:

جو ہم پہ گزرتی ہے صنم کیا جانے ‏ ‏ ‏ یہ درد و الم اور یہ غم کیا جانے
کب ہم سے بہم ہوگا صنم کیا جانے ‏ ‏ ‏ تقدیر میں جو لکھا ہے ہم کیا جانے

(ورق ۶۴-الف)

خاصی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک دلکش مقام پر پہنچا کہ جہاں باغ اور نہریں رواں تھیں۔

صفتِ گلشن میں ایک فرد:

وہ کنجانِ اشجار طوبیٰ لقا ‏ ‏ ‏ [وہ] گہر آسا سایہ وہ ٹھنڈی ہوا

(ورق ۶۴)

(مصرعہ ثانی کے شروع میں وہ کا اضافہ کاتب کی کارفرمائی نظر آتا ہے ورنہ وہ کے بغیر مصرعہ وزن میں ہے۔)

درمیان اس باغ کے اسے ایک گھر نظر آیا جو اپنی مثال آپ تھا۔

اشعار در صفتِ مکان۔ تین اشعار مثنوی کی ہیئت میں:

میانِ باغ تھا رنگیں مکاں ایک ‏ ‏ ‏ مکاں کیا کہ تھا گلستاں ایک
عجب دلچسپ وہ بارہ دری تھی ‏ ‏ ‏ جو چھجا اُس کا تھا بالِ پری تھی
اب چشمہ طرح یہ اس کی رنگیں ‏ ‏ ‏ کہ جوں کوثر پہ ہو قصرِ بہشتی

(ورق ۶۴)

اس دلکش مکان میں ایک منقش پلنگ بچھا تھا اور اس پر ایک حسین نازنیں محوِ خواب تھی۔ اس جگہ فراسو نے اس نازنیں کا سراپا بیان کیا ہے۔ نیز سراپائے مہ جبیں کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

۷/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

| | |
|---|---|
| غنچہ سا منہ تھا اور گال پری | اور مہندی سے ہاتھ لال پری |
| قد و قامت غضب ادا کافر | گات بھی چاند سے کمال پری |
| کیوں نہ ہووے فراسو دیوانہ | کہ صدا پر ہو بول چال پری |

(ورق ۶۵-الف)

اس کے نزدیک پھول کی دو شاخیں رکھی ہوئی تھیں اور خود بے ہوش تھی۔

تصویر باغ و مکان و درمیانِ مکان پلنگ و بالائے پلنگ نازنیں خفتہ و ہر دو پہلوئے نازنیں دو شاخ گل سفید و سرخ و شاہزادہ بر سر ایستادہ

(ورق ۶۵)

شہزادے نے تجسس سے دونوں گل کی شاخوں کو تبدیل کیا فوراً وہ نازنیں بیدار ہوئی اور دیوانہ وار شہزادے سے پوچھا کیا تو یوسف کنعاں کا ہے تو کس مصیبت میں گرفتار ہوا جو یہاں آ پہنچا۔ شہزادے نے اشعار کی صورت میں اپنا احوال بیان کیا۔

اس کے بعد ۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

| | |
|---|---|
| آ پڑا جن سے ہمیں شوخ دلارام سے کام | صبر سے کام نہ کچھ ہم کو نہ آرام سے کام |
| دین و دنیا سے غرض کر دیا ناکارا ہمیں | ہوگیا جب سے ہمارا بُتِ خود کام سے کام |
| تیری آنکھوں کا تصور ہے فراسو کو سدا | کام نرگس سے نہ کچھ نہ گلِ بادام سے کام |

(ورق ۶۶-الف)

اپنا احوال بتا کر ماہ رونے اس نازنیں کا احوال پوچھا اس نے کہا کہ میری ماں نے میرا نام مہ جبیں رکھا اور باپ میرا بہرام شاہ شہریار ولایت نو آباد کا تھا۔ اس کی دسترس میں کیا کچھ نہ تھا کہ اچانک ایک عفریت قوی ہیکل کہ اس کی ہیبت سے بڑے بڑے سور ماؤں کا پِتّا پانی ہو جائے وہ ہماری ولایت میں آیا اور آہستہ آہستہ تمام خلق کو کھا گیا ۔ اور پھر وہ مجھے اس صحرا میں لے آیا اور اس باغ میں بٹھایا اور شاخہائے گل پر اس نے جادو کیا اور میرے قریب رکھیں ہر رات وہ یہاں آتا ہے۔ شاخوں کو تبدیل کرتا ہے اور میں لاچار تمام رات اس کا پہلو گرم کرتی ہوں۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس کے ساتھ شطرنج کھیلتی ہوں وہ دیو قدیم دستور کے مطابق شاخوں کو تبدیل کر کے بے ہوش کرتا ہے اور بیاباں کی راہ لیتا ہے۔ ایک زمانے سے میں اس مصیبت میں گرفتار ہوں خدا معلوم کہ مجھے یہاں سے کب نجات ملے گی میں نے تو تجھے سب کچھ بتا دیا اب تو بتا اس زندان میں تو کس طرح آ قید ہوا اور کس لئے تو نے یہاں کا قصد کیا شاہزادے نے سن کر کہا۔

۷/ اشعار غزل کی ہیئت میں:

| | |
|---|---|
| ہمارے مرنے کا کرتے ہیں دوستدار افسوس | ولے نہ اس نے کیا ہائے ایک بار افسوس |
| جو عندلیب ہزار اب کرے ہزار افسوس | تو گوش گل نہ سنے اس کا ایک بار افسوس |
| گئے جو دید کو پاس اس کے کل فرآسو ہم | دیا نہ بزم میں اپنی ہمیں وقار افسوس |

(ورق ۶۷-الف)

شاہزادے نے تمام سرگزشت اپنی اسے سنائی تو مہ جبیں نے کہا جس جگہ سے تو واقف ہی نہیں ہے وہاں کا کس طرح سے سراغ لگائے گا فریاد کی طرح اپنی جان کے درپے نہ ہو جواباً ماہ رونے یہ اشعار پڑھے۔

۵/ اشعار غزل کی ہیئت میں:

| | |
|---|---|
| برنگِ حلقۂ در چھوڑیئے نہ خانۂ دوست | جبین اپنی ہے اور سنگِ آستانۂ دوست |
| ہر ایک مثل زلیخا ہو دید کا مشتاق | اگر میں بزمِ بتاں میں کہوں فسانۂ دوست |
| برنگِ زلف اسے روسیہ کریں گے ہم | ہمارے ہاتھ لگے گا کبھی تو شانۂ دوست |

(ورق ۶۷

مہ جبیں نے شاہزادے کا حال دیکھ کر یہ اشعار پڑھے۔

۳/اشعار غزل کی ہیئت میں:

| | |
|---|---|
| کیا فائدہ جو آئی چمن میں بہار آپ | ہم اے صبا ہیں گل کے نمط دلفگار آپ |
| کیونکر نہ میری خاک کو برباد تم کرو | ہے اب سمندِ ناز کے اوپر سوار آپ |
| کرتے ہیں دامِ زلف میں لاکھوں ہی دل کو بند | بیٹھے ہمیشہ کھیلیں ہیں گھر میں شکار آپ |

(ورق ۶۷)

آگے فرآسو کی زبانی:

''ہیہات ہیہات تو اپنی راہِ مطلب پر قدم قدم ڈالے اور مجھ کو اس بلا سے نکالے چاہتی ہوں کہ چندے اس مکان کو چشمِ عنایت سے منور کر اور میرے دیدہ ندیدہ کو اپنے دیدار سے جلوہ کر۔ دل شاہزادہ اس کی گفتارِ آتش بار سے بسانِ کباب سیخ آہ پر جلا و کام ناکام بہ پاسِ خاطر اس ناامید کے چندے قیام اختیار کیا''۔

(ورق ۶۸-الف)

دن تمام ہوا اور دیو کے آنے کا وقت آ پہنچا مہ جبیں نے کہا کہ اے ماہ رو وقت کا تقاضا یہی ہے کہ شاخِ یمین کو شاخِ یسار سے بدل کر تو غار میں جا کر چھپ جا اور صبح مجھ بدقسمت کو بیدار کیجیو ماہ رو اس کی مرضی کے مطابق عمل کر کے غار میں جا چھپا دو تین گھڑی شب گزری وہ دیو اس مکان میں آیا اور مہ جبیں کو بیدار کیا سیب اور انار وہ اس کے لئے لایا تھا مہ جبیں نے اس میں سے کچھ کھائے اور کچھ شہزادے کے لئے چھپا کر رکھ دیئے۔ دیو جو مہ جبیں پر عاشق تھا شطرنج میں مشغول ہوا۔ آگے فرآسو کی زبانی:

''جو شطرنج باز ماہ نورانی نے مہرہ ہائے نجوم کو فروزہ بساطِ آسماں سے اٹھایا دیو نے بساطِ شطرنج لپیٹ کر اس دولت بیدار کو خواب میں کہا اور آپ طرف بیاباں گیا''۔

(ورق ۶۸-الف)

شہزادہ دیو کے جانے کے بعد مہ جبیں کے پاس آیا اور اسے بیدار کیا۔ مہ جبیں نے سیب اور انار سے اس کی تواضع کی مہ جبیں نے ماہ رو سے اصرار کیا کہ کوئی تدبیر کر جو اس مصیبت سے چھٹکارہ ملے۔ ماہ رو نے کہا کہ اس کے علاوہ چارہ نہیں کہ ہم دونوں پوشیدہ ہو کر چند روز گزاریں جو دیو تجھ پر عاشق ہے جس وقت تجھ کو اس مکاں میں نہ

دیکھے گا غم سے سر پہاڑ پر مارے گا اور خود اپنا خاتمہ کر لے گا یا خود یہاں سے وہ چلا جائے گا۔ یہ سوچ کر دونوں غار میں چھپ گئے اور غار کے دہانے پر گھاس پھوس ڈال دیا شام کے وقت دیو واپس آیا اور اس پری رخسار کو اس جگہ نہ دیکھ کر ہر جگہ تلاش کیا کبھی صحرا کے درختوں کو جڑ سے اکھاڑتا اور کبھی آسمانی بجلی کا سا شور مچاتا وہ دونوں غار میں چھپے دیو کے خیال سے خوف زدہ تھے وہ عفریت کبھی مشرق سے جنوب کی طرف اور کبھی جنوب سے شمال کی طرف نعرہ مارتا پھرتا تھا۔ اسی عالم میں تمام رات گزری جب دیو بالکل مایوس ہوگیا تو اس نے غصے میں اپنا سر پہاڑ پر مارا اور ایک دم اس کی جان اس کے قالب سے پرواز کر گئی تین روز تک وہ دونوں غار میں چھپے رہے چوتھے روز جرأت کر کے غار سے باہر آئے تو دیکھا کہ دیو کی لاش پہاڑ پر پڑی ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی حیرت ناک تھی وہ دونوں خدا کا شکر بجالائے۔ مہ جبیں نے شہزادے سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرا ملک پھر دوبارہ سے آباد ہو اور تجھ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو ماہ رو نے کہا دل چھوٹا نہ کر جلد تیری مایوسی دور ہوگی۔

تصویر کشتہ ہونا دیو کا میانِ باغ و ملاحظہ کرنا مہ جبیں نازنین و ماہ رو کا

(ورق ۶۹)

قصہ مختصر یہ کہ وہ دونوں وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک لق ودق صحرا میں پہنچے وہاں رات ہوگئی اور اچانک بارش ہونے لگی اور کہیں انہیں جائے پناہ نظر نہیں آئی دونوں اپنی قسمت کا رونا روتے تھے کہ اس بارش نے ان کا سب کچھ تباہ کر دیا اچانک آسمان سے ژالہ باری شروع ہوگئی۔ ژالہ باری اور پانی کے خوف سے چٹان کے نیچے چھپ گئے صبح ہوئی آفتاب کی گرمی سے وہ ہوش میں آئے اور پھر سفر شروع کیا تین روز کی مسافت کے بعد شہر میں پہنچے یہاں پر ماہ رو نے اس سے جدا ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مہ جبیں نے ماہ رو کو مستعدِ سفر دیکھ کر آنسو بہائے اور کہا۔
۳/اشعار غزل کی ہیئت میں:

بہت آسان دل لگانا ہے ایک تھوڑا سا جی کا جانا ہے
جس پری رو پہ دل دوانہ ہے گر وہ جاوے تو کیا بھگانہ ہے
میں جو اشک اپنے آپ بہاتا ہوں یارو اس کا بھی اک بہانہ ہے

(ورق ۷۰)

اس کے بعد بے قرارانہ ہرسو دیکھ کر اس نے کہا:

۳/اشعارِ ریختہ:

مر گئے پر نہ ہوا رام وہ خود کام اپنا — کام اپنا ہوا لیکن نہ ہوا کام اپنا
رام اپنا نہ ہوا وہ بُتِ کافر ہرگز — اور ہم مفت میں کھو بیٹھے ہیں آرام اپنا
اور دے جام فراسو کو ہوس باقی ہے — ہاتھ مت تھام تو اے ساقیِ گلفام اپنا

(ورق ۷۰)

دفعتاً سر پتھر پر مار کر بصد آہ وزاری یہ غزل زبان پر لائی۔

۶/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۷۰ اور ۷۱-الف پر:

کبھی اشکوں کی قطرہ سے نہ دیکھی چشمِ نم خالی — کہ جیسے گنجِ گوہر سے صدف ہوتی ہے کم خالی
یہ کیا اب ابرِ غم چھایا دلِ ناشاد پر یارب — کہ رونے سے نہیں رہتی ہے اک پل چشمِ نم خالی
کسے پرواہ ہے گلزار کی اے غیرتِ گلشن — ترے بن مجھ کو آتا ہے نظر باغِ ارم خالی

شاہزادے نے اس کی دلجوئی کی۔

## تصویر چلنا شاہزادے کا وگریہ وزاری کرنا ماہ جبین نازنین کا

(ورق ۷۱-الف)

اور برق رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر مانندِ نسیم روانہ ہوا اور بہت کم وقت میں زیادہ مسافت طے کرتا ہوا اس کا گزر ایک مرغزار سے ہوا اور اس مرغزار سے متصل ایک صحرا کہ جو سراسر خوف وبیم کی تصویر تھا اتفاق سے اس ملک کا شہزادہ شکار کی غرض سے یہاں آیا ناگاہ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا ہرن تو نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔ یہ سب کچھ ماہ رو ایک درخت پر بیٹھا ہوا خوف کے عالم میں دیکھ رہا تھا تمام رات بے قراری میں گزار کے صبح پھر عازمِ سفر ہوا۔ اور ایسے گلستان میں پہنچا کہ جہاں زندگی گزارنے کے تمام اسباب موجود تھے۔ اس کے باوجود وہ خیال مہر نگار روتا ہوا آخر اپنے مقصد کی جستجو میں مسافت طے کرتا ہوا شام کے وقت اک شہر میں پہنچا دیکھا کہ یہاں خاصے لوگ جمع ہیں

ماہ رو نے پوچھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس ملک کا شاہزادہ جو ماہر شکاری ہے ایک ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آپہنچا ہے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک ایک شیرِ صحرا نمودار ہوا اور دونوں شاہزادوں پر حملہ کر دیا دونوں شاہزادوں نے شیر پر تیروں کی برسات کر دی شیر نے تیر کھا کر اور غضبناک ہو کر ملک زادے کو کہ شہر یار اس ولایت کا تھا مار دیا۔ شہزادہ ماہ رو نے غضبناک ہو کے شیر کو نہایت بہادری سے اپنی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اسد مانند جوزا دو پیکر ہوا مختصر یہ کہ شیر کا کام تمام کر کے اس کی آنکھیں اور کان تراش کے روانہ ہوا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اسے اس ملک کے شاہی کارندوں نے پکڑ لیا اور اس پر الزام عائد کیا کہ تو نے ہی ملک زادے کو مارا ہے ماہ رو نے بہت اصرار کیا کہ وہ بے قصور ہے لیکن اس کی بات نہ سنی گئی مجبوراً شہزادے نے ان سے مقابلہ کیا لیکن وہ تعداد میں اس سے زیادہ تھے۔ لہٰذا انھوں نے ماہ رو کو گرفتار کر لیا۔

تصویر جنگِ ماہ رو و مردمان ملک زادہ سے و کشتہ ہونا چند کسان کا ہاتھ سے ماہ رو کے
و دست بستہ کر کے لے جانا ماہ رو کا پیش بادشاہ کے

(ورق ۷۴-الف)

ماہ رو کو دلا ور شاہ بادشاہ پدرِ ملک زادہ کے سامنے پیش کیا گیا اور شاہی کارندوں نے کہا کہ اس نوجوان نے شہزادہ ملک زادہ کو زر کے لالچ میں قتل کیا ہے۔ یہ سن کر دلا ور شاہ خوب رویا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور بغیر تحقیق کیے کہا کہ اس (ماہ رو) کو فوراً قتل کیا جائے تا کہ مجھے سکون مل سکے۔ شاہی کارندے فوری اس حکم پر عملدر آمد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

تصویر ماہ رو میدان سیاست گاہ واسطے قتل کے لے جانا اور جلاد کا شمشیر کھینچ کر آنا

(ورق ۷۵-الف)

اہلِ شہر نے شہزادے کی شرافت اور جمال دیکھ کر افسوس کیا ہر کوئی اس کی جوانی پر رحم کھاتا اور دل میں کہتا کہ اے خداوندِ تعالیٰ یہ سراسر ظلم ہے۔ جس وقت کہ جلاّدِ خونخوار نے دودھاری تلوار نیام سے کھینچ کر قتل کا ارادہ کیا شہزادے نے سمجھا کہ اب جان نہیں بچتی موت آیا ہی چاہتی ہے اسے اور کوئی تدبیر تو نہ سوجھی اس نے جلاد کو جواہر دے کر مہلت مانگی اور کہا کہ میں بادشاہ کے روبرو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جلاد نے جواہر کا معائنہ کر کے شاہ

زادے ماہ روکو بادشاہ کے حضور پیش کیا بعد ادائے مراتب ماہ رو نے عرض کی کہ مجھ پر ظلم ہے ناانصافی ہے اور میں قیامت کے روز تیرا گریبان پکڑلوں گا کیوں کہ میں نے ملک زادے کو قتل نہیں کیا کہ وہ ہرن کے تعاقب میں تھا کہ اچانک شیر نے اس کا خون کیا اور اتفاق سے میں نے انتقام کی تلوار سے شیر کا کام تمام کیا۔ اسی دن کے لئے میں نے اس کی آنکھیں اور کان اپنے پاس سنبھال کے رکھ لیے تھے۔ اور شیر کی لاش میدان میں پڑی ہے اگر اس الزام سے میں بری ہوں تو تیرے انصاف کا بول بالا ہوا اگرچہ دلاور شاہ کو اپنے بیٹے کا غم بہت تھا لیکن اس نے انصاف کے تقاضے کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور حکم دیا کہ شاہی کارندے تحقیق کر کے لائیں اور وہ جلد ہی مردہ شیر کا پتہ کر کے آئے اور تمام صورتحال دلاور شاہ کے گوش گزار کی۔ بادشاہ نہایت شرمندہ ہوا اور ماہ رو سے اس کے بارے میں جان کر عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور شہزادے نے اسے اپنے بارے میں ملک اور والدین کے بارے میں بھی بتایا۔ بادشاہ تمام حال سن کر اس کی دلجوئی میں لگ گیا اور اس کی رہائش کا انتظام علیحدہ مکان میں کر دیا۔

آشفتہ ہونا ماہ طلعت دختر دلاور شاہ کا ماہ رو پر و خبر پہنچنی گوش میں بادشاہ کے وعقد باندھنا اس لیلیٰ تمثال کا شاہزادہ مجنوں خصال سے دلریش ہونا اس کا بیاد جانان خویش

(ورق ۷۶)

آگے کا حال فراسو کی زبانی:

''افسوں گر داستاں شعبدہ تازہ رو بہ کار پر لایا جس روز شاہزادہ گل اندام لالہ عذار کو برنگ گلدستہ باندھ کے پیش دلاور لائے تھے ماہ طلعت دختر بادشاہ کہ زبان سخنوراں بیان غدو بت بوسہ بہ کنج لب شکر و منقار طوطی خامہ فردوراں بہ تعریف گفتار شیرینی سے کام دل حاصل کرے قد اس کا شمشاد سے دوش بدوش دحسن لطافت ناز سے ہم آغوش''۔

(ورق ۷۶)

ماہ طلعت کے سراپے کے حوالے سے فراسو کے اشعار مثنوی کی ہیئت میں پائے جاتے ہیں۔
اشعارِ سراپا کے ۴۰/ اشعار مثنوی کی ہیئت میں ورق ۷۷ اور ۷۷-الف پر، دیگر تعریفِ بدن کے ۲۱/ اشعار مثنوی کی ہیئت میں ورق ۷۸-الف پر، تعریفِ دیگر ۱۲/ اشعار ورق ۷۸ پر، پھر تعریفِ دیگر میں ۵/ اشعار ورق ۷۸-الف پر، کل اشعار ۷۸ ہیں۔

اشعارِ سراپا:

ہے نور خدا کا وہ سراپا — ہے راست سراپا وہ سراپا

(ورق ۷۷-الف)

گر چھوڑے وہ رخ پہ زلفِ پُر خم — ناگن سی ڈسے وہ دل کو ہر دم
ناگن وہ نہیں ہے ہے وہ گیسو — جیوں مارِ سیہ ہے اُس کا ہر مُو
اُڑ جائیں جو ہووے سامنے ہوش — کھینچی ہیں کمانیں دوش با دوش

(ورق ۷۷)

دیگر تعریفِ بدن:

نرگس کی ہے چشم اس سے حیراں — ہیں رشک وہ دیدۂ غزالاں
سیاہی و سفیدی ہے دل افروز — یکجان میں بہم گویا شب و روز
وہ سحر و بلا ہے چشم بد دور — ظلمات سے نکلے جس طرح نور

(ورق ۷۸-الف)

پورا شعر بے وزن ہے مصرعہ اولیٰ میں سیاہی کی جگہ ساہی آ رہا ہے جبکہ مصرعہ ثانی بھی کاتب کی ستم کاری کا شکار نظر آتا ہے۔ فراسو سے اس قسم کی غلطی بعید از قیاس ہے جبکہ مذکورہ اشعار کا عروضی وزن مفعول مفاعلن فعولن ہے۔

تعریف دیگر:

ہے یہ تو کھلے اشارہ کی بات ہے حکمت العین وہ اشارات
ہے چشم غرض وہ ایسی خونخوار عاشق کا کرے ہے خون سو بار
ایک آن میں خونِ مرداں ہو حق بنی نہ ان کے درمیاں ہو

(ورق ۷۸)

تعریف دیگر:

نتھنوں کی پھڑک پہ کس کو دے چین عاشق کے دو لخت دل میں بے چین
اور نتھ کا ہے حلقہ رخ پہ یوں آہ جیو ہالہ کے درمیان میں ماہ
دولت کا جو در ہے نتھنا اکثر تو نتھ کو بھی جان حلقۂ در

(ورق ۷۸)

محل کی کھڑکی سے ماہ طلعت نے ماہ رو کو دیکھا اور عاشق ہو گئی اس کے دل میں ماہ رو آباد ہو گیا محل کی کھڑکی کے پاس بیٹھی انتظار کرتی رہی کہ کب دیدار ماہ رو ہو اسی انتظار و بیقراری میں یہ شعر پڑھتی۔

ایک بیت ورق ۷۹-الف پر:

آپ تو آتے نہیں حسن کی مغروری سے مفت ہم جان سے جاتے ہیں غمِ دوری سے

کبھی دورانِ گریہ وزاری یہ غزل پڑھتی۔

۴/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۷۹-الف پر:

جس طرح بے قرار ہو شعلہ شرار کا ہے شمع رو یہ حال ترے بے قرار کا
تارے ہی مجھکوں گنتے گزرتی ہے رات یار بندھتا ہے تار آنکھوں سے اشکوں کے تار کا
کیا لطف سیرِ باغ کا ہے گلبدن بغیر آنکھوں میں کرتی ہے رگِ گل کام خار کا

(ورق ۷۹-الف)

ایک روز ماہ رو ماہ طلعت کے محل کے نیچے سے گزرا ماہ طلعت اسے دیکھ کر اپنے ہوش کھو بیٹھی مستانہ وار کھڑکی سے باغ میں گری وہاں موجود لوگوں نے شہزادی کو اس حال میں دیکھ کر اٹھایا اور محل میں پہنچایا اور یہ خبر دلاور شاہ تک پہنچی کہ ماہ طلعت شہزادے کو دیکھ کر عالمِ محویت میں کھڑکی سے گر گئی۔ بادشاہ نے وزرائے باتدبیر سے مشورہ کیا اور سب ہی کی یہ رائے سامنے آئی کہ ماہ رو ماہ طلعت کے لئے بہترین بر ہے۔ اور بادشاہ نے شاہزادے ماہ رو سے رجوع کیا۔

تصویرِ ماہ طلعت کہ کوٹھے سے شاہزادے ماہ رو کو دیکھ کر زمین پر گری

(ورق ۸۰-الف)

ماہ رو نے جو یہ پیغام پایا تو ہر طرح اس نے ٹالنے کی کوشش کی اور اس نے سوچا کہ اب یہاں قیام کرنا بیکار ہے جب اسے مفصل حال ماہ طلعت کا معلوم ہوا تب بھی اس نے اقرار نہ کیا شاہی کارندہ واپس پھرا اور بادشاہ کو ماہ رو کا جواب بتایا۔ بادشاہ نے جو ماہ طلعت کا علاج وصل کے سوا نہ دیکھا تو اس نے مال رو پر دباؤ ڈالا ماہ رو نے جو دلاور شاہ کا مزاج اس طرح دیکھا تو بادشاہ کا فیصلہ چار و ناچار قبول کیا اور اس نے یہ کہا کہ میں یہاں ایک دو ہفتہ قیام نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ ماہ رو کے ساتھ ماہ طلعت کی شادی ہوگئی اور اس شادی کی خوشی میں جشن برپا ہوا اور ماہ طلعت اپنے محبوب ماہ رو کے ساتھ خوشیوں کے دن گذارنے لگی لیکن ماہ رو کے قرار کب تھا وہ تو مہر نگار کے فراق میں بے قرار ہو کے کہتا۔

ایک شعر:

جو بے قراری دل کو یہ ہے صبح و شام ہے     تو بس تڑپ تڑپ کوئی دم میں تمام ہے

(ورق ۸۱--الف)

کبھی روتا اور یہ غزل پڑھتا جو ہم ۴ اشعار مشتمل ہے:

یونہی ہے تو دلِ وحشی سے ہاتھ اپنا اُٹھا لیں گے     سنبھلتا ہی نہیں ہے جو اسے کب تک سنبھالیں گے

نہیں ہوگا کہ ہم دل زلف میں تیری پھنسا لیں گے     وگرنہ مار یہ بیمار کر کے مار ڈالیں گے

نہ کر بے فائدہ ہم کو نصیحت دور ہو ناصح     کہاں تک دل ہم اپنا عشق خوبوں سے بچا لیں گے

(ورق ۸۱--الف)

ایک دن ماہ طلعت اس کے پاس بیٹھی تھی اور دور جام چل رہا تھا کہ ماہ رو مہر نگار کے فراق میں خود فراموشی کے عالم میں چلا گیا۔ ماہ طلعت نے پوچھا کے اے میرے محبوب یہ بے تابی اور یہ اضطراب کس غم کا ہے۔ شہزادے نے ٹھیک جواب نہیں دیا سرسری بات کی لیکن ماہ طلعت اس کی پریشانی اور دیوانگی سے یہ گماں لے گئی کہ یقیناً یہ کسی اور کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہے اور اس کے فراق میں مبتلا ہے۔ اس نے فوری گلاب منگوایا اور اس کے چہرے پر چھڑکا شہزادے نے ہوش میں آ کے یہ کہا۔

۳ راشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

| | |
|---|---|
| یہ دل میں درد ہے حکمِ خدا سے | نہ ہو مرہم سے اچھا نہ دوا سے |
| کھلے گا قُفل یہ دستِ دعا سے | دوا ہے اس کی وصلِ یارِ جانی |
| کبھی تو آن کر مل مبتلا سے | رہے یہ کب تلک قیدِ بلا میں |

(ورق ۸۱)

ماہ رو نے ماہ طلعت سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے سینے میں جو آگ ہے وہ صندل و گلاب سے ٹھنڈی نہیں ہو سکتی سوائے وصل مہر نگار کے اگر تجھے میری زندگی مطلوب ہے تو مجھے روانگی کی اجازت دے۔ ماہ طلعت نے کہا دیوانے میں تیری زنجیرِ عشق میں گرفتار ہوں، تو یاد میں کسی مخمور چشم کے سرشار، میں نے دل اپنا تیرے دامن سے باندھا۔ تو مجھے بتا کہ تیرے اور بعد میں زندگی کس طرح گزاروں گی ماہ رو نے کہا کہ اگر چہ مہر نگار کا فراق مجھے بچنے نہیں دیتا پھر بھی تیری خاطر چند روز اور تیرے ساتھ رہ سکتا ہوں اور اس نے دلاور شاہ کے دربار میں جانا شروع کر دیا۔ دلاور شاہ نے ماہ رو کا خیال شہزادے کی طرح رکھا اور وہ اکثر شکار پر جانے لگا۔

جانا اُس شاہ باز اوج جنوں کا واسطہ شکار و حرارت آفتاب سے پناہ لینی نیچے درخت سایہ دار کے و دوچار ہونا دل افروز آوارہ بے چارہ سے

(ورق ۸۲-الف)

آگے فراسو یوں بیان کرتا ہے:

"شہسوار عرصہ افسانہ و اسماء کمیت داستان کو تازیانہ زبان سے دشت بیاں میں اس طریق گرم جولاں کرتا ہے کہ شاہزادہ نے شبدیز تیز رفتار پر سوار ہو کے دسمند خوش عناں والا تہمت کو طرف شکارگاہ کے پاشنہ کوب کیا۔"

(ورق ۸۲-الف اور ۸۲)

اس وقت شدید گرمی تھی گرمی کی شدت کا نقشہ فراسو خوب کھینچتا ہے گرمی سے بچنے کے لئے اس نے ایک درخت کے نیچے پناہ لی اسی دوران اچانک اس کی نگاہ ایک جواں پر پڑی اس جوان پر گمان دل افروز کا ہوا۔ اسے یقین نہیں آیا وہ یہ سمجھا کہ اس جوان کی صورت دل افروز سے مشابہت رکھتی ہے۔ ماہ رو تذبذب میں رہا اور دل افروز نے اسے پہچان لیا اور کہا اے میرے دوست تو نے مجھ کو نہیں پہچانا تو بھی مجھ سے بیگانہ ہو گیا شہزادے کو یقینِ کامل ہوا کہ وہ دل افروز ہے تو پھر وہ یہ کلمۂ زبان پر لایا۔

۵/اشعار غزل کی ہیئت میں ورق ۸۲ اور ۸۳-الف پر:

عقل و صبر و دل و دین نذر محبت کے کیا — قیس کی طرح سے میں بے سر و سامان رہا

پیرہن چاک کیا ہجر میں تیرے یاں تک — نہ گریبان رہا اور نہ دامان رہا

آرزو فراسو کی بنی روح اللہ — یہ دعا مانگتا ہر روز ثنا خوان رہا

(ورق ۸۳-الف)

### تصویر ماہ روز یرِ درخت و ملاقات ہوئی دل افروز سے حالتِ تباہ میں

(ورق ۸۳-الف)

دل افروز نے خدا کا شکر ادا کیا شہزادے نے احوال دل افروز پوچھا اور کہا کہ اس دوران اس نے زمانے سے کیا سیکھا دل افروز نے آہ بھر کر کہا اے رفیق غم خوار و اے شفیق تیرے فراق میں زار و نزار ہوں بات کرنے کی طاقت نہیں شہزادے کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر دل افروز نے زبان کھولی اور کہا جس وقت تجھ سے جدا ہو کر میں پانی کی تلاش میں گیا ہر طرح کوشش کر دیکھی سوائے سراب کچھ نہ ملا۔ اسی تگ و دو میں رات ہوگئی۔ نڈھال ہو کر گر پڑا جیسے تیسے صبح ہوئی ایک طرف پرندوں کا ہجوم نظر آیا مجھے لگا کہ اس طرف پانی ہے انتہائی تیزی سے تالاب پر پہنچا

یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ تالاب انتہائی مصفا اور اس کا پانی انتہائی خوشگوار شیریں مانندِ آبِ زلال پانی پی کر سیر شکم ہو کر تیری طرف چلا تجھ کو اس جگہ پر نہ پایا پانی کو زمین پر گرایا اور روتا ہوا ایک سمت کو چل پڑا۔ چند روز بعد ایک ایسی سرزمین پر پہنچا جس کی زرخیزی اپنی مثال آپ تھی ''مانند بادِ مشک بار اسی کی مانندِ دمِ عیسیٰ روح افزا''۔

درصفتِ گلشن ۵/اشعار مثنوی کی ہیئت میں ورق ۸۴-الف اور ۸۴ پر:

| | |
|---|---|
| بہ ہر سو نہر تھی مستی سے جاری | کرے تازہ گلوں کی گل عذاری |
| کہیں حوض اور کہیں منبع کہیں چاہ | جنھوں کی خضر کے دل میں بھی ہو چاہ |

(ورق ۸۴-الف)

| | |
|---|---|
| غزلخواں جا بجا طوطی و بلبل | وفا میں گل کی سب کھائے ہوئے گل |

(ورق ۸۴)

کچھ دن میں نے وہاں قیام کیا اس کے بعد ایک صحرا میں پہنچا یہ صحرا کہ جہاں دور تک کوئی ذی نفس دجود نہ تھا مجھے یاں پہنچے ہوئے دو تین گھڑیاں ہوئیں تھیں کہ غبار اٹھا اور میں نیم جاں اک درخت کے درمیان چھپ گیا کہ اچانک ایک شیر جس کی آواز سے آسمان کانپ اٹھا غبار سے ظاہر ہوا اور نیچے اس درخت کے آیا میں خوف سے کپکپانے لگا اتفاقاً اس درخت کے نیچے ایک انتہائی گہرا کنواں تھا شیر کا دھاڑنا میری جان لیتا تھا۔ اور نیچے گہرا کنواں میرے ہوش اڑاتا تھا۔ لمحہ بعد شیر اس بے طرح دھاڑا کہ اس کی دہشت سے میں لرزنے لگا اور خود کو تاریک کنویں میں اتار لیا خداوند تعالیٰ لاچاروں کی مدد کرنے والا ہے اس کنویں میں ایک بہت بھاری پتھر تھا میں اس پتھر پر بیٹھا ذرا گزند مجھ کو نہ پہنچی اور شیر رخصت ہوا ایک دن رات اس تاریک کنویں میں پڑا رہا اور ایک پل ایسا نہ گزرا کہ میں تیری یاد سے غافل رہا ہوں۔ میں اس امید میں رہا کہ شاید کسی مسافر کا ادھر سے گذر ہو اور کوئی پانی کے کنویں میں ڈول ڈالے اسی اثنا میں ایک سیاہ اژدھے نے کنویں سے رخ اپنا باہر کو نکالا۔

تصویر چشمۂ آب و ہجوم جانوراں و پہنچنا دل افروز کا، تصویر باغ و چاہ و اژدہا و شیر

(ورق ۸۵)

میں زندگی کا قیدی بیزار اسی دم اس کی دم سے لپٹ کر اس پر سوار ہوا نصیب میرا مددگار اور قسمت میرے ساتھ تھی اژدہے نے مطلق توجہ میرے حال پر نہ کی اور کنویں سے نکل کر صحرا کی طرف گامزن ہوا اور میں فوری اس کی دم سے جدا ہوا اور عجلت میں ایک طرف کو بھاگا کہ کہیں اس صحرا میں کسی اور آفت سے دوچار نہ ہو جاؤں چند روز بعد میں حیران و پریشان ایک بوستان میں پہنچا یہ ایک مثالی بوستان تھا نزدیک اس باغ کے مصفا پانی کا چشمۂ تھا میں یہیں قیام پذیر ہو گیا اور چشمے کے کنارے سو گیا جو دن گذرا تو ہوشیار ہو کے بیٹھا جس وقت کہ نصف شب گزری دیکھا کہ ایک سیاہ سانپ حوض سے نکل کر صحرا کی طرف چلا اور وہاں اپنا تابناک مہرہ زمین پر رکھ کر اس کی روشنی میں کھیلنے لگا اس مہرے نے ماحول کو روشن کر دیا میں نے جلدی سے اس مہرے کو اٹھایا اور سانپ کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر میں چل پڑا میں نے دیکھا کہ درمیان اس باغ کے ایک مکان ہے جو آراستہ و پیراستہ ہے اور مسندِ جواہر نگار بچھی ہے اور اس مسند پر ایک دخترِ سیم بر بیٹھی ہے۔ حسن میں یکتا ہے۔

اشعارِ سراپا کے ۲۰؍اشعار مثنوی کی ہیئت میں ورق ۸۶ اور ۸۷-الف پر:

| | |
|---|---|
| بکھرائے پری بال دھواں ناز و ادا گرم | چتون میں بھرا جادو نگہ اس سے بلا گرم |
| ابرو کی لچک سو خمِ شمشیر سے خوں ریز | پلکوں کی چھک ہے بُتِ کافر کی سدا گرم |

(ورق ۸۶)

| | |
|---|---|
| وہ ساقِ بلوریں وہ سونے کے کڑے زور | وہ رنگِ حنا گرم وہ سنہری کفِ پا گرم |

(ورق ۸۷-الف)

تصویر دختر جوہری میانِ باغ دل افروز

(ورق ۸۷)

میں افسردہ دل جو وہاں پہنچا اس نازنیں کو دیکھ کے یہ خیال آیا کہ یہ کیا جادو ہے۔ اور یہ حسینۂ دلفریب یہاں کس طرح پہنچی اس کی نظر مجھ پر پڑی اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ تو کس طرح یہاں پہنچا میں نے تمام سرگذشت اپنی اور سانپ کے مارنے سے لے کر مہرۂ تابناک کی تفصیل بیان کی اور پھر اس سے پوچھا کہ اے پری چہرہ تو کہاں سے آئی ہے جواباً اس نازنیں نے غمگیں لہجے میں کہا میرا باپ جو ہرشناس تھا انتہائی مالدار بے اندازہ دولت کا مالک تھا میرے علاوہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی میں بہت ناز و نعم میں پلی تھی اک روز دوستوں کے اصرار پر سیر

گلزار کو گئی وہاں میں اور میری سہیلیاں مزے کر رہے تھے کہ اچانک تیز ہوا چلی اور یہ ہوا گلزار کو خس و خاشاک کر گئی اور ہم سب رفقاء ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور میں خوف سے پیلی پڑ گئی اچانک اس گرد و غبار سے ایک جن میرے حسن و جمال کا شیدا ہوا اور مجھ کو اس باغ سے اٹھا کر اس مکان میں لایا اب چند روز سے رات دن وہ میرے سات رہتا تھا مجھے دیکھ کر جیتا تھا یہ خطرناک سانپ خدا کی رضا سے تیرے ہاتھوں ہلاک ہوا وہی جن تھا جس نے مجھ کو گھر سے بے گھر کیا اب میں بال بال تیرے احسان کی قیدی ہوں میں مر چکی تھی لیکن تو نے مجھے زندہ کیا غم کے اندھیرے کو خوشی کے اجالے سے روشن کیا میں جوان نازنین کے سل سے باخبر ہوا دل میرا اس کی تنہائی پر جلا اور پری چہرہ نے دوست اپنا مجھ کو سمجھ کر کہا تیری خداداد ہمت سے امید رکھتی ہوں کہ اس ہیبت سے میری جان چھڑائے گا اور مجھے میرے گھر تک پہنچائے گا میں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ غم نہ کر۔

تصویر دختر جوہری میان باغ ورسیدن بادِ تند ونکلنا دیو کا ہوا سے ومتفرق ہونا نازنینوں کا اس کے پاس سے اٹھا کے لے جانا دیو کا دختر جوہری کا

(ورق ۸۹-الف)

وزیرزادہ دل افروزا سے لیکر چلا اور ایک جگہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یہاں بہت خوشنما دکانیں طرح طرح کی غذاؤں سے پر لیکن اس دیار میں انسان کا نشان ناپید ہے وہ اسطرح کے مناظر دیکھ کر حیران ہوا اس نے اس نازنین سے پوچھا کہ یہ کیا طلسم ہے کہ اشیاء کے موجود ہونے کے باوجود کوئی ذی نفس نظر نہیں آرہا ہے۔ مہ جبیں نے گریہ وزاری کے ساتھ کہا یہ شہر مجھ حرماں نصیب کا ہے کہ جسے اس دیو نے ویراں کیا اور مجھ کو یہاں سے اٹھا کر اس دشت میں لے گیا۔

نوٹ: ورق ۸۹-الف تک قصہ مربوط انداز سے آگے بڑھتا ہے ہر چند کہ کاتب کی کارفرمائی کا راقم کو قدم قدم پر سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے باوجود قصے کی نوعیت اپنے تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ مہ جبیں کا ذکر ماہ طلعت سے قبل ہوتا ہے کہ شہزادہ ماہ رو مہ جبیں کو ایک دیو سے نجات دلاتا ہے اور اسے ان کی ولایت میں چھوڑ کر مہر نگار کی تلاش میں نکل پڑتا ہے کیونکہ قصے کی ہیروئن مہر نگار ہے اور ہیرو ماہ رو بنیادی مسئلہ بھی اسی کا عشق ہے ماہ طلعت

سے جبراً شادی کر لیتا ہے۔ جیسے تیسے اس کے ساتھ گذر کرتا ہے دوران شکار اسے اپنا دوست دل افروز نظر آتا ہے بعد اصرار اس سے دوران جدائی کا احوال سننے کا خواستگار ہوتا ہے۔ دل افروز اسے اپنی آپ بیتی سناتا ہے۔ اس کی آپ بیتی مہ جبیں اور ماہ رو پہ گزرنے والے احوال سے مماثلت رکھتی ہے۔ یہ تصور تو قصہ نگار کا ہوا اس پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ لیکن قصہ عشق افزا کے مخطوطے میں کاتب کی کارفرمائی ورق ۸۹ پر پہنچ کر ایک نیا رخ اختیار کر لیتی ہے کہ قصے میں دل افروز کا ذیلی قصہ چل رہا تھا کہ اچانک دل افروز کے بجائے شہزادہ داخل ہو جاتا ہے اور قصے کا تمام ربط زائل ہوتا نظر آتا ہے۔

تصویر دختر جوہری میان باغ ورسیدن بادِ تند و نکلنا دیو کا ہوا سے و متفرق ہونا نازنینوں کا اس کے پاس سے اٹھا کے لے جانا دیو کا دختر جوہری کا

(ورق ۸۹-الف)

اس تصویر کے بعد سارا منظر بدلا نظر آنے لگتا ہے دل افروز کے بجائے مہ جبیں اور شہزادے کی بات ہونے لگتی ہے۔

آگے فراسو کی زبانی:

''شہزادے نے یہ دریافتِ ماجرہ اشک آنکھوں سے رواں کر کے اس کی تسلی کی اور کہا اے نازنیں غمگیں نہ ہو کہ دستِ بقدر سے کسی کو گذر نہیں اور درمانی اس ورد کا بدست عقل تدبیر نہیں۔''

(ورق ۸۹)

صبر کے ساتھ اس جگہ قیام کرتا کہ دیو کے ظلم سے اس دیار کو نجات دلاؤں۔ شاہزادے نے کوشش کر کے بہت کم وقت میں اس ویرانے کو انسانوں سے آباد کیا مہ جبیں نے شہزادے سے کہا کہ میں ایک عرصے تک مصیبت میں رہی اور اب میں یہ چاہتی ہوں کہ تو میرے ساتھ شادی کر لے اور بادشاہ اس ملک ہو جا شہزادے نے مہ جبیں سے کہا کہ میں مجبور ہوں میں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد تجھ سے ملوں گا اور جو تو کہے گی وہ کروں گا۔ ماہ رو نے مہ جبیں کی خاطر تخت پر بیٹھنا گوارا کیا اور پورے ملک کو اپنے اقتدار میں لایا اور اپنے حسن تدبیر سے تمام ملک کا انتظام وانصرام کیا۔

## تصویر شہزادہ بر تخت و حاضر ہونا تمام ارکانِ سلطنت کا

(ورق ۹۰)

بظاہر وہ اس کے ساتھ رہتا لیکن مہر نگار کے فراق میں آنسو بہاتا اور کہتا۔

۲/ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

یا الٰہی ملے صنم اپنا ورنہ جاتا ہے آج دم اپنا
کیسی ہم کو خوشی فراسو ہو گر وہ دلدار ہو بہم اپنا

(ورق ۹۱-الف)

اسکی انجمن آرائیاں ماہ رو کے لئے عذاب تھیں وہ کہیں تھا اور دل کہیں آتشِ غم سے کباب ہوتا اور یہ غزل پڑھ کر روتا۔

۵/ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

غم سے تیرے مجھ کو ہے اب ناتوانی اس قدر بلبلہ ہرگز نہ ہو گا یارِ جانی اس قدر
کچھ تو کر تدبیر دیوانہ کی اے پیرِ فلک مفت میں جاتی ہے اس کی نوجوانی اس قدر
جس طرح پُر درد کہتا ہے فراسو شعر تو کب ہو نالاں عندلیبِ بوستانی اس قدر

(ورق ۹۱-الف)

کبھی بے قراری میں یہ غزل پڑھتا۔

۸/ اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

چشمِ بیمار ستمگر سے ہے بیماریٔ دل دام میں زلف سیہ کے ہے گرفتاریٔ دل
زلف مشکیں سے ہے موجبِ گرفتاریٔ دل خوف سے مارسیہ کے ہے یہ بیماریٔ دل
گزری اک عمر تمہیں روتے فراسو صاحب کان تک یار کی پہنچی نہ کبھی زاریٔ دل

(ورق ۹۱-الف)

رخصت ہونا ماہ رو کا مہ جبیں سے پہنچنا نواحی دیار دلکشا میں وآنا ملک زادہ اس ولایت کا برائے شکار وصید ہونا پنجۂ شیر سے اس آہوئے مرغزار خلافت کو وقتل ہونا شیر کا دستِ ماہ رو سے وگرفتار کرنا بہ تہمت ماہ رو کو اور لانا آگے دلاور شاہ والی اس دیار کے وحکم کرنا قتل کا اس دل فگار کو

(ورق ۹۱)

آگے فراسو یوں بیان کرتا ہے۔

''بزم آرائے داستان شبستان مدعا کو اس طرح شمع بیاں سے روشن کرتا ہے کہ ایک شاہزادہ بسترِ ناز پر آرام فرما تھا کہ ناگہاں وقت نصف شب یاد مہر نگار ہلال ابروئے ناخن شوق اس کے دل میں مارا و بے اختیار فریاد برلایا و چشم دریا اشک گہر بار سے سیلاب طوفاں خیز بہایا اور کہا''۔

۶/اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

عشق نہیں ہے بھلا عشق بری چیز ہے　　دل نہ کسی سے لگا عشق بری چیز ہے
خلق میں اس نے مجھے کردیا بدنام آہ　　عشق کا ہووے برا عشق بری چیز ہے
دل ہی نہیں مانتا کیجئے کیا ورنہ آہ　　کہتا ہے ناصح بجا عشق بری چیز ہے

(ورق ۹۱اور۹۲-الف)

مہ جبیں ماہ رو کے برابر میں سو رہی تھی اس کے نالہ وفغاں سے اٹھ بیٹھی اور پوچھا کہ تجھے کیا غم ہے ماہ رو نے کہا میں تجھ پر قربان جاؤں کہ میں فراق جاناں سے بیتاب ہوں۔ مہ جبیں نے اس صورتحال میں یہ شعر پڑھا۔

ایک فرد:

تم بن نہیں خوش آتی ! مجھے یار زندگی　　ہے جسمِ ناتواں سے بیزار زندگانی

(ورق ۹۲-الف)

یہ شعر پڑھ کر اس نے کہا کہ اگر اے ماہ رو تجھے اپنے محبوب سے جدائی کی طاقت نہیں تو میں تیری جدائی میں کس طرح زندگی گزاروں گی۔ منصفی کر اگر میں تجھے جانے کی اجازت دوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں جیتے جی مرجاؤں۔

۳؍اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

مجھ سے بیزار الٰہی وہ دلارام نہ ہو　　اور ملوں بھی تو یہ ڈر ہے کہ وہ بدنام نہ ہو
جی میں ہی رکھوں ملاقات اب ایسے تم سے　　بیچ میں خط نہ قاصد نہ ہو پیغام نہ ہو
آتشِ دل کا بیاں کیونکہ فراسو لکھوں　　یہ کبھی خامۂ چوبین سے ارقام نہ ہو

(ورق ۹۲)

ماہ رو نے اس کی دلجوئی کی اور کہا کہ مہ جبیں میں بھی تجھ سے دور ہونا نہیں چاہتا مگر مجبور ہوں۔

۵؍اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

ہوجائیں ہم پری سے جدا حور سے الگ　　پر رہ سکیں نہ اس بُتِ مغرور سے الگ
قاصد یہ کہیو اس بُتِ مغرور سے الگ　　کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ
جی تو فراسو دیتے ہیں پر دل نہ دیں گے ہم　　یہ بات تو ہمارے ہے مقدور سے الگ

(ورق ۹۲)

ماہ رو نے مہ جبیں کو تسلی دی خوشامد کی جواباً مہ جبیں نے اس سے کہا کہ یہ سب ٹھیک ہے مگر تیرے بغیر مجھے قرار کہاں آئے گا۔

۳؍اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں:

ہے دیدۂ تر میں مرے لختِ جگر آتش　　اور دل میں تو رہتی ہے مرے بیشتر آتش
دریافت کرو میرے جلے دل کا تم احوال　　گر دل کی کرے دل میں تمہارے اثر آتش
ناصح تجھے ہے آہ کی شعلہ کی خبر کیا　　ہے آتشِ دل اس کو نہ پہنچے گی ہر آتش

(ورق ۹۳-الف)

مگر مہ جبیں نے کہا میں تیری خوشی کی خاطر میں تیرے ہجر میں مرنے کو تیار ہوں یہ جواب سن کر ماہ رو نے تمام کار پردازانِ مملکت کو طلب کیا مہ جبیں کی وفاداری کا حلف لیا اور روانگی پر کمر بستہ ہوا۔

یہ مخطوطہ یہاں پہنچ کرختم ہو جاتا ہے مخطوطے کی آخری سطور:

''اجرائے مہمات سلطنت امضائے امورِ خلافت سرفراز کر کے کہ فرمانِ مہ جبیں سے سرِ موسر تابی نہ کرنا و بہ استرضائے ورضامندی اس کی معاملاتِ ملکی و مالی میں آگاہی وہشیاری بجالانا وایکدم دقیقہ و.........''۔

(ورق ۹۳-الف)

قصۂ عشق افزا ناقص و نامکمل مخطوطہ ہے۔قصۂ عشق افزا کا سالِ تالیف اگر ہم ۱۸۳۹ء کے بعد تسلیم کرلیں تو مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ ۱۸۳۷ء سے ملکۂ وکٹوریہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔جبکہ مخطوطے میں ورق نمبر ۶ پر تصویرِ شاہِ لندن کا عنوان موجود ہے۔جبکہ کاتب کی کارستانی اس پر مستزاد ہے۔راقم کے خیال میں فراسو کے ذہن نے اس قصہ کا تاروپود ۱۸۲۵ء کے بعد سے ہی بننا شروع کر دیا ہوگا۔چونکہ قصۂ عشق افزا میں مہارت تو فسانہ عجائب جیسی نہیں پائی جاتی لیکن قصہ میں مماثلتیں موضوع اور اظہار کی سطح پر خاصی نمایاں ہیں۔فسانہ عجائب ۱۲۴۰ھ بمطابق ۲۵-۱۸۲۴ء میں تالیف ہوا۔سببِ تالیف سرور کی جلاوطنی تھا۔اور سرور اس جلاوطنی کو جلد ختم کرانا چاہتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاں غازی الدین حیدر تا نصیرالدین حیدر ستائش و مدح کا مبالغہ آمیز اظہار پایا جاتا ہے۔نیز وہ اپنی داستان میں لکھنؤ سے باہر نہیں نکلتا اس کے سارے کردار فرضی ہیں لیکن ان کے سارے اوصاف لکھنؤی۔اس پر مستزاد میرامّن کی باغ و بہار پر پھبتی۔یقیناً اس پھبتی نے اہلیانِ دلّی میں تجسس پیدا کر دیا ہوگا کہ دیکھیں فسانہ عجائب کو!! دلّی کے صاحبانِ کمال سلطنتِ مغلیہ کے ضعف سے بخوبی آگاہ تھے اور وہ بھی قدرے لکھنؤ کے پروردہ ہو چکے تھے۔شاہ نصیؔر تا غالبؔ لکھنؤ کی مسافرت سے لے کر مراصلت تک سلسلہ جاری تھا یقیناً فراسوؔ بھی فسانۂ عجائب سن چکا ہوگا یا پڑھ چکا ہوگا۔اسے فسانۂ عجائب میں لکھنؤ کے بازاروں اور کوچوں کی منظرکشی اچھی لگی ہوگی۔نیز غازی الدین حیدر کی مدح سرائی بھی اسے اپنے مزاج کے ہم رنگ محسوس ہوئی ہوگی۔کیونکہ وہ خود بھی سردھنہ کا درباری شاعر تھا۔

مذکورہ سطور کی روشنی میں ہم بلا جھجک یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قصہ ۱۸۳۰ء تک مکمل ہو گیا تھا۔اور اس وقت شاہِ لندن جارج چہارم (۱۸۲۰ء تا ۱۸۳۰ء) تھا۔۱۸۳۹ء کے بعد ملکہ وکٹوریہ کو حکمران بنے دو برس گزر چکے تھے اور پھر یہ کہ فسانۂ عجائب کا پہلا نسخہ ۱۲۵۹ھ میں شائع ہوا۔راقم کے خیال میں فراسوؔ تک فسانۂ عجائب کا کوئی قلمی نسخہ پہنچا اور

قصہ عشق افزا اس سے استفادہ کا ثمرہ ہے۔

ہماری اس بات کی مزید دلیل شورمیرٹھی (نواسۂ فراسو) کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے وقائع[1] غدر فسانۂ عجائب کے طرز پر لکھا جو غالباً شورمیرٹھی کے قیام ہرچند پور کے دوران فراسو کے ہاں ہوا ہوگا۔

فسانۂ عجائب کا ہیرو جانِ عالم ہے۔ جبکہ تین ہیروئنیں ماہ طلعت، مہرنگار اور انجمن آراء۔ قصہ عشق افزا کا ہیرو ماہ رو جبکہ تین ہیروئنیں ماہ طلعت (مہ جبیں سے ماہ رو کی شادی ہو جاتی ہے اور فسانۂ عجائب کی ماہ طلعت بھی شہزادۂ جانِ عالم کی منکوحہ ہے) مہ جبیں اور مہرنگار۔ فسانۂ عجائب میں مہرنگار اس کے مقصود کی راہ ہموار کرتی ہے اور عاشقی کا دم بھرتی ہے۔ قصۂ عشق افزا میں مہ جبیں پر ماہ رو احسان کرتا ہے مغربی معاشرے کی طرح دونوں ساتھ رہنے لگتے ہیں۔ شہزادۂ جانِ عالم کی طرح ماہ رو بھی مہ جبیں سے گوہرِ مقصود ہاتھ آ جانے کے بعد واپسی کا وعدہ کرتا ہے۔ فسانۂ عجائب میں شہرِ زرنگار میں پہنچ کر دیو سے شہزادی انجمن آراء کو جانِ عالم چھڑاتا ہے۔ جبکہ قصۂ عشق افزا کا مخطوطہ ناقص و نامکمل ہونے کے سبب ماہ رو کا ''شہرِ نقشِ جہاں'' پہنچنا معرضِ تحریر میں نہیں آتا۔ یقیناً تکمیلِ قصہ میں ماہ رو بھی پہنچ جاتا ہوگا اور گوہرِ مقصود پا لیتا ہوگا۔

فسانۂ عجائب میں طلسماتی فضا قدرے مختلف ہے لیکن فضا دونوں قصوں کی ایک جیسی ہے۔ قصۂ عشق افزا میں پریوں سے طلسماتی فضا آبادی کی گئی ہے۔ نیز دیو اور جن کا بیان بھی موجود ہے۔ کہ جو فسانۂ عجائب میں بھی ہے۔ فسانۂ عجائب اور عشق افزا کے ذیلی قصوں میں مماثلت اس نوع کی ہے کہ جانِ عالم کا دوست وزیرزادہ حرص و طمع کا شکار ہو کر دشمنی پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ قصہ عشق افزا میں ماہ رو کا دوست دل افروز (وزیرزادہ) تا اختتامِ مخطوطہ اس کا وفادار نظر آتا ہے ممکن ہے کہ تکمیلِ قصہ میں وہ بھی حرص و طمع کا شکار ہو جاتا ہو۔

فسانۂ عجائب اور قصۂ عشق افزا کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ فسانۂ عجائب اُردو داستانوں کا شاہکار ہے۔ جبکہ قصۂ عشق افزا پر فسانۂ عجائب کی موضوع تا اظہار گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ دونوں قصوں میں مؤلفین کا فرق نمایاں ہے کہ ایک مغربی طرزِ زندگی اور طرزِ فکر کا حامل ہے۔ جبکہ دوسرا لکھنؤی تہذیب کا پروردہ۔ فراسو نے قصۂ عشق افزا

---

[1] شورمیرٹھی کا وقائع غدر دہلی کا اسلوب بھی فسانۂ عجائب سے مستعار ہے۔ شواہد کی روشنی میں مؤلف کا خیال یہ ہے کہ شورمیرٹھی کے ادبی شعور میں فراسو کا مذاقِ سخن بھی کارفرما ہے۔ (دیکھیے جارج پیش شورمیرٹھی اور فرانکوئس گاٹلیب کوئنس فراسو پر مضامین، یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو و فارسی از رام بابو سکسینہ)

کو اشعار کی بھر مار سے بوجھل بنا دیا ہے نیز اسکے اظہار میں مقفّیٰ و مسجع نوعیت یقیناً ہے لیکن کسی صورت بھی سرور کے ہم پلہ نہیں۔ قصہ عشق افزا میں اکثر جگہوں پر دن ڈھلنے اور صبح ہونے کے مناظر کا اظہار چغلی کھاتا ہے کہ فرآسو فسانہ عجائب سے مے مشرق کشید کر کے مغربی صراحی میں بھرنا چاہتا ہے۔

قصہ عشق افزا کا لسانی، تمدنی، فکری اور اسلوبیاتی جائزہ ملاحظہ ہو۔ مذکورہ چار نکاتی مطالعہ سے زبان و بیان تا تہذیبی و نظریاتی مطالعہ بھی مقصود ہے۔

## لسانی خصوصیات:

ڈاکٹر محمد باقر صاحب نسخہ نے اپنے مضمون ''جرمن شاعر فرآسو کا قصہ عشق افزا[۱]'' میں ادبی اور لسانی خصوصیات کے عنوان سے چھ صفحات کا اضافہ کیا ہے یہ اضافہ ان کے مضامین کے مجموعے[۲] میں پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد باقر نے قصہ عشق افزا کی نثر کو فارسی آمیز قرار دیا ہے۔ نیز تشبیہ و استعارہ کی فروانی کا بھی ذکر کیا ہے اور اسکی دلیل میں ورق ۲۳-ب سے اقتباس بھی نقل کیا ہے۔ نظم کے حصہ میں فارسی کی غزل سے بھی اقتباس دیا ہے۔ سراپا نگاری میں فرآسو کی مہارت کو بھی بیان کیا ہے۔ لسانی خصوصیات کے ضمن میں علمِ قوافی کی رو سے 'الف' اور 'ہ' کے قوافی پر تنقید کی ہے۔ اور آخر میں پنجابی جمع[۳] کے حوالے سے ''پہچانیاں'' اور ''پیاریاں'' کی مثال دی ہے۔ اور پنجابی ''ایدھر'' کا استعمال بھی فرآسو کے شعر میں بتایا گیا ہے۔ یائے زائد کے بیان میں ''اضطرابی''، ''پیچ و تابی''، ''نیم خوابی'' اور ''انتظاری'' کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ جبکہ ''مجھے'' کے بجائے ''مجھ کو'' کا استعمال حسبِ ذیل شعر سے مثالاً بتایا گیا ہے۔

---

۱؎ صہ ۱۷۳ تا ۱۸۳ ادبی دنیا، ۱۹۵۰ء۔

۲؎ اردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں سال اشاعت ۱۹۷۶ء، صہ ۱۱۲ تا ۱۱۷۔

۳؎ پنجابی جمع کے حوالے سے ڈاکٹر محمد باقر کا بیان حیران کن ہے کیونکہ میر تقی میر کے کلام میں اس طرح کی مثالیں بآسانی دستیاب ہیں۔ (مؤلف)

انتظاری نہیں سونے دیتی بے قراری[1] مجھے سونے نہیں دیتی

وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد باقر نے قصۂ عشق افزا کے مخطوطے کا تعارفی مضمون ضرور لکھا ہے لیکن صاحبِ نسخہ ہونے کے باوجود موصوف اس کا حق ادا نہیں کر سکے۔ متذکرہ نسخہ ٹائٹل کے صفحے کو شامل کر کے ۱۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ باعتبارِ اوراق راقم نے ۹۳-الف تک اسے شمار کیا ہے۔ اب رہا سوال ڈاکٹر باقر کا ادبی و لسانی سطح پر قصۂ عشق افزا کا بیان تو وہ بھی سطحی ہے کہ وہ لسانی حوالے سے علمی یا تحقیقی نوعیت کے بجائے ذاتی خواہش میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

قصۂ عشق افزا کا مخطوطہ راقم نے کئی بار پڑھا ہے اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ فرآسو سرور سے بے حد متاثر نظر آتا ہے۔ قصہ کا نثری قصہ اس کا بین ثبوت ہے۔ فارسی آمیز نثر جس میں کہیں کہیں روز مرّہ کی مثالیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

''شہزادے نے زبان کھول کر تمام حال سے اس کو مطلع کیا۔ پری نے بمجر د اصغائے معاجرا شہزادے کو پہچانا۔ اور اس سے کہا کہ اے خانہ خراب یہ تمام سیلابِ بلا اور گردِ فساد اٹھایا ہوا میرا یہ رنگِ فتنہ سراپا کدورت مرأتِ کار پر بٹھایا ہوا میرا۔ میں نے اس محبت و شفقت میں ڈالا و مانندِ مجنوں آوارہ دشتِ جنوں میں نکالا۔''

(ورق ۵۷-الف)

فرآسو کے اس قصہ میں کئی لسانی پہلو ایسے ہیں کہ جو انیسویں صدی کی اُردو کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ پیراگراف میں تشبیہات و استعارات کا استعمال کہ جو فارسی کی دین تھا اور انیسویں صدی میں اُردو نثر کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کی تینوں داستانیں باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور رانی کیتکی کی کہانی کا اسلوبیاتی معاملہ یقیناً جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن انشاء کے دعویٰ کے باوجود رانی کیتکی کی کہانی میں اُردو سے ہٹ کر بھی فارسی کے الفاظ شامل ہو گئے۔ یہ وہی انشاء ہیں جنھوں دریائے لطافت فارسی میں لکھی تھی جبکہ اس کا موضوع اُردو تھا۔

---

[1] جبکہ مذکورہ شعر کا مصرعہ ثانی مخطوطے میں یوں ہے ''بے قراری نہیں سونے دیتی'' (ورق ۵۴)۔ اس عتبار سے مذکورہ مجھے اور مجھ کو کی بحث ہی فضول نظر آتی ہے۔ ''نہیں سونے دیتی'' ردیف ہے اور قافیہ انتظاری اور بے قراری ہے۔ علم قوافی کی روشنی میں بھی مذکورہ قوافی درست ہیں۔ (مؤلف)

مذکورہ بیان سے یہ بات بھی بتانا مقصود ہے کہ انیسویں صدی کی نثر موضوع کوئی بھی ہو داستانی طوالت کا شکار تھی۔ فارسی والوں کی طرح زبان و بیان کی جلوہ گری کا دور دورہ تھا۔ باغ و بہار میں ہر چند کہ فارسیت کے مظاہرے فسانۂ عجائب کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں جبکہ رانی کیتکی کی کہانی اس مظاہرے سے بالکل عاری ہے۔ اس کے باوجود داستان نگاروں کی توجہ قصہ نگاری سے زیادہ لسانی مظاہروں پر ہے۔ فرآسو کا ''قصۂ عشق افزا'' لسانی اعتبار سے فسانۂ عجائب کا تتبع ہے نیز قصے میں شعری منظر نامہ چاندنی چوک کی یاد دلاتا ہے۔ یعنی فرآسو نثر میں لکھنؤ یا سرور کا پیرو ہے۔ جبکہ شاعری میں دہلی یا میر امّن کے چاندنی چوک کا باسی نظر آتا ہے۔
اشعار ملاحظہ فرمایئے:

چاندنی چوک اس کے ہے درمیان میں　　خوب ہے اپنی ادا و آن میں
بیٹھے ہیں ہر جا بساطی با نشاط　　کہتے ہیں اپنی بھی ہے کچھ بساط
اک طرف کیلے اکیلے ہیں دھرے　　اک سو آڑو چنگیری میں بھرے
ہے غرض بازار پر یہ آب و رنگ　　دیکھ کر جس کے چمن ہوجائے دنگ

چاندنی چوک کے حوالے سے فرآسو کے اشعار دلّی کے روزمرّہ کا مزہ دیتے ہیں نیز اسکی شاعرانہ قدرت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اور پھر یہ کہ جو شخص صنعتِ تجنیسِ مکرر میں پورا دیوان لکھ دے اس کی قادر الکلامی سے کون انکار کرے گا۔ اور اشعار دیکھیے:

عشق نہیں بھلا عشق بری چیز ہے　　دل نہ کسی سے لگا عشق بری چیز ہے
عشق میں جب بحرِ اشک اُمڈے ہے آنکھوں سے آہ　　دے ہے جہاں کو ڈبا عشق بری چیز ہے
(ورق ۹۱)

دوسرے شعر کا مصرعۂ ثانی پہلے مصرعہ کے بحرِ اشک سے جڑا ہوا ہے اور جہاں کو ڈبونے میں محاورتی کیفیت پائی جاتی ہے۔ گذشتہ صفحات میں مخطوطے پر تفصیل سے بات کی جا چکی ہے۔ لہٰذا لسانی اعتبار سے اس مخطوطے کے ناقص ہونے اور ناقص ہونے میں کاتب کی لاپرواہی کو بہت دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ اشعار بے وزن

نظر آتے ہیں ۔فرآسو کی مشق دیکھتے ہوئے اس نوع کے اشعار کاتب کی ہی اغلاط سمجھنا چاہئیں ۔البتہ اس زمانے کے اُردو املا جیسے مجھ کو (مجھ کوں) نون غنا کے ساتھ لکھا گیا ہے۔شاید اس قصہ میں فرآسو نے اپنا ابتدائی کلام بھی شامل کر رکھا ہے۔ان تمام معاملات کو دیکھتے ہوئے فرآسو کو بھی ہم بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے ۔کہ اسے کاتب کی تحریر کا پروف پڑھنا چاہیے تھا۔

## تمدّنی خصوصیات:

قصہ عشق افزا کی تمدّنی خصوصیات نمایاں ہیں کہ ہندوستان کے شعراء وادباء، نوابین وقت اور شاہان عصر کے مصاحب بننے کے لئے سراپا نیاز نظر آتے ہیں ۔جبکہ فرآسو کوئن قصہ عشق افزا ہندوستان میں بیٹھ کر اُردو زبان میں لکھ رہا ہے اور نظر اُس کی برطانیہ پر ہے۔گذشتہ صفحات میں ہم سردھنہ کے نقشے میں جرمن زبان کی عبارت کے اُردو ترجمے میں یہ جان چکے ہیں کہ سردھنہ انگریزوں کے لئے ایک پناہ گاہ تھا۔لہٰذا ۱۸۰۳ء کے بعد یورپین نسل سے تعلق رکھنے والا فرآسو کوئن ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیوں سے اچھی طرح واقف ہوگا۔اور جارج چہارم اور مثنوی کی شکل میں باغات یا گلشن کی تعریف میں شمالی ہندوستان کی طرزِ بود و باش کی جھلکیاں کہی جاسکتی ہیں۔ نیز ذیلی قصوں میں ہندوستان میں جگہ جگہ نوابین کی حکومتوں کا عکس پایا جاتا ہے۔

مافوق الفطرت عناصر جن، پریاں وغیرہ کا بیان مقامی طرزِ فکر کا غماز ہے۔بادشاہت بھی روبہ زوال ہے اور آپس کے مناقشے تیسری قوت کو مرکزیت بخش رہے ہوں تو پھر عام رعیّت کا احوال کس قدر پسماندہ ہو چکا ہوگا۔ دلّی کی خانقاہیں آباد ہوتی چلی گئی ہوں گی ۔نیز نجات دہندہ کے انتظار میں آنکھیں پتھرا گئی ہوں گی۔

گذشتہ صفحات میں مخطوطے کی منظر بہ منظر کیفیت بیان ہو چکی ہے ۔اس تناظر میں بحیثیتِ مجموعی قصہ عشق افزا ہندوستان کی شکست وریخت سے گزرتی ہوئی تمدنی کیفیت سے آگاہ ہونے کا مؤثر ذریعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

## فکری خصوصیات:

قصہ عشق افزا کی فکری خصوصیات قصہ کی تمدنی فضا سے جڑی ہوئی ہیں ۔فرآسو کے آباء اس ملک سے آئے تھے کہ جہاں ڈکٹیٹر شپ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر تھی ۔ایسی فضا میں زندگی گزارنے والے زندگی کے

نشیب وفراز سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ نیز وقت کی نزاکتوں کو محسوس کر کے موقع شناس ہو جاتے ہیں۔ قصۂ عشق افزا میں بھی فراسو کا یہی حال ہے۔

قصہ گو قصہ کا آغاز روح القدس سے کرتا ہے آغاز سے ہی وہ یہ احساس دلاتا ہے کہ میں عیسائی ہوں اور اس فکر کا پروردہ بھی ہوں۔ لیکن آگے چل کر جامع مسجد دہلی کو جب وہ شعری پیکر میں ڈھالتا ہے تو پکا مسلمان نظر آتا ہے۔

فکری اعتبار سے قصہ 'مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد ناگزیر ہے' کا اعلامیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فسانۂ عجائب کے شاہزادہ جانِ عالم کی طرح قصۂ عشق افزا کا ماہ روستانے یا تازہ دم ہونے کے لئے مختلف سطح پر معاملات بھی کرتا ہے لیکن پھر اسی مقصد یعنی مہر نگار کی جستجو میں نکل پڑتا ہے۔

بحیثیت مجموعی قصہ میں زندگی حرکت کے نظریئے سے عبارت ہے۔ راقم کی یہ بات گذشتہ صفحات پر مخطوطے سے متعلق مفروضات کے بیان کے مطالعے سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے۔

## اسلوبیاتی خصوصیات:

قصۂ عشق افزا کا اسلوب فارسی آمیز ہے فسانۂ عجائب کی طرز پر مقفّی ومسجع ہے۔ لیکن فسانۂ عجائب، میں اشعار خال خال ہیں۔ جبکہ قصۂ عشق افزا میں اشعار کی بھرمار ہے۔ قصّے کو پڑھ کر بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ داستان گو نثر کے بجائے منظوم داستان لکھتا تو بہتر تھا۔ اسلوب کے ضمن میں اشعار اور نثری نمونوں سے اس لئے گریز کیا جارہا ہے کہ پچھلے صفحات پر مذکورہ مخطوطے کی ورق درق کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

اسلوبیاتی خصوصیت کے ضمن میں اتنا ہی سمجھنا کافی ہوگا۔ کہ فراسو نے یہ قصہ فسانۂ عجائب کے تتبع میں تحریر کیا ہے۔ نثری خصوصیات سرور کے ہم پلہ نہیں۔ اشعار کے ضمن میں فراسو نثری قصہ نگاری کی حدود سے باہر نظر آتا ہے البتہ قصۂ عشق افزا کا شعری حصہ دلّی والوں کے لئے باعث تقویت ہے اور خود فراسو بھی دلّی والا نظر آتا ہے۔

بحیثیتِ مجموعی قصۂ عشق افزا کا مخطوطہ (نسخۂ باقر) ناقص ہے۔اس قصّے سے غیر ملکیوں کی اُردو زبان میں دلچسپی اور مقامی رنگ میں رنگ جانے کی خواہش نمایاں نظر آتی ہے۔لیکن فرانسو خود کو مقامیوں سے ممتاز دیکھنا پسند کرتا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ فرانسو نے یہ قصہ لکھتے وقت سوچا ہوگا کہ وہ سرور کے اسلوب میں اس سے بہتر قصہ لکھ سکتا ہے اور اس سے بہتر زبان و بیان کے جوہر دکھا سکتا ہے۔

# تدوینِ متن

# قصۂ عشق افزا (نسخۂ باقر)

از

فرانسوا گاٹلیب کوئن ''فراسو''

بعد از ۱۸۳۹ء

Muhammad Baqir
29/6/50.

قصۂ عشق افزا

از فرانسوا گائلیب دین "فراسو"

لندن ۱۸۳۹ء
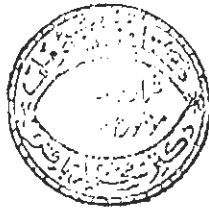
"اردو

عکس قلمی نسخۂ قصۂ عشق افزا (نسخۂ باقر)

کتاب خانۂ ملّی دکتر محمد باقر

شمارہ : ۸

نام کتاب : قصۂ عشق افزا

مؤلف : فرانسوا گاٹلیب کوین فراسو

ناشر : نسخۂ خطی

تاریخ : بعد از ۱۸۳۹ء

موضوع : اردو قصّہ

# روح القدس

حمد بے حد و ثنائے لاتعد، بادشاہِ حسن و عشق کو سزاوار ہے کہ جس نے دارالملکِ ہستی میں بہ اشکالِ مختلفہ گلرخانِ ماہ رو کو پیدا کیا و کو بجستجوئے جلوۂ حسنِ گلوسوز کے سر بصحرا دیا بقلمِ قدرت بیاضِ دیباچہ صبح پر قصۂ رنگیں گردشِ دوراں لکھا و بیاض آسمانی شام پر سوادِ دل نشینِ رنگا رنگ شفق کا مندرج کیا حور نژادانِ شمع رو کو سامانِ محفل افروز شبستانِ دلربائی بنایا و خاکسارانِ پروانہ خو کو گرمروِ عالم شیدائی پایا۔ فاختہ کو کونوا گو بہ گرمیٔ عشق لباسِ خاکستری پہنایا عندلیب نغمہ سرا کو بہ عشقِ گُل ساز چچہہ عنایت فرمایا لالہ خونیں پیالہ کو بداغِ غمِ خلعت سرخروئیِ جاوید بخشا و نرگسِ شوخ چشم کو بہ دیدارِ نور الانوار ذاتِ اظہار سامانِ حیرت عطا کیا قاری بلبل اس کی یاد میں ہر ساعت مصحفِ گل کا تلاوت کرتی ہے دمؤذّن قمری ہر دم منبرِ سرو پر دم کلمہ بند کے بھرتی ہے۔ شعر استاد:

نہ تنہا بلبلے تسبیح خوانست  کہ ہر مرغے بہ تسبیحش زبانست

اُس کی مضبطہ قدرت میں چرخِ مدور مینائے زمردیں اور اُس کی بزمستانِ حکمت میں مہرِ منور ساغرِ زریں کواکبِ ثوابت سیارہ بحرِ صنعت میں حبابِ نور آگیں و قوسِ قزح محض سجۂ قدرت سے موجِ رنگیں دریا کو بجستجوئے ذوق بسر غلطاں کیا و سحاب کو ہوائے شوق مانندِ برق سامانِ بیتابی دیا ماہِ سریع السیر بطیٔ منازل اشتیاق تمام شب بے خواب و آفتاب جہانتاب کا تابِ شعلۂ عشق سے تمام تن تنورِ شفق میں کباب ایسا نقاش کہ بہ تیردستیٔ قدرت صورتِ انسان کو بہ ہزار آب و تاب عناصرِ اضداد سے پیدا کیا و ایسا طراح کہ بدستکاریٔ صنعت کاخ سپہر اخضر کو بدون یا بہ ستون ہویدا کیا عجب صیاد کہ مرغزارِ بوستاں میں جہت صیدِ قلوبِ عنادل رگِ گل ہے دامِ گرفتاری بچھایا ایسا نادراستاد کہ دبستان گلستان میں ہزار داستان خوش لہجہ کو ہزار نکاتِ رنگیں سکھلایا فاختہ نے بصد آتشِ شوق لباسِ خاکستری تن پر آراستہ کیا و قمری نے بقیدِ ذوق طوق بند کے گردن میں ناخواستہ کیا طوطیٔ شیریں سخن باادائے شکر عطائے نعمت ہر دم شیریں مقال و طاؤس زمرد پیرہن زریں بال ہر لحظہ بوجدِ حال خوشحال ہدہد نے بہ سرافرازیٔ ادائے مراتب سجود تاجِ افتخار سر پر لیا کبک خراماں

# روح القدس

حمد بیحد و ثنای لاتعد بادشاہ حسن و عشق کو سزاوار ہی کہ
جسنی دار الملک ہستی مین بہ اشکال مختلف گلرخان ماہرو کو
پیدا کیا و عاشقان لاابالی کو بجستجوی جلوہ حسن گلوسوز کی بسر صحرا
دیا بقلم قدرت بیاض دیباچہ صبح پر قصہ رنگین گردش دوران لکھا
و بیاض آسمانی پشام پر سواد دلنشین رنگارنگ شفق کا مندرج کیا
حور نزادان شمع رو کو سامان محفل افروز شبستان دلربائی بنایا
و خاکساران پروانہ خو کو گرمرو عالم شیدائی بنایا فاختہ کو کو نوا
کو بہ گرمی عشق لباس خاکستری پنہایا و عندلیب نغمہ سرا کو بہ عشق

گل زار

عکس قلمی نسخہ قصہ عشق افزا (نثر باقی)

نے بطریقۂ طاعت خرامِ خوبانِ مغرور پر ہزار ہزار قہقہہ کیا مجمر بغایت شوقِ محبت شعلۂ نارسی ہمکنار و شمع بعلتِ سوز و گداز آتشِ غم ہر بزم میں بہ اباب سرانرازئ سزاوار بہ جوشِ سودائے غم خونِ رگِ سنبل میں نیلگوں اور اس کی شہادت گاہِ عشق میں سینۂ گل کا چاک اور جامِ پُر خونِ نرگس بزمِ گلستاں میں بادۂ یاد سے جامِ زریں کف پر لئے و سرو مضبطہ بوستان میں شوق سے مینائے زمردیں بغل میں کیے۔

اللہ اللہ ہر گل و گلشن اس کی یاد میں ساغر پیماں و ہر مرغِ چمن اس کے شوق و ذوق میں نغمہ سرا۔

بیانِ نظمِ توحید:

اگر حمدِ ایزد نہ رقم زبانِ قلم یک قلم ہو قلم

وہی حمد کا دل سزاوار ہے زباں کو ہی دی جس نے گفتار ہے

اُسی نے بنایا ہے ارض و سما یہ جس میں دوعالم رہا ہے سما

اُسی سے منوّر ہے ماہِ سپہر دلِ مہر میں ہے اُسی کی ہی مہر

رُخِ گُل پہ اُس سے ہے رنگِ بہار چمن میں ہے ہر سرو آزاد وار

کیا اُس نے باغِ جہاں زر سے پُر کہ ہیں مشتِ غنچہ میں شبنم کی دُر

عطا اس نے نرگس کو کی چشمِ دید سُجھایا اُسے سب قریب و بعید

نہ غنچوں کو بس رز کا طرّہ دیا گلِ طرّہ کو بھی تو طرّہ دیا

کوئی اُس کی بخشش سے کب تنگ ہے کہ خواہان اورنگ اورنگ ہے

نہ ہو ابرِ رحمت سے اُس کی تپاک تو صد برگ کا ہو جگر چاک چاک

اُسی کی محبت کے ہیں چار داغ کہ لالہ کے دل کے ہیں چشم و چراغ

نہ سوسن سے ہو حمد اُس کا بیاں کہ ہے بے زباں وہ بھی با صد زباں

ہر اک شاخِ گل کو ہے اُس کی ہی لے زبس دستِ زاہد کی مانند ہے

یہ بلبل کو بھی عشق کا ہے مزا کہ کھاتی ہے گل شوقِ گل میں سدا

فقط سرو کو ہی نہیں شوق ذوق گلے میں قمری کی الفت کا طوق
اُسی نے کیا عشق کا جاں گسار اُسی نے کیا حسن کو طرح دار
دیا قیس کو اُس نے درد و تعب محبت کی لیلیٰ نے مے پی عجب
نہ کچھ کوہ کن ہی دیوانہ ہوا کہ شیریں کا شیریں فسانہ ہوا
کیا عشق رانجھے نے جب ہیر کا ہوا جو کہ لکھا تھا تقدیر کا
وہی دل فگاروں کا دلسوز ہے بتوں کا وہی محفل افروز ہے
دیا شمع کو سوز جب عشق کا کیا جی پتنگے کا اُس پر فدا
رگِ گل بھی شبنم کے دانہ پرُو جپے تیرے [ہی] نام کی سبحہ کو
کیا تاجور تو نے تاجِ خروس علم سرو اور صورت قمری ہی کوس
سمجھ اے صبا اُس نے کیاری کیا لقب بلبلوں کا ہزاری کیا
غرض رنگ ہے یا کہ نیرنگ ہے سبھی اُس کی قدرت کا یہ رنگ ہے
کلی ہے کہ گل ہے وہ یا خار ہے کرم اُس کا سب کا ہوادار ہے
بہار اُس کے الطاف کے ہے قریب خزاں اُس پہ پھرتی ہے مثلِ رقیب
غرض باغِ قدرت کا رنگِ بہار کیا دل پذیر اس قدر اُس نے یار
تو کی نخلبند اس نے نبیوں کی ذات کہ فیض ان کا ہے مثلِ آبِ حیات
خصوصاً ہمارے نبیؐ کریم بروحِ جناب الرحیم

نعتِ سلطان الانبیاء حضرت عیسیٰ روح اللہ ذاتِ خدا گلہائے گونا گوں بہ ناز نثارِ ذاتِ پاک حضرت روح اللہ پر کہ جس نے ریاضِ دین کو آبیاریٔ رائے جہاں آرائی سے طراوتِ تازہ و آب رنگ بے اندازہ دیا و غنچۂ تمنا خار بہ پاشکستگانِ وادیٔ معصیت کو بہ نسیمِ ہدایت برنگِ گل شگفتہ کیا وہ بہ فیضِ سحابِ فضل اس دریا دل نے گردِ گناہ چہرۂ سیہ کاراں وراہِ گم کیوں کے دھوئے۔ گوہرِ یکتائیِ ملتِ بیضا ضیائی نے

چارسوامکان وشش جہت جہان میں روزِ بازاراس سے پایا۔ ولوائے والائے شریعت عزاعرصۂ روزگار میں اس سے بلند ہوااس کے وجودِ فائض الجود سے باعثِ وجودِکون ومکاں اوراس کے شخصِ کرامت مشخص سے موجب آرائشِ زمین وزماں آئنۂ دیں نے اس کے مصقلۂ ضمیرِ صافی سے ایسے صفائی نہ پائی کہ چہرۂ نجات اس میں رونہ دکھاوے وچراغِ ملت اس کے پرتوِ رائے منیر سے ایسا روشن نہ ہوا کہ تاصبح قیامت شعلۂ نورکا نہ چمکاوے۔

## نظم درنعت

حشر کو بخشش اگر مطلوب ہے — ہر قدم اب راہِ حق میں خوب ہے
جان و دل سے سب کئے ہم نے قبول — گرچہ بھیجے ہیں بہت حق نے رسول
ہوگیا روشن جہاں تاریک سب — لیک بھیجا حضرتِ عیسیٰ کو جب
بے شک اُس کی ذات روح اللہ ہے — بے پدر پیدا ہوا وہ ماہ ہے
دونو عالم کا ہوا سلطان وہ — ہو گیا ظاہر جہاں کی جان وہ
گور سے مردہ اُٹھائے لاکھ بار — جس نے کہہ کے قُم بِاِذنِ اللہِ یار
سب گناہوں سے جہاں کے پاک ہے — اُس کی جو امت میں ہے بے باک ہے
بندہ پرور رہنمائے گمرہاں — ہے وہ ایسا پیشوائے مرسلاں
زیرِ پا اس کے ہے پا انداز فرش — عالمِ تحت الثریٰ سے تا بہ عرش
پر رہِ حق میں رہے ثابت قدم — سب لئے سارے جہودوں کے ستم
اس کی مرضی حق کو بھی منظور ہے — ذات اُس کی بے تعین نور ہے
گو کیا ہے چرخِ چارم [رہ] گزار — کافروں کے ہاتھ سے ہو دل فگار
جس طرح روشن ہو خورشیدِ شفق — لیک زندہ ہے برنگِ ذاتِ حق

حضرتِ عیسیٰ خدا کی ذات ہے ورد نام اس کا مجھے دن رات ہے
مادر ان کی حضرتِ مریم ہے جو وصف مخدومی کا ان کی کس سے ہو
اس طرح کی ہیں وہ مقبولِ خدا فخرِ نسواں مقتدیوں کی مقتدا
کیوں نہ ہو وہ بحرِ عصمت پاک تر جس کے ہووے شکم میں ایسا گہر

تصویر حضرت عیسیٰ روح اللہ

# لآلي متلالي مدح شاہِ کشورِلندن

مدح وثنا کہ سزاوار جناب شاہِ ولایت لندن

کشورستان سرآمد خواقینِ جہاں مہرلقا مشتری سیما آسماں سریرِ عطارد دبیر کیواں بارگاہِ بہرام رزم زہرہ بزمِ سلیماں نگینِ فریدوں تمکینِ دارا حشمتِ سکندر مرتبت کی ہی لکھتا ہے زہے تابندہ اختر سپہر سلطنت کہ جس کی اشعہ آفتاب ضمیر صافی سے ساحت جہاں کا روشن وخہی ابر بارندہ ادجِ مملکت کہ اس کی ہواداریٔ تدبیر صایب سے خارستانِ دوراں کا گلشنِ خزاں کی کیا طاقت چمنستانِ عدل میں دستِ غارت متاعِ لالہ وسمن پر دراز کرے وگلستانِ انصاف میں خار کی کیا مجال کہ ناخنِ ستم سے عارضِ نازکِ گل بے امتیاز کرے اگر عندلیب فریاد کھوے کہ گُلِ بے پروا نالہ زار میرا نہیں سنتا فوراً دشنۂ خار سے سینہ گُل کا چاک کریں وقمری بہ دادخواہی کمر کسے کہ سرو آزاد مجھ سے سرگراں ہے وہ ہیں حلقۂ زنجیر موج آب اس کے پا میں بھریں وبہ سیاست گاہِ قہرمانی نرگس کو بہ گناہِ شوخ چشم دارِ قلم پر دھریں وزبانِ نافرماں بہ گناہِ نافرمانی گدّی سے باہر کریں کہ دیارِ انصاف میں کبک ودرّاج باز وشکرہ سے ہم پرواز و ادج گاہِ عدل میں شاہین کلنگ سے دراندازِ نیازِ عدالت نے داد اس سے پائی ورفعت سرافرازی اس کے ایسا دریا دل بسانِ نیساں کف فیض ونوال کھولے دامان ہزار توقع وآرزو کا صدف صدف گوہرِ دُر سے پُر کرے ایسا والاہمم کہ مثال معدن بمقامِ بخشش وعطا کیسہ صد طمع وامید سیم وزر سے بھرے دریا بہ معانیہ جود وکرم اس مردِ سخا کے بہ ہزار حیرت وحسرت میں موجِ مبین پر لاوے وبہ ملاحظہ بذل وہمت شخص با عطا بصد رشک وعبرت لعل کان میں خونِ جگر کھاوے اگر تیغِ قہر بہ میدانِ معرکۂ رزم علم کرے خورشیدِ فلک بغایتِ بیم سپر ہاتھ سے گراوے وخدنگ پیکار کو بہ کششِ کمانِ عزم عزم میں لاوے قوسِ قزح کمال ہیبت سے چرخ پر دونیم ہوکر پیش آوے۔

## نظم در صفت شاہِ لندن

سپہ دارِ عالم بہ دورِ جہاں — فلک جس کے ایوان کا سائباں
معلےٰ جناب و مقدس خطاب — جہانگیر چوں پنجۂ آفتاب
وہی منبعِ فیض و انصاف و داد — بر آئی ہیں اس سے دلوں کی مراد
جہاں عہد میں اس کے مسرور ہے — سدا عیش و عشرت سے معمور ہے
یہ آنکھوں میں رکھتا ہے ہستی کی مے — کہ دیکھے سے ہو مست ہر ایک شے
سخاوت اگر اس کی کیجے بیان — نکل جائے حسرت سے حاتم کی جان
جو کھولے وہ دستِ سخاوت مآب — تو ہو زر فشاں پنجۂ آفتاب
غضب کی طرف آئے گر اس کا دھیان — تو تیغ اس کی بولے کہ من گل رخان
ولے چشمۂ فیض ہے اس کی ذات — کہ بہتا ہے ہر طرف آبِ حیات

تصویر شاہِ لندن

## سخن نظم در توحید و حمدِ ربّانی بکلامِ ہندی اردوئے معلےٰ

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ اسیرِ دامِ کثرت ہوں میں ہر راہ
جہاں آئینہ آسا پر صفا ہے ترے ہی عکس سے جلوہ نما ہے
جہاں کا ہے برنگِ گلستاں ڈھنگ بہارِ فیض سے تیرے ہے ہر رنگ
غرض ماہی سے دیکھا ہم نے تا ماہ ترے ہی نور کا جھمکا ہے اللہ
ترے ہی مہر سے ماہِ دل افروز نمایاں زلف و رخ سے ہے شب و روز
بہ حرفِ کاف و نون اے ربّ غفّار عدم سے ہی ہوئی ہستی نمودار
عدم کو تو نے دے کے بخت مندی عیاں کی ہے یہ پستی و بلندی
کیا ہے خلق کو تو نے ہی مخلوق بنے ہیں تجھ سے ہی عاشق و معشوق
محبت کی تجھی سے دل میں ہے راہ تو ہی دے چشم و دل کو گریہ و آہ
کبھی یوسف کو اوجِ جاہ دیوے کبھی قعرِ حفیضِ چاہ دیوے
کبھی آوارہ رکھے چوں صبا تو کبھی جیوں کوہ رکھے ہے بجا تو
کرے اوراقِ گل جیوں غنچہ درہم کبھی جیوں گنجفہ کر دیوے برہم
کبھی تو مثلِ گل خندان رکھے کبھی شبنم نمط گریان رکھے
کبھی طالب بناوے گاہ مطلوب کبھی غالب تو رکھے گاہ مغلوب
کبھی موہوم ہو در گاہ معلوم کبھی مفہوم ہو اور گاہ معدوم
تری قدرت کی ہیں یہ سب کرامات تری ہی لاشریک اے میرے رب ذات
دو عالم کا ترے ہے ہاتھ میں کار جو کچھ چاہے کرے ہے تو ہے مختار
ترے ہی ہاتھ ہے نبضِ دو عالم کہ صحت ہے تری حکمت سے ہمدم
جسے تو چاہے مارے اور جلاوے جدا چاہے کرے چاہے ملاوے

کرم سب پر ہے تیرا مہر فرما — جو کچھ کرتا ہے تو ہے وہ ہی اچھا
جو منہ میں سو زباں ہوں غنچہ آثار — فراسو سے نہ ہو توحید اظہار
زباں پر اس قدر جو گفتگو ہے — تری دل میں ہمیشہ جستجو ہے
الٰہی میں ہوں لبریزِ گناہاں — ولیکن ہوں تری بخشش پہ نازاں
معاف اپنی سبھی جرم و خطا ہو — جو تیری بندگی یکدم ادا ہو
کٹی لہو و لعب میں زندگانی — ولے کچھ یاد تیری کر نجانی
رہی جرم و گنہ کی بس کہ عادت — نہ ہرگز ہو سکی ہم سے عبادت
نبھا دے مجھ کو ہوں ہشیار یا مست — نہ چھوڑے دستگیری جو ترے دست
گناہوں سے ہوں پُر تیرا میں بندہ — رہوں گا منفعل جب تک ہوں زندہ
رہے گی چشم تر تا حشر روتی — خجالت کے سدا موتی پروتی
گناہوں سے نہایت ہوں میں دل ریش — مثل ہے کردہ خویش آمدہ پیش
کٹی غفلت میں میری زندگانی — نجانی قدر اپنی پر نجانی
کر اپنا فضل اب مجھ پر عنایت — سجھا دے تو مجھے راہِ ہدایت
تو اپنی طرف سے کر اب نوازش — کروں تیرے سوا اب کس سے سازش
تو ہے جمعیت افزائے دل و جاں — توانائی وہی آشفتہ حالاں
اگر میں ہوں رہِ بغض و حسد پر — نظر مت کر مرے اعمالِ بد پر
تو ہی تو چارۂ بے چارگاں ہے — توانائی وہی بر ناتواں ہے
جو مجھ میں خوش پسندی ہے نہایت — نیاز و عاجزی کر تو عنایت

## در صفت عشق

رکھ اپنے عشق میں مجھ کو ہمیشہ مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ
ترا ہی عشق ہر دم رہ نموں ہو مرا دل غنچہ آسا غرقِ خوں ہو
مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے شرابِ عشق سے مستانہ کردے
دل آوارہ میرا سر تا بہ پا ہو کہ جس کو دیکھ شرمندہ صبا ہو
یہ دے سینہ میں میرے سوزشِ دل کہ میں تڑپا کروں جیوں مرغِ لبسمل
تو دے صد داغِ الفت میرے دل کو تو کر گلریز میرے آب و گل کو
جگر کو میرے کر زخمی سراسر کہ ہوں مشہور مجنوں کے برابر
شرابِ عشق سے کر سخت مدہوش کہ وحشت کا اُٹھے دل میں مرے جوش
کروں عشقِ مجازی کو فراموش یہ دل میں ذوق معنیٰ کا اُٹھے جوش
کہ تیرے عشق کی ہو مجھ کو مستی بھلاؤں دل سے میں صورت پرستی
ترا غم گر کرے ہنگامہ سازی تو دنیا سے مجھے ہو بے نیازی
مجھے کر رازِ عشق اپنے سے آگاہ دکھا دل کو مرے تحقیق کی راہ
فراسو ہے تری الفت کا طالب کہ تیری ذات ہے ہر شے پہ غالب

## در مرتبہ عشق و محبت

مجھے دے ساقیا جامِ رحیقی بھری ہو جس سے صہبائے حقیقی
کہ جس سے دل ہو مثلِ گل درخشاں رہے تا حشر بعد از مرگ خنداں
رہی مستی ہے دائم مجھ پہ عاشق مئے توحید ہو دل کے موافق

پلا ساقی جو بادہ لالہ گوں ہو
کہ اس سے چشمِ تر جوں جامِ خوں ہو

زبس مستانگی کا دل میں ہو جوش
سنے سے جس کی عالم کا اُڑے ہوش

گریباں سے ہو الفت چاک کو بھی
صبا ہمدم رکھے اس خاک کو بھی

گلو گیری کرے آ مستیٔ عشق
نہ ہووے مرگ تک وارستیٔ عشق

رکھے آنکھوں سے میرے اشک سازش
جگر پر ہووے داغوں کی نوازش

رہی نالوں کو لب سے روشناسی
کریں دل کی نہ آہیں ناسپاسی

رہی جیوں ابر میری چشمِ نمناک
بدن برقِ محبت کا ہو خاشاک

فغاں چھٹ کچھ نہ لب پر گفتگو ہو
ہمارا زعفرانی رنگ رو ہو

نہ ہو مرہم سے اچھا داغ دل کا
شگفتہ ہی رہے یہ باغ دل کا

سدا ہو چشم اور حیرت میں نسبت
مجھے بس دیکھ رہنے کو ہو فرصت

ہمیشہ ضعف پاوے دل پہ قدرت
عطا ہو ناتوانی جائے طاقت

سدا ہو بے کسی ہمراہ میری
سناوے دل کو ہر دم چاہ تیری

بیاباں میں کروں آشفتہ حالی
کروں چشموں کے چشمے رو کے خالی

کرے سارا جہاں مجھکوں ملامت
نہ آوے عشق بازی سے ندامت

رہے سر پہ مرے سودا کا سایہ
جنوں ہر دم رہے دل میں سمایہ

کدھر ہے ساقیٔ گل رو ادھر آ
پیوں کب تک میں خونِ دل کو بتلا

کہ مجھ کو عشق کی کرنی ثنا ہے
بجز عشق اور اس عالم میں کیا ہے

تری ہے عشق سب نیرنگ سازی
ترا ہے کھیل مثلِ حبہ بازی

تو ہی بخشے ہے عاشق کو رخِ زرد
دلوں میں بھی اُٹھاتا ہے تو ہی درد

رکھیں ہیں ربط تجھ سے گبر و دین دار
ترے رشتہ میں ہیں تسبیح و زنار

لبِ بلبل پہ کیا نوحہ گری ہے
لباسِ قمریاں خاکستری ہے

لہر سے تیری دریا جوش میں ہے　صدا جس کی موحّش گوش میں ہے
غمِ مجنوں میں ہے یاں تک تو بیمار　دلِ صحرا سدا رہتا ہے پُر خار
تجھی سے سینہ اک عالم کا ہے چاک　تجھی سے دل ہزاروں کا ہے غمناک
تو ہی ہر وجہ ہے جانِ تمنا　تجھی پر غش ہے اعلیٰ اور ادنیٰ
لیا مجنوں نے صحرا میں بسیرا　کیا فرہاد نیں کوہوں میں ڈیرہ
سدا لیلیٰ کے دل کوں بستگی ہے　عجب شیریں کی جاں کوں خستگی ہے
لگن میں ہے ترے کیا شمع بیتاب　جگر پروانہ کا ہے بحرِ خوناب
تجھی سے عاشقوں کا ہے بد احوال　ستانا دل جلوں کا ہے تری چال
سدا کام آپ کا بدنامیاں ہے　تمہاری رتجھ بس ناکامیاں ہیں
تجھی سے ہیں پراگندہ یہ سب لوگ　ترے ہی ہاتھ ہے جس تس کا سنجوگ
سبھوں کو دے ہے تو زلفوں کا سود　کیا ہے تو نے اک عالم کو رسوا
تری امداد سے جیتے ہیں عاشق　لہو اپنا سدا پیتے ہیں عاشق
سدا ہے زخمِ دل تیرا نمک خوار　رہے ہے روز شب مرہم سے بیزار
تجھی سے ہے یہ حسن و عشق کا ربط　کہ ہو سکتا نہیں اس کا کبھی ضبط
پلا ساقی ذرا اب بادۂ شوق　سیہ مستی کا ہے دل کو مرے ذوق
مجھے کر مست ساقی جلد مے لا　خدا کے واسطہ دل کر نہ میلا
کہاں تک کوئی خون دل کو پیوے　کوئی لختِ جگر پر کیونکہ جیوے
کھلا اب چاہتا ہے عشق کا راز　کہ پردے میں بھلا کب تک بجے ساز
نہ کیوں ہر لحظہ میرا دل کراہے　کہ آنکھوں میں ہی جی نکلا ہے جائے
ہوا ہوں میں زمانہ سے جدا تنگ　کہ ہوں سارے قبیلے کا میں اب ننگ
کہ ہے خوں دونوں آنکھوں سے چکیدہ　سدا ہے آہ بھی بر لب رسیدہ

جگر پانی ہوا ہے درد و غم سے　　یہ دم بھی اب جدا ہوتا ہے دم سے
زباں پر عشق کی جو گفتگو ہے　　سخن کہنے کی مجھ کو آرزو ہے

## در صفت سخن

الٰہی دے سخن میں میرے تاثیر　　کہ ہوں جیوں قند شیریں میری تقدیر
سخن میں نالۂ بلبل کا ہو ڈھنگ　　کہ مثل گل ہو اس پر آب اور رنگ
کلی آسا زباں ہے پُر دہاں ہو　　بسانِ شمع تن واقف زباں ہو
دہن جیوں سیپ میرا پُر گہر ہو　　سخن مانندِ گوہر جلوہ گر ہو
برنگِ گل سخن کو رنگ و بو دے　　معانی کو بھی یارب آبرو دے
دُرِ معنیٰ سے کر لبریز سینہ　　نہیں بہتر جو سادہ ہو سفینہ
الٰہی نکتہ داں کر یہ مرا دل　　سخن ہو گرم میرا شمع محفل
معانی میرے دل سے ہم قریں کر　　سخن کو میرے جادہ آفریں کر
مرا دل خوش کلامی سے ہو گلزار　　معانی کا ہو مجھ پر کشف اسرار
معنبر کر قلم آسا زباں کو　　کہے نافہ جہاں میرے دہاں کو
کرے پروازِ اوج اب طائرِ ذکر　　فلک تک پہنچے آوازِ لبِ فکر
نسیمِ فیض سے ہو وا عقدہ　　گرہ دل کی کھلے مانندِ غنچہ
درِ فیض اپنا کر دے باز دل پر　　کہ روشن ہو چراغِ راز دل پر
منور ہو سخن سے سینۂ دل　　مصفّا ہو مرا آئینۂ دل
مرے شعروں کو یارب نغز کر دے　　معانی سے انہیں پُر مغز کر دے
سخن کے باغ کو دے آب اور رنگ　　فراسو کو کہانی کا ہے آہنگ

کہانی کی کرے تاثیر موزوں     کہ جس سے سننے والے کا ہو دل خوں
کہے بلبل نمط رنگیں حکایت     اُکھاڑے اک نیا کنجِ محبت
نئی بات اور نیا طرزِ بیاں ہو     نیا رازِ دلِ عاشق عیاں ہو

بہ تمہید صورت کھینچئے اس نگاریں مرقع صورِ معانی کی وآب و رنگ دنیا اس رنگیں حدیقہ نکتہ دانی کا رائے جہاں آرائی دنشوارنِ صبح نفس پر و تنویرِ خردورانِ نکتہ رس پر پوشیدہ نہ رہے کہ ہیچمد اں ناتواں فراسوکوین ولد جان گاٹلیپ کوین قوم الیمان اگر چہ لیاقت و استعداد اس قدر نہیں رکھتا کہ آپ کو بزمرۂ اہلِ علم ونظم ونثر جانے مگر باتفاق ہنگامِ ایامِ بیدلی و پریشاں حالی بہ عشقِ لیلیٰ وشی جورِ زمانہ بوقلموں سے چندے عالمِ تنہائی وگوشہ گیری میسر ہوا، اس وقت خیال دلِ دردمند پر گزرا کہ ایک افسانہ رنگین ودلچسپ تازہ وپُر درد بصد فکر نگاری تحریر کرنے وشیریں گفتاری کہ کوئی قصہ تازہ وکہن اس کے سوز وگداز کو نہ پہنچے وگوشِ فرہاد پیشگاں تعشق اندیش سوائے اس شیریں حکایت کے خواہش نہ کرے سوائے سیر اس قصہ کے کسی کہانی پر دل نہ دھرے علیٰ ہذا القیاس کہ کلام فارسی وزبانِ ہندی کہ جسے اُردوئے معلے خطاب کرتے ہیں اس داستان کو مترجم کر کے وَاکثر غزل ومثنوی ورباعی وفرد برمحل ومقام بہ پیرائش نگارش میں لا کے دل افروز انجمن کیا تارشتۂ شوق عاشقوں کے ہاتھ آ ے وجان ویوانگاں کی ذوقِ جنوں اُٹھاوے وسینۂ بے قراراں سرمایۂ بے قراری پاوے وسرگشتگان وادیٔ یاس کو منزلِ حصول امید پر پہنچاوے وآتش محبت ہر دل سوختوں کی جان میں دوبالا کرے وحاضرانِ محفل کا شمع وار جگر گلاوے آخر کار بہزار حسن وخوبی نام اس قصہ کا ''عشق افزا'' موسوم کیا مگر امید چمن پیرایان سخنوری وگلشن آرایان دانش گستری سے یہ ہے کہ اس رنگیں گلزارِ سخن کو فیضِ نظارہ سے آب ورنگِ قبولیت عطا کریں اور جو نہال موافق مدعا مناسب مقام نہ دیکھیں بہ باغبانی اصلاح بجائے لائق ترتیب دیں اور اس بے پیر وبے برگ ونوانے جو ہر از خار خارخاطر سے اس گلزار رنگیں بار کو بہ آراستگی فراہم کناں گفتارِ چنیں وچناں سے معاف فرمادیں۔

بیت:

جہاں جرم سے گو ہے ہر سر بسر　　تو بخشش پر اس کی ہے سب کی نظر

## تصویر مصنف کتاب فراسوکوین قوم الیمان ساکن ولایت پولینڈ

آغاز داستانِ محبت پر وابتدائے قصہ عشق افزا کہ دل و جاں مشتاقوں کو مشتاق کرے وشمع جاں کو برنگ پروانہ سوز وگداز کرے۔

بہار پیرایانِ بساط ایں حکایات و چمن آرایان حدائقِ روایات اس رنگیں داستان کو آبیاریٔ تقدیر سے اس روشن آب ورنگ دیا اور غنچہ گلزار افسانہ کو نسیم بیاں سے اس وضع پر شگفتہ کیا کہ کشورِ حسن و عشق آباد ہندوستان کہ خاک عطر آمیز اس کی گلگونہ شاہدانِ روئے زمیں وگردعنبر بیز وسمہ ابروئے حوارنِ خلدِ بریں سرزمینِ دل کشا اس کے برنگِ رخسارہ لالہ رویان رنگیں و ہوائے محبت افزا نے مانند ہوائے دل عاشقان دردآگیں ایسی منزلت وتمکیں سے معمور ومعروف کہ پردمانمانِ عالم اس کے روضۂ رشک ارم سے بہزار تمنا گلچیں اور ایسی لطافت تریں سے موصوف کہ گویا خاتم اقلیم پر مثالِ نگیں ۔

## در صفت شہر دہلی

شہر دہلی یوں ہے ہندوستان میں　　جیسے ہو رنگیں چمن بستان میں
اس کا اس رونق پہ ہر بازار ہے　　جیوں نمود اک تختۂ گلزار ہے
بیچ میں بازار کے اک نہر ہے　　آبِ کوثر کی سی جس میں لہر ہے
یوں کناروں پر شجر ہیں سایہ دار　　جن کے اوپر کیجے طوبیٰ کو نثار
مالنیں سب ان درختوں کے تلے　　بیٹھی ہیں پھولوں کے ہاروں کو لئے

کوئی کہتی ہے گندھے کیا ہار ہیں
موتیا کے پھول خوشبو دار ہیں

کوئی کہتی ہے ہتھیلی پر دکھا
لو یہ طرّہ موگرے کے پھول کا

کوئی کہتی ہے یہ بڈی خوب ہے
ڈلرا اور چنپا کلی محبوب ہے

ہنس کے جیوں گل چُہل کرتے ہیں سبھی
تا کسی دل کو نہ ہووے بے کلی

جوہری بازار پر کیا نور ہے
ہر دکاں مانندِ کوہِ طور ہے

جوہری بیٹھے ہیں دوکاں پر مدام
پرکھیں ہیں انسان کے جوہر تمام

زیب تن کر کے مکلّف سب لباس
بیٹھے رہتے ہیں خوشی سے پاس پاس

جیغہ ہائے بے بہا سر پر دھرے
لعل اور الماس ہیں جن پر جڑے

چمکے یوں بازو پہ ان کے نو رتن
ابر میں جیوں چمکے سورج کی کرن

بیٹھے دوکانوں پہ انساں نوجواں
سب کو دکھلاتے ہیں حسن و ناز واں

سے کسی کا نام ہیرا لعل واں
کوئی چُنّی لعل ہے ان میں میاں

جا بجا بیٹھے ہوئے صرّاف ہیں
وہ بھی اپنے کام میں حرّاف ہیں

ایک جانب اشرفی کا ڈھیر ہے
جس کے دیکھے سے طبیعت سیر ہے

اور روپوں کا اک طرف انبار ہے
جس کا جلوہ گرمیٔ بازار ہے

پیسے کو دلی کے نہیں ہر گز کمی
اپنے گھر کنگال بھی واں ہے غنی

اور بزازوں کا کروں میں کیا بیاں
بسکہ دوکانوں پہ ہے جلوہ کناں

طاش و کم خواب و تمامی بادلا
لاہے شبنم ململ اور پھتولیا

تصویر در صفت جوہری بازار و بہ نہر فیض بہ شکل تمامی

# اہلِ خرقہ شعر

سب دوکانوں پر دھرا ہے جا بجا　　صحنِ دوکاں ہو رہا ہے جگ مگا
چاندنی چوک اُس کے ہے درمیان میں　　خوب ہے اپنی اداؤ آن میں
ہووے ہے وقتِ سہ پہری جس گھڑی　　آکے ہوتی ہے وہاں خلقت کھڑی
اُس جگہ جو ہے پراچہ کی دوکاں　　بیچتے ہیں ٹوپیاں اور دولمیاں
وہ پڑے بٹوا تمامی طاش کے　　ہاتھ میں دلبر کے ہوویں کاش کے
اور کوئی بیٹھا کہیں صاحب سلاح　　بیچتا ہے رکھ کے دوکاں پر سلاح
بیٹھے ہیں ہر جا بساطی با نشاط　　کہتے ہیں اپنی بھی ہو کچھ [تو] بساط
بیٹھے رہتے ہیں جدھر چینی فروش　　چین کے بازار کا رہتا ہے جوش
ہے کہیں پکتا کباب اور شیرمال　　جس سے دل مے نوش کا ہووے بحال
اور برقعہ آتیاں مغلانیاں　　تاکہیں جاویں نہ وہ پہچانیاں
کرتیاں انگیاں کشیدہ کی دکھا　　لیتے ہیں ہر ایک کے دل کو لگا
سقے کہتے ہیں کٹوروں کو بجا　　ٹھنڈا پانی ہے پیو دریاؤ کا
خوانچہ والے پھریں ہیں سو بسو　　اپنی اپنی وضع کی کر گفتگو
کوئی کہتا ہے کہ خاصہ سیب ہیں　　حادثہ سے غم کے بے آسیب ہیں
کوئی بیچے فالسہ اور رنترے　　ہے کھڑا کوئی کسے کوئی لگے
کوئی میٹھے بیچتا ہے راہ راہ　　کوئی کم رکھتا ہے ان باتوں کی چاہ
کیا شریفہ خوب اور انگور ہیں　　شربت شیریں سے سب معمور ہیں
ناسپاتی ہے بہی ہے اور انار　　عام ہے جامن کے اوپر بھی بہار
اک طرف کیلے اکیلے ہیں دھرے　　ایکسو آڑو چنگیری میں پڑے

ہے غرض بازار پہ یہ آب و دنگ    دیکھ کے جس کو چمن ہو جائے دنگ

## تصویر درصفت چاندنی چوک سماں وقت شام

اک طرف مسجد بھی عالی شان ہے    جس پر چرخِ عنبریں قربان ہے
جامع مسجد ہے اُس مسجد کا نام    ہے بزرگی عرش کی اس پر تمام
سرخ پتھر کا ہے سب اس میں بناؤ    جس پہ ہے تحریر موسیٰ کا لگاؤ
صحن میں ہے یوں مصلّوں کا فروش    جیسے خط کش ہوں سلیمانی نقوش
خوشنما ہیں اس قدر مینار چار    کہکشاں جیوں چرخ پر پیدا ہوا
سیر کو کوئی اگر ان پر چڑھے    عالمِ بالا سے وہ باتیں کرے
جو کوئی جا اس میں پڑھتا ہے نماز    سرخرو رکھتا ہے ان کو کارساز
ہر درِمسجد ہے محرابِ قبول    ہے سند اس بات پر امرِ رسول
بیچ میں مسجد کے ہے اک حوضِ آب    ہے مصفّا و معطر از گلاب
جو اُٹھاتا ہے وہاں دستِ دعا    آرزو بر لائے ہے اس کی خدا
اک طرف مسجد کے ہے پاکیزہ جا    جس میں ہے موئے شریفِ انبیاء
گر گنہ سے پُر ہو کوئی بال بال    صدق سے جا کر کریں واں عرضِ حال
پھر نہ رہویں ایک مو اس کے گناہ    سرخرو ہوویں وہیں روئے سیاہ
اس قدر لاکھوں زیارت ہیں وہاں    مجرم اس جا جائے بخشا بے گماں

## تصویر جامع مسجد

ہے لبِ دریا اوپر جو لال قلعہ ہے کلاں با حشمت و اجلال قلعہ

دیکھ لیویں اُس کی گر شان و شکوہ جائیں دب اُس کی بلندی دیکھ کوہ

سیر کیجے گر لبِ دریا پہ جا قدرتِ حق کا ہو دل پہ بھید وا

جو بنا دریا کا رنگیں گھاٹ ہے روضۂ جنت سے وہ کب گھاٹ ہے

غسل کو آتی ہیں واں کھترانیاں کھول کھول انگیا وہ کچھ دکھلاتیاں

جب نہاتی ہیں وہ پانی میں اُتر دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے قمر

الغرض جو سیر کو جاتا ہے وہاں واں سے آتا ہے وہ ہو کر نیم جاں

اب کہاں تک شہر کی کیجے ثناء ہے مرقع وہ مگر تصویر کا

جو حویلی اس میں ہے سو خوب ہے طرح اُس کی دل کو حد مرغوب ہے

دل کو لگتی ہیں نہایت پیاریاں جالیاں مرمری اور گُل کاریاں

روز جن گلیوں میں کرتے سیر ہم تھیں وہ گلیاں غیرتِ باغِ ارم

ہر طرف رہتے ہیں ان میں ماہ وش چھب کو جن کے دیکھ دل کھا جائے غش

حسن پر اپنے ہر اک مغرور ہے ہے پری کوئی تو کوئی حور ہے

کوئی کوچہ میں کھڑی ہے درد مند جھانک کر کھڑکی کوئی کرتی ہے بند

کوئی کھولے بال کوٹھے پر کھڑی چاکِ در سے کوئی جھانکے ہے پڑی

کوئی بالیں کے تئیں دکھلائے ہے جس پہ ہالہ مہ کا صدقے جائے ہے

کوئی پردے میں ...... ...... ...... ...... ٹپّا گاتے ہیں قرینِ برملا

سینکڑوں بانکے پھریں ہیں خانہ جنگ وضع جن کی دیکھ کر رستم ہو دنگ

ہر طرح کی خلق کا ہے اژدھام خوبیاں عالم کی ہیں اس جا تمام

عشق افزا زمانِ عظمہ وشانِ مسعود شاہ کہ شروع قصہ جس کے نام پر ہو وہ گلدستہ بہ زمانہ سلف میں اورنگ آراء تھا عرش احتشام مسعود شاہ نام اس کا پایہ سریر رفعت سرِ چرخ بریں پر اور سایہ چھتر عظمت افسر خورشید انور اس کے صاف جامِ طرب کا جمشید درد خوار اور بارگاہ وحشمت کا سکندر آئنہ دار۔

نظم

وہ سلطان تھا بہت با دولت و جاہ — کہ فوج اس کی تھی انجم اور وہ تھا ماہ
بہت مورو ملخ سے فوج اس کی — سمندر سے زیادہ موج اس کی
سہ لک سلک سواراں اس کے ہمراہ — زیادہ ملک سے ہستی کے بنگاہ
بیاں ملک اس کے کا کیجے کہاں تک — جہاں زیرِ نگیں تھا اُس کے بے شک
پر از لعل و گہر لاکھوں میں اشتر — ہزاروں فیل پر گنجینۂ زر
نہایت صاحبِ داد و عدالت — کنیز اس کی سخاوت اور شجاعت
غضب سے اس کے رستم مضمحل ہو — کرم سے روح حاتم کی خجل ہو
جسے چاہے اُسے دے ملک اور مال — جسے چاہے کرے اک دم میں پامال
سبب اُس کے سے سب عالم تھا آباد — دلِ ادنیٰ و اعلیٰ تھا نپٹ شاد

تصویرِ مسعود شاہ

ولیکن اس کے لبِ جوئبارِ زندگانی پر سرو کہ گلستان شہر یاری میں قامت بلند کرتے وگلزار دولت و اقبال میں گل کہ ریاض جہانداری کو سزاوار ہوتا نہ تھا مدام مثل سنبل پریشاں خاطر رہتا و برنگِ لالہ داغ جگر پر سہتا شبستان دیدہ مسعود شاہ کا بے فروغ شمع جمال نور دیدہ کے نور نہ رکھتا تھا و بوستانِ دل بے بہار دیدار فرزندِ تازہ نہ ہوتا شب کو کہ مشغول ریاضت ہوتا سوائے فرزند تمنائی نہ تھے اور دن کو کہ عبادت پر

دہاں کرتا اس آرزو کے استدعا نہ ہمیشہ سیم و زر درویشاں اور محتاجاں کو بخشتا و خدمت گزاری صاحب دلانِ کامل سے یک لحظہ غافل نہ ہوتا و دل جوئی عارفانِ روشن دل ایک لمحہ غافل نہ رہتا اس آرزو میں کہ تا کماں دعائے کماں قامتانِ چلہ کش سے تیر بدعا ہدفِ قبول پر پہنچے و برکت سے مسیحی نفس کی زبان سے تنِ بے جاں میں جانِ تازہ آوے آفتابِ مقصود افق امید سے چمکے۔

پرواز ہونا طائر شوق شہر یار کا واسطہ شکار کے و مدد پانے برشکار درویشِ پرہیز گار سے یعنی پیدا ہونا شاہزادہ بلند اختر کا وشگفتہ ہونا گل حسنِ خوبی اس نونہال گلشن اقبال کا

صیادانِ مرغزار قضا چاہیں کہ کیسے صید کو قیدِ دام تقدیر کریں ساز و سامان اس کا اول موافق مدعا سر انجام دیں مصداق مقال یہ ہے کہ جو سیمرغ نورانی جناح خورشید بامِ خاور سے اوج گاہِ خضرا سپہر اخضر پر سرگرم پرواز ہوا و طائرانِ سفید بال نجوم نے کمال ہیبت سے روئے سمت آستانہ خِفا کے رکھا شاہ نے دولت و اقبال سے سمندِ تیز گام پر سوار ہو کے عنانِ عزیمت جانب صید گاہ منعطف کی بسکہ جانوارنِ صید افگن ارادہ صیادی پر پرواز ہوئے و پلنگ نے ناخن و چنگ گردنِ غزال و گوزن پر فراز کیا و سگانِ شکاری نے دہان شکار پر دراز کیا ساحت صید گاہ شدتِ شکار سے پر ہوا جو شہر یار نے بعدِ فراغ شکار افگنی زمام باز گشت سمت مسکوئی معلیٰ پی۔ ناگاہ میان اثناء راہ نگاہِ اشرف درویش پارسا پر پڑی ایسا درویش کہ اس کے پرتوِ انوار وجود سے صحن حجرہ بسانِ خانہ آئنہ منور و مصفا و صورت مدعائے ارباب حاجات اس کے مرات کف دعا میں بوجہ احسن رونما ویرانہ خاطر اس کا کنج معرفت سے آباد وجود بند تعلقات سے مثال شمشاد کے آزاد اخگر وار لباس خاکستری بہ برگزی فقیر سے رنگ رواس کا ہم رنگ از دانش عشق الٰہی سے لالہ نمط داغ جگر میں اور گرمی شوق نامتناہی سے برنگ گل آتش سودا سر میں تن عارفانِ پیراہن اس کا چراغ نفسِ نورانی سے روشن وسفینہ سینۂ نقوشِ کمال سے رشک صد ہزار چمن۔

## نظم

خدائی اس کو عطا کی تھی عفو کی کزلک | کہ حرف جرم کو لوحِ جہاں سے کر تا حک
زمین پر ہی نہ نورِ کرشمہ کی تھی جھلک | کہ پہنچے اس کے قدم کے تھا بامِ ہفت فلک
دلِ جہاں کو شگفتہ کریں برنگِ گل | وہ اُن کی لطف کی نظریں بہار کی چشمک
کرے جو وردِ زباں اس کے اسمِ اعظم کو | نہ پہنچے اُس کو زمانے کے حادثہ کی دھمک
وہ لات مارتا یکدست مہر کے منہ پر | نظر کسی کو جو آتی سحر کو اس کی کفک
جو نارِ عشقِ الٰہی کسی کی بجھنے لگے | توجہات کے دامن سے دیتا آپ چھپک
اسی کے مہر سے ہے مہر کی بھی گرم نگاہ | جوان و پیر سے دنیا میں لے کے تا بالک
نشانِ فیض کرامت سے اُس کے ظاہر ہے | کہ پائے بوسے کی حور و ملک کو ہے چٹیک
اگر جہاں کو مئے شوق حق پلا دیتا | پھر اس کو ہوتی افاقت نہ روزِ حشر تلک

شاہ بمجرد نظر توسنِ تندخرام سے اتر کے بہ پاسِ ادب پاس اس رائض مضمار ریاضت کے گیا و بہ امین عجز دست بستہ روبرو اس ہادی آگاہ دل کے کھڑا ہوا درویش صداقت کیش نے روئے توجہ طرف شاہ کر کے پوچھا کہ اے گلشن آرائے باغ خلافت کونسا خار مہر تیرے دامن خاطر فراہم پر لگا و اے خورشید اوج سلطنت تیرے آئنہ ضمیر صفا پذیر پر کس رو سے زنگ ملال بیٹھا کہ میرے بیت الحزن میں ورود کیا اور اس کلبۂ کلفت میں قدم رنجہ فرمایا ملک نے بعد ادائے مراتب عاجزی و نہایت الحاح وزاری عرض کیا کہ صورت مدعا ہے خاک ضمیر آئنہ نظیر کشف تصویر پر روشن ہے کیا حاجت کہ زباں بہ تقریر کھولے و جنس ضمیر میزان بیاں سے تولے درویش نورانی جبیں صبح نفس کشف باطن نے کہ مقصدِ شاہ سے آگاہ تھا دستِ دعا طرف درگاہ واہب العطیات اٹھا کے قبولیت سے ہمدست کیا اور ایک سیبِ تازہ ورنگیں کہ سیب زنخدانِ گلعذارانِ لطافت آگیں سے دم برابری رکھتا و برنگِ عناب لبِ محبوبانِ مہ جبیں شیریں تھا درخت

سے توڑ کر بادشاہ کو دیا اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ نہالِ امید تیرا باروَر ہو و میوہ مراد لاوے مگر دو رنگی سیب سے دلیل دو معنےٰ ہے کہ چندے بہ ابتدائے ایام جوانی بہار عشرت و کامرانی سموم عشق سے روئے زرد و برنگ عاشقانِ پُر درد و شکستہ رنگ ہو و من بعد چہرہ خال شاہزادہ کا گلگونہ نشاط سے مانند گل رخسار خوبان آرائش تازہ اور نمائش بے اندازہ پاوے۔

## تصویر درویشِ پارسا و صحرائے لق و دق و ہجوم و درختاں پُر رونق و حاضر ہونا بادشاہ کا آگے درویش کے و عنایت کرنا سیب کا بادشاہ کو

شہر یار کمال انشراح صدر و شگفتگی خاطر اس درویش مبارک حضور سے رخصت ہو کے متوجہ دولت سرائے شہر یاری ہوا و حسب الامر نخلبند ریاض رضا یعنیٰ درویش پارسا اُس سبب ہی سے ملکہ دوراں کے خط بے اندازہ بخشا و جہان جہان خوشی سے جشنِ شاہانہ ترتیب دیا تد بر بہ امرِ مباشرت ہوا جو نسیم اقبال سب عنایت ایزدی سے چلے اور ترشح رشحات سحاب ربانی ہوا تاکِ امید پر گل کھلا و شاخِ آرزو مثمر ہوئی بعد انقضائے مدت معبود تاباں اختر سپہر جہانداری بساعت خجستہ مطلع امید سے نکلا و خورشید سعادت برج حمل سے طلوع ہوا عرصہ جہاں کو پرتوِ جمال سے منور و مسکوی خلافت کو رشک افزائے منزل مقر فرمایا کوش عشرت و شادمانی بلند آوازہ ہوا و صدائے نقارہ بہ بہجت و کامرانی گنبدِ چرخ پر پہنچی بادشاہ نے حصول اس نعمتِ غیر مترقبہ سے شکر فراواں و سپاس بے پایاں بجالا کے بند سر گنج سے اٹھایا و کف نوال کھول کر دریا دریا لائے دیدار سے دامانِ امال آدمیاں مالا مال کیا اور حکم دیا تا اختر شناسانِ روشن ضمیر واسطہ ترتیب زائچہ شہزادہ فرخندہ بخت کے مشغول ہوئے اضطرابِ فراست سے جیسا کی درویش نے نشان دیا تھا درس احوال کیا اور ثمرہ شجرہ سلطنت کو بمنزل آفتاب سمجھ کے ماہ رو رکھا الحاصل شاہزادہ نے کنارِ دایہ بلند پایہ میں ہزاروں ناز و نعمت سے پرورش پائی گویا مطلع آرزو آغوشِ دایہ میں آیا و خورشید اقبال کنارِ شفق میں پایا و افق عہد میں ماہِ ارجمندی چمکا جو مدت عمر پنجسال اس درخشندہ کوکب برج اقبال ہوئی۔

## تصویر ہجوم وسامانِ شادی و پیدا ہونا شہزادے کا و دینا آغوشِ دایہ میں و بجنا نوبت ونقارہ کا

استادانِ صاحب کمال و معلمانِ خردسگال جہت تعلیم اس کی معین و مقرر ہوئے تا آدابِ جہانداری وقواعد شہریاری سکھاویں علوم انواع انواع کے لازمہ سلطنت وخلافت ہے یاد دلاویں بسکہ شاہزادہ عالی مہم طبع رسا رکھتا تھا کم تر زمان میں ہر علم میں علمِ امتیاز بلند کیا و اندکِ فرصت میں اکتساب ہر فن سے یگانہ روزگار و نادرِ آفاق ہوا۔ آوازہ نکتہ سنجی وسخنورانی و لطافت خوبی وحسن محبوبی اس یوسف کنعان عزیزی کا ہر دیار و ہر مصر میں مشہور رہا۔ وگلبانگِ شگفتگی اس گلِ حسن کے بوستان جہاں میں پہنچی۔

### نظم

زبس سینہ تھا اس کا علم کا گنج    سخن کا قدر داں تھا اور سخن سنج
بیاں کیا کیجے اس کی حسنِ خوبی    کرے مہر جس کی خاکروبی
چمن ہو منفعل از رنگِ رخسار    خجل ہو کبک از اندازِ رفتار
جو یوسف دیکھ لے دیدار اس کا    تو جان و دل سے ہو بیمار اس کا
الٰہی تا جہاں باشد با اقبال    جواں بخت و جواں دولت جواں سال

اور پسرِ وزیر بہرور نیک اندیش کا دل افروز نام کہ ہوشمندی و دانشوری میں بے نظیر وشہرہ آفاق و عشوہ سنجی ودلیری میں مانند ابروئے نازک اندماں طاق۔

### نظم

برس باراں کی اس کی عمر تھی پر    وہ دانائی میں تھا پیروں سے بہتر
غرض ہر فن میں تھا وہ کاملِ وقت    شفیقِ خلق تھا اور قابلِ وقت

خلیق و مہرباں فیاض و غمخوار وزارت کا غرض دانائے اسرار
سخن سنج و سخندان و سخن گو زہے فضل و خوشا بذل د عطا جو
کریم الطبع اور اخلاق خو تھا قمر طالع تا اور خورشید رو تھا

ہمیشہ دبستان میں ہمنشینِ ماہ رو ہو کے نقش اخلاص لوحِ دل پر ثبت کرتا و کتاب محبت سے سبق خاص مطالعہ فرماتا اور وہ آزاد سرو حدیقۂ رعنائی یعنی شاہزادہ ماہ ردو اضاف الطاف والوف اعطاف مبذولِ حال دل افروز رکھتا و نجم ......... محبت اس تازہ نہالِ گلشن نہ کریں گے کا مزرع دل میں بوتا۔

تصویر شہزادہ ماہ رُو اور وزیرزادہ دل افروز و
بیٹھنا مکتب میں واسطے تحصیل علم کے و تصویر استاد معلم

غرض یہ کہ میدانِ خاطر شاہزادوں کے سیر باغ و گلگشت بساتیں پر پیشتر و خواہش طبع بادشاہاں جہت تماشائے گلستاں کے اکثر ہوتی ہے کنار شہر باغ تھا آراستہ کو بمقابلہ تکلف رشک ہشت بہشت اس کو جانئے و بے شائبہ ریب عشرت افزائے گلزار فرخار پہچانیے صدائے چہچہہ عندلیباں خوش نوا دل حاضروں میں شورِ جنوں ڈالتے اور نوائے قمریاں رنگین ادا ہوش تماشائیوں کا سر سے نکالتے گلہائے رنگا رنگ اس جا چمن چمن کھلے اور بر خیاباں میں غنچہ گلوں سے باہم ملے سبزہ مینائے رنگ بسانِ مستانِ لبِ جو ہر غلطاں و نرگسِ شوخ چشم چشم کشادہ ہر طرف نگراں سہی قدانِ ریاضِ رعنائی طرز طنازی و شیوۂ دلربائی سرو سے پاتے و گلرخانِ بہرِ زیبائی برنگِ لالہ بہزار داغ جگر کو جلاتے۔

## نظم

رشکِ فردوس باغ کی تھی بہار — تھی وہ رنگیں کیاریاں گلزار

عشق پیچا کہیں کہیں گیندا — موتیا کے تھے پھول گوہر دار

موگرا تھا کہیں چنبیلی کہیں — تھا براز کہیں برنگ ہر آر

کہیں سوسن و سیوتی تھے کھلے — کہیں کلغہ کا پھول کلغی دار

تھیں مدن بان کی تو بان ہی اور — طرح کے مثل طرہ تھے آثار

کیوڑا کیتکی اور گلِ سبو — گلِ اورنگ اور رنگ فشار

رائی بیل اور بیلا البیلا — گلِ مہدی برنگ دست نگار

جعفری اشرفی و نیلوفری — جس کے دیکھے کنول کھلے اک بار

چاندنی جائے جوئے روز کھلی — گل خورشید تھا دوپہر یا بار

تھے گلاب اور لالہ نافرمان — پہنے بابو نہ بھی تھا ہار سنگھار

کیوں نہ نرگس تکے بہ رنگِ دگر — تھی قبا کیا چمن کی بوٹی دار

یاد میں گل کے بلبلِ بے کل — کیوں نا نالہ کرے ہزار ہزار

اکثر اوقات اس گلگشت ریاض ارم نشان سے دل کو تازگی دیتا ایک روز بہ روش ...... ہمراہ خواصانِ حورنژاد تمام روز بہ تماشائے بہار اسغائے صفیر مرغان خوش منقار سیر میں بسر کر کے ہنگامِ شب جو ماہ وانجم نے بساطِ فلک پر انجمن آراستہ کی ماہ رو نے جہت ترتیب بزم طرب وتمہید بساط نشاط حکم دیا فوراً پیشکارانِ بزم معاشرت وکارپردازانِ عیش مسرت نے محفل بہشت متشاکل کو اس آئین سے بنایا کہ خلد بریں نے بصد حیا اس سے منہ چھپایا وحرف جشنِ جمشید صفحہ عالم سے محو ہوا حورِ بہشتی ہوائے تماشائی اس باغ کا دل میں رکھتی و پری پرستان دیوانہ نظارہ و بستاں ہو کر شیشۂ صبر طاقت سنگ پر توڑتی سبحان اللہ جس دم

مجمعٔ نازنیناں سراپا تاز و خوبانِ خوش آواز برنگِ شعلۂ جوالہ سرگرمِ رقاصی ہوتی قلوب سایرِ رخسار چرخزن ہوکر روتے اور جس ساعت شاہدانِ نغمہ ساز بہ قانونِ دلربائی آہنگ سازِ ترنم کو آراستہ کرتی ہوس ہرکوچک و بزرگ سے کھوتی لحنِ دل کش ماہ رویانِ بے مہر سے ناہید فلک پر گرم جوش ہوا طرب الادائی سنبلیں مویانِ گلچہر سے جمشید زیر زمیں بے ہوش ہوا اس ہنگامِ عشرت فرجام میں کہ در و دیوار مست کیفیت وسرخوش بادہ ترنم تھے فراش روزگار نے پرتوِ ماہ سے بساطِ نقرہ باف فرش کیا و ساقیانِ شوخ وشنگ نے جامِ بلوریں آبِ آتش سے دماغ اہل بزم کو پیغام خرد دیا شاہزادہ نے مسرت اندوزِ سیر مہتاب ہو کے دختر رز کو کہ مانند نور بصر مدام حجاب زجاجی ونقاب غیبی میں مستور تھی یاد فرمایا فوراً جلوہ افروز حجلۂ پیالہ ہوئی و ہر یک کو سرشار کیفیت حسن وپُر دماغ حسن کیفیت کیا تا نصف شب حاضرانِ انجمنِ عیش صدائے زیر و بم و مطربانِ بازیدنوا تماشائے جمال لولیانِ زہرہ لقا سے محظوظ ہوئے ہر یک کو عطائے بیڑہ پان وعطر سے رخصت فرمایا۔

## تصویر باغ ونشیمن سامانِ رقص ونشاط وعالمِ محفل و بادشاہ زادہ ووزیرزادہ باسامانِ عطرو پاندان

اور آپ وہ رشک ماہ رو ومہر مانند ہلال عیدلبِ بام پر آیا وپہلوِ بسترِ استراحت سے آشنا کر کے آرام فرمایا تمام پرستارانِ سمن رخسار وغلامانِ گلعذار کہ انکے نقوطِ خال سے بصد رشک نے داغ جگر پر کھایا اور انکی غیرت آتشیں رخسار سے بہزار تمنا گل کو غرقاب خوں پایا واسطہ کبک داری اور خدمت گزاری اس نونہال ریاض اقبال کے گرد حاضر آئے بہ مثال بلبلانِ فصیح بیاں افسانہ ہائے رنگیں زبان پر لائے اس جبینِ نزہت آگیں میں باہتزاز نسیمِ بہاری نے مشامِ عالم معطر کر کے متاعِ بیداری وسرمایۂ ہوشیاری تاراج کیا سایر خدمہ سربسر مستِ خواب ہو کے بستر پر بے خبر ہوئیں اور اس آغوش پروردہ ناز ونعمت یعنی شاہزادہ شبِ مہتاب میں آرام فرمایا ماہ منیر آئینہ دار اس بام پر چشمِ حیراں جمال اس فروزاں نیر برج اقبال کا ہوا۔

## لے جانا پریزادوں کا ماہ رو کو باغ میں مہرنگار کے بہ جہت سیر دیدار دونوں گلعذار کے و بیدار کرنا ان دونوں نازنینوں کا وشیفتہ ہونا باہم پری رخوں کا

انجمن آرائی اس داستانِ ہوش ربا کا شمع بیانِ مدعا کو اس طرز پر روشن کرتا ہے کہ جس ہنگامِ فروزاں منیر یعنی آفتاب مانندِ ماہ نخشب چاہِ گمنامی میں گیا اور ماہِ نورانی پردۂ ابر سے نکل کے جمال آراء ہوا نیرنگیٔ روزگار بوقلموں وشکر نگاریٔ کہن گنبدِ بےستون نے چاہا کہ بازی تازہ روئے کار پر لاوے فتنۂ خوابیدہ بیدار کرے تاعشرت کدۂ نشاط آباد سوزش سرائے آشوب وفساد ہو مصداق مقال و چہرہ آرائے اجمال کا یہ ہے کہ اس شب مہتاب میں کہ زمین وآسماں پیرایۂ نور سے متجلے وشاہزادہ ماہ رو ہلال ابرو خواب نازنیں بے ہوش تھا خیل پریوں کو خیال سیر عالم دل میں گزرا و ہوائے تماشائے مہتاب مضمر ہوئی با چند مہ جبینانِ زہرہ لقا تخت پر بیٹھ کے بہ بر جہت جہت سیر اور میں ناگاہ گزران کا مکانِ دل کش شاہزادہ مہوش پر ہوا ایکا یک روائح معطر بفور رح روح پرور اس مسکونی مشکبو سے مشام میں اُن نازک دماغوں کے پہنچی محظوظ وخورم ہوا سے اُتر کر دیکھا کہ مکان ہے پاکیزہ و دل کشا و بوستان ہے برنگِ باغ جناں روح افزا ہر جا بچھونے پاکیزہ بچھے وانواعِ طیبات واقسام عطریات رکھے و چندیں خدمہ پری تمثال گرد و پیش خواب میں بے ہوش اور ان میں ایک خورشید طلعت بستر ناز پر مدہوش بمجرد مشاہدۂ حال دیوانہ وار گریبانِ اختیار چاک کر کے وباہم کہنے لگیں کہ آیا یہ زیبا جواں اگر چہ جنس انسان سے ہے ولیکن طلعت اس کی حور وفرشتہ سے ہم دوش ہو بجا ہے ایک نے دوسری سے کہا کہ یہ یگانہ گوہر شاہوار شش جہت روزگار میں ثانی اپنا نہیں رکھتا نہ حور اس کے لائق برابری و نہ پری سزاوارِ ہم بستری مگر وائی شہرِ نقشِ جہاں دختر رکھتا ہے کہ خورشید انوار اس کے رشک چہرہ روشن سے خانہ تن میں آتش زن دماہ سوز حیرت نظارہ سے فلک پر نفس سرور افگن گیتی آراء کہ سرخیل پریزاداں حور تمثال تھی بہ اصغائے کلام متحیرانہ روئے توجہ طرف جہاں آراء کر کے پوچھا کہ وہ ماہ منیر اوج محبوبی اس محضر جمال سراپا خوبی سے چند درجہ برتر پایہ تازہ نہال گلزار رعنائی اس ستم وجوئبارِ دل آرائی سے بالاتر۔

## تصویر خوابگاہِ بالائے بام ماہ رُو کی و چند نازنیناں گرد اس کے خواب میں
## و تصویر تخت رواں باشکل گیتی آراء و جہاں آراء متصل پلنگِ شہزادہ

جہاں آراء نے مہرِ سکوت حقہ دہاں سے اُٹھا کے درافشانی شروع کی کہ یہ معنیٰ بوجہ احسن آئینۂ دل میں رونما نہیں ہوتے جب تک کہ دونوں باہم مقابل نہ ہوں پس رائے ہمکناں یوں قرار پائی کہ شاہزادہ ماہ رو کو اس ماہِ سیما کی منزل میں لے جا کے صورتِ تحقیق آئینۂ تصدیق میں روبرو تماشا دیکھیں القصہ پلنگ اِس غزالِ مرغزار جمال کا طرفۃ العین میں مکانِ مطلب پر پہنچایا و قریب پلنگ اس پری آہو چشم کے بچھایا اور ان دونوں نازنینوں میں سے ایک کو بیدار کیا و مستیِ شرابِ خواب سے ہُشیار کیا جو اس نازنیں مہ جبین نے چشم خواب سے کھولی دیکھا کہ جوانِ زیبا صورتِ آئینہ طلعت کہ قد اس کا لطافت میں سرو شمشاد سے بالا تر و خد اس کا برگِ گل سے دلربا تر۔

### نظم

یک بیک کافر صنم ایسا اُسے آیا نظر — تھا بجا جو نور کا شعلہ اُسے کہیے اگر

تھا قیامت قد کہ جس کا عالم بالا یہ شور — تھا پری مکھڑا کہ جس کو دیکھ چھپ جائے قمر

بال وہ دامِ بلا پھنس جائے گر اُس میں غریب — پھر نہ چھوٹے آہ وہ جی دینے کے چھوٹے مگر

جب سے اُس کے اَبرو و مژگان کا شہرہ اُڑا — چھوڑ بیٹھے باندھنا سب میرزا تیغ و تبر

چشم میں وہ غمزہ وہ انداز وہ جادہ وہ سحر — ہوگئیں غارت صفیں دیکھا جدھر تک آنکھ بھر

لب کا وہ عالم کہ یاقوت اُس کے آگے رشک کھائے — دیکھ کر دندان ڈوبے بحرِ خجلت میں گہر

زلف وہ ناگن کہ جس نے وِس کے من مارے ہزار — گوش وہ نادر کہ جس پہ منفعل گل سر بسر

کیا نزاکت کیا صفائی جس میں کر گزرے خیال — لیجئے بوسہ تو جھٹ پڑ جائے سرخی گال پر

...... ...... ...... ...... ...... ...... ...... ...... — مسکراوے تو شفق میں تارے آجاویں نظر

چاہِ غبغب وہ کہ جس میں غرق ہوں لاکھوں ہیں دل — وہ گلو شرمندہ جس سے مطلعِ خاکِ سحر

تھی نگاریں اس کے ہاتھوں پر غرض ایسی بہار — شاخِ گل ...... ...... ...... ...... ...... ......

ہوگیا دل پر یقیں جس دم کہ جوں بھر کے نگاہ — کاش کہ اُترے ہے اس جا فوج تنبو تان کر

پیر وہ شفاف تھے گویا دریائے حُسن — ناف اُس کی بیچ میں یوں جیسے پڑتا ہے بھنور

...... ...... ...... ...... ...... ...... — ...... ...... ...... ...... ...... ...... ......

...... ...... ...... ...... ...... ...... — ...... ...... ...... ...... ...... ...... ......

...... ...... ...... ...... ...... ...... — ...... ...... ...... ...... ...... ...... ......

...... ...... ...... ...... ...... ...... — ...... ...... ...... ...... ...... ...... ......

...... ...... ...... ...... ...... ...... — ...... ...... ...... ...... ...... ...... ......

اے فراسو ہائے وہ کافر جو دیکھے یک بہ یک — تیر اس کے عشق کا دل سے گیا میرے گزر

پلنگِ زرنگار مرصع کار پر دراز ہے بہ مشاہدۂ حال مستغرق بحرِ حیرت ہوئے اور دل سے کہا کہ اس مکان پر طائرِ وہم و مرغِ قیاس کو پرواز دشوار گزر انسان کس طریق سے ہوا ساحر ہے کہ دست بازئ کمندِ جادو سے اس مکان پر گزر پایا یا افسون گر ہے کہ فنِ حیلہ سے اس نے اس منزلِ فردوس مماثل میں پہنچایا فی الجملہ حیرت ناک ہو کے دہشت سے حجاب برقع منہ پر ڈالا اور فکر کیا دیکھئے چرخِ شعبدہ باز کیا بازی روئے کار پر لاوے کبھی اندیشۂ نام و ننگ خاطر میں گزرتا و گاہے خارِ وسوسہ دامنِ دل پکڑتا پری فسوں ساز نے ماہ رو کو کہ منزل مہر نگار میں اُٹھانا تھا خواب سے بیدار کیا شاہزادہ نے جو چشم وا کی دیکھا کہ مکان ہے برنگِ نگار خانہ میں رنگین و منقش و نشیمن کدہ ہے مثالِ باغِ ارم پاکیزہ و دل کش اس منزلِ بہشت آمین میں ایک گل بسترِ ناز پر آرام فرما ہے کہ لالہ نے اس کے نظارۂ رنگساز عذار سے داغ جگر پر کھایا اور پروانہ نے ملاحظۂ شعاعِ مہر رخسار سے عشق شمع دل سے بھلایا اس کے تابشِ جمال سے در و دیوار تجلی کدۂ نور بلکہ برنگِ طور جلوہ گاہِ عینِ ظہور آہو چشم کہ چشمانِ آہو پر آہو پکڑتے و دامِ رشتۂ نگاہ سے دلِ مرد ماں صید کرتے غنچہ دہاں نے کہ جس دم نکہت گلستاں میں لب بہ تبسم کھولے طفل غنچہ کو درسِ شگفتگی سکھائے زیبا نگاری

کہ گل اس کے چہرۂ بہاریں سے گریبان چاک کرتا اور بلبل نظارۂ عارضِ رنگیں سے عشق گل کا فراموش کرتی۔

## نظم

سراپا کا کروں کیا اُس کے اوصاف ۔۔۔ کہ تھی جوں لعبتِ چیں وہ پری صاف

قد و قامت کروں اُس کا بیاں کیا ۔۔۔ قیامت کا سا ٹکڑا وہ عیاں تھا

وہ اس کے بال تھے جنجال دل کے ۔۔۔ وبالِ جان تھے اور جال دل کے

شکن کاکل کی اُس کے تھی بلا دام ۔۔۔ خجل ہو جس سے روزِ ہجر کی شام

تن سودائی ہو جیو بال باریک ۔۔۔ جو دیکھے زلف کی وہ رات تاریک

جبیں اُس کی تھی مثل ماہِ تاباں ۔۔۔ کہ جس پر مہر سے ہو مہر قرباں

اگر چیں بر جبیں ہو وہ پریزاد ۔۔۔ تو ہو خوبانِ چیں پر سخت بے داد

ہلے ابرو وہ اُس کے کر کے جب ناز ۔۔۔ کرے عالم وہاں سجدوں کا پھر ساز

جدھر اس کی چمک ابرو کی جاوے ۔۔۔ مہِ نو دیکھتے ہی سر جھکاوے

یہ آنکھوں میں بھرے ہے اس کی مستی ۔۔۔ سیہ مستاں کرے جیوں مے پرستی

سیاہی اور سرخی انکھڑیوں کی ۔۔۔ بعینہٗ عزتِ شام و شفق تھی

لکھوں کیا اُس کی میں پلکوں کی تفسیر ۔۔۔ کہ تھے وہ ایک ہی ترکش کے سب تیر

لبِ سرخ اس کے وہ گلبرگ تر تھے ۔۔۔ خجل دانتوں سے بھی سلک گہر تھے

کریں مردہ کو لب زندہ دوبارا ۔۔۔ خضر کیوں نا کرے اُس سے کنارا

خجل ہنسنے سے اُس کے برق ہووے ۔۔۔ اگر رک جائے وہ تو ابرو روے

دہن اُس کا نہ کچھ غنچہ سے کم تھا ۔۔۔ سخن واں رہروِ ملکِ عدم تھا

غرض اب کیا کہوں اُس کی لطافت ۔۔۔ بھبوکا برق تھی شعلہ تھی آفت

الحاصل بمجرد نظارہ اس محبوبۂ دلربا و نزہت کدہ زیبا کہ بہت متحیر ہوا کہ آیا طلسم سے غریب کہ شعبدِ قدرت نے روئے کار پر باندھا و نقشِ عجیب کہ نقاشِ تقدیر نے صفحۂ ظہور پر ثبت کیا دمبدم تغیر حال شہزادہ کا ہوتا و ساعت بساعت مانندِ شیشہ ساعتِ دغدغہ سے قالب تہی کرتا آخر کار بے دریافت حقیقت، دستِ جرأت دراز کر کے مقنعۂ زرتار رخِ نور بارِ پری سے اٹھایا جو وہ آئینہ رخسار فرطِ حیرت سے بیدار تھی نقاب اس سے بزور کھینچ کے منہ اپنا چھپایا شہزادہ نے اس معنے سے کہ اس ماہِ روح دلبری نے برق وار جلوہ دکھا کے جو سحاب حجاب میں رخ پوشیدہ کیا دستِ دلبری کو تاہ کر کے لجۂ حیرت میں گیا کسی دم اندیشہ مند زار زار روتا دلحظہ نرگس وار بر سمت بچشمِ حیراں نگراں ہوتا و نازنین پری بمجرد دو رخ ہونے سیل بند تحیر میں بساطِ حسنِ شاہزادہ پر منصوبۂ تعشق میں گرفتار ہوئی اور بعد انکشافِ طورِ چرخ غائب باز فرزین بند تدبیر سے اسپ بازی کی کہ مبادا یہ کجرو پیل کردار پردہ اعزائے میں بپا وہ رانی سے رکشتِ حیات کو پائے مال پیل مات کا کرے حواس قائم کر کے اس شاطر یکہ تازِ عرصۂ خوبی سے پوچھا کہ اے شاہِ ملکِ دلبر بائی والی ماہ فلکِ زیبائی اس مقام میں کہ خیالِ آسماں مجالِ سیر رفتار نہیں رکھتا کسطرح نزول فرمایا اور اس چمن میں کہ بادِ صبا کا گزر دشوار ہے کس روش مانندِ رنگِ گل دخل پایا شاہزادہ نے سخنانِ محبت اندیش اس محبوبۂ دل آویز سے سن کے کہا کے اے آئینہ رخسار طوطی گفتار میں شاہزادہ کشورِ ہندوستاں ونخل برائے اس چمنستانِ جنت نشان کا ہوں رات کو معہ ہمنشینانِ جامِ شرابِ عشرت پی کے مستِ خوابِ تنعم تھا جو چشم وا ہوئی یکا یک تجھکوں دیکھا واللہ اعلم کس مصور نے یہ نقشِ غریب میرے صفحۂ حال پر کھینچا اور خبر نہیں کونسے ساحر نے یہ افسونِ غریب مجھ پر پھونکا گا ہے جمال تیرا چشمِ خواب سے نہ دیکھا نہ کبھی افسانہ تیرا گوشِ خیال سے سنا تو بیان کر کہ اس دلفریبی اور رعنائی سے کون ہے اُس نرگسِ چشمِ گل رخسار نے یہ گفتار شاہزادہ لالہ عذار سے سنکر شروعِ سخن کیا کہ نام اس شہر کا نقشِ جہاں اور اسم میرے پدر کا محمود شاہ مادر مہر افروز نے روئے مہر سے میرا نام مہر نگار موسوم کیا اور ناز ونعمت سے مہدِ دولت میں پالا اس مکانِ جنت نشان میں ہم خوابِ عیش تھی یکا یک بیدار ہو کر تجھے دیکھا معلوم نہیں کہ اس کاشانہ میں تجھے کس نے پہنچایا اور مجھے تیری زنجیرِ زلف کا اسیر کس نے کیا پس اس قیل وقال میں ہم نظارگی سے دونوں محوِ یکدگر ہو گئے مثالِ تصویرِ نقشِ دیوارِ حیرت ہوئے اگر بغور نظر کیجئے آئینہ محاذِ آئینہ ماہ بمقابل ماہ تھا۔

## غزل

زہے از عکس روئش جلوہ گر آئنہ دلہا ‏ زہے حسنت ز خوبیٔ ملاحت شور محفلہا
دمِ اے شعلہ خو رحم کہ در کوئے تو افتادم ‏ برنگِ کاہ ہمراہِ صبا طے کردہ منزلہا
بہ بحرِ غم افتادم بر آں کشتیٔ مے ساقی ‏ بہ مستی یا بوسم موج ساں لب ہائے ساحلہا
دو چار از دلبرِ رعنایم اے قیس چرانم ‏ زعکسِ لیلیٰ ام خالِ ببیں مراۃِ محملہا
بہ ہنگامِ وصالِ دوست عمرِ خضر می خواہم ‏ بگویم تا بہ بینش شوق مجملہا مفصلہا
بہ رخسارِ آں بتِ شیریں دہن خوشحال با دارد ‏ برنگِ آں کہ در مصری بہ چسپانند فلفلہا
ہنر ہامی نمائد شانہ در زلفِ پری رویاں ‏ کہ از دست قلم وا می کند صد عقدِ مشکلہا
دمِ سرد از دلِ زارم بر آید دم بدم ساقی ‏ چو باشد یار گرمِ صحبتِ ارباب محفلہا

بعد ایک ساعت شاہزادہ ہوش میں آیا اور زبانِ حال سے یہ نغمۂ پُرسوز ادا کیا۔

## غزل

دیکھ دنیا میں تری جلوہ گری کا عالم ‏ جا چھپا قاف کے پردے میں پری کا عالم
دیدۂ مہر کو بھی لگے چک چوندی ‏ ،ر پہ دیکھ آپ کے تعویزِ زری کا عالم
تیرے اَبرو میں بعینہٖ ہیں کماں کے سب ڈھنگ ‏ اور مژہ میں ہے ترے صاف سری کا عالم
اس گھڑی میری زباں بہکے تو رکھنا معذور ‏ عالم تِشنہ ہے اور بے خبری کا عالم
رکھو یکدست غنی دل کو فراسو صاحب ‏ اب تو آتا ہے نظر سیم بری کا عالم

مہر نگار نے استماع اس ترانۂ رنگیں سے اپنے تئیں خبردار کر کے صہبائے اشعار سے ساغرِ دہاں لبریز کیا۔

## رباعی

مجھکوں ہی کیا بے سروسامان نیا　　یہ سوانگ کیا زلفِ پریشان نیا
عالم کی ڈبوئی ہے غرض تو نے جان　　آنکھوں نے اُٹھایا ہے یہ طوفان نیا

القصہ دونوں نازنین پری پیکر بہارِ جمال طرفین سے شیفتہ و دیوانہ ہوئیں مہر نگار نے کمالِ محبت سے مقنعۂ زرتار چہرۂ نور سے اُتار کر دش شاہزادہ پر ڈالا شاہزادہ کشورِ دولت و اقبال نے غایتِ شوق و نہایت اتحاد سے دوشالہ و خاتم حوالۂ پری تمثال کے کیا و انگشتری اُس انکشتِ دمِ قاقم کے اپنی انگشت میں پہن کر سلیمان وار ہوا گزینِ اوجِ عشق ہوا و دیدہ و دل یکدگر واسطہ دیدار کے کھولے اور بہت ناز پیار سے باہم بولے گا ہے ساغرِ بلوریں لبریز آب یاقوت رنگ سے کرتے و کبھی مستانہ وار ہاتھ گردنِ شیشہ میں ڈال کر دمِ عاشقی بھرتے چشمۂ زلال سے تشنہ جاں کو سیراب کرتے اور بادۂ عیش و عشرت سے ایاغِ کامرانی بھرتے مہر نگار نے نسیم شوق سے نائرۂ خواہشِ شاہزادہ مشتعل دیکھ کے کہا کہ اے نو گل بہارِ نو جوانی اے تازہ سرو جوئبارِ زندگانی خوب نہیں کہ میرے نہالِ عصمت کو تیشۂ عصیاں سے شگاف و دامانِ عفت کو پنجۂ رسوائی سے برنگِ گل چاک کرے ماہ رو نے کہا کہ اے عالمِ افروز شبستانِ جہاں بانی واے دوحۂ گلستانِ کامرانی نہیں جانتا کہ یہ شب عشرت کیوں کر رو دکھاوے و دولتِ وصال تیرا پھر کب میسر آوے۔

## نظم

گل کی ہوس نہیں ہے نہ گلزار کی ہوس　　ہم کو تو ہے ترے گلِ رخسار کی ہوس
ہے ہم کو تیرے جلوۂ دیدار کی ہوس　　ذرہ کو جیسے مہرِ پُرانوار کی ہوس
اُس گل بدن کے کوچہ میں رہنا اگر ملے　　کافر ہو جس کو پھر ہو گلزار کی ہوس
وے آگ ہے فراسو دلِ زار کو مرے　　کیا عشق کو ہے گرمیٔ بازار کی ہوس

مہر نگار نے کہا برنگِ غنچہ گریبانِ صبر پارہ نہ کرو مانندِ بلبل فغانِ بے قراری نہ بھر جو چمن طرازِ گلشنِ قدرت غنچۂ نیرنگ ہمارے رو پر کھلا وے یقین ہے مجھے اور تجھے پھر ملاوے۔ اور رنجِ مہاجرت عیشِ مواصلت سے مبدل کرے ماہ رو نے کہ سرمایۂ صبر ہاتھ سے دیا تھا حکایتِ دل آویزِ مہر نگار سے تسلیٔ دل نہ ہوئی لاچار کمالِ سوزشِ دل سے رویا اور یہ تخم نغمۂ جاں سوز کا کِشتِ دل میں بویا۔

تصویر باغِ مہر نگار و مقامِ خواب گاہ و بر پلنگِ مہر نگار بیٹھی و محاذی پلنگ ماہ رو و تبدیلِ دوشالہ و مقنعہ وانگشتری باہم دیگر و سامانِ شوق و نہاں ہونا گیتی آراء و جہاں آراء کا گوشۂ باغ میں غایت کرنا

## غزل

تمہیں مغروری اپنی آن پر ہے — قیامت بس ہماری جان پر ہے
ہمیں بالا بتاوے کیوں نہ اُس دم — یہ بالا جو تمہارے کان پر ہے
کروں کیا آئنہ رو تم سے اظہار — جو کچھ آفت دلِ حیران پر ہے
فقط کیا مہر کے ہی دل میں ہے مہر — فدا مہ بھی تمہاری شان پر ہے
فراسو کو بھلا کل کیوں کے آوے — تمہاری چلبلاہٹ دہان پر ہے

اس لولوِ دندانِ صدف دہاں نے بے مقصود اس شوریدہ جاں کو بستر ناکامی پر چھوڑ کر آپ اپنے پلنگ پر سوئی شاہزادہ نے دیکھا کہ آہو چشم نے اس سخن رم کی ناامیدانہ سرشتہ امید ہاتھ سے دے کے حالتِ بے خودی میں چشم کو آشنائے خواب کیا۔ پر یوں فسوں گر نے پوشیدہ نظر سے نظارۂ تماشائے نازنیناں و اصغائے کلماتِ مہ جبینوں سے نہایت خورسند ہوئیں اور پلہ میزانِ حُسنِ کمال ان دونوں خورشید سپہرِ جمال کا برابر سمجھ کے مصلحتاً کہا کہ اگر اب حجابِ شب درمیان سے اٹھے تو پردۂ ننگ و ناموس ہٹے لازم ہے

کہ شاہزادہ ماہ رو کو بہ استعجال تمام اس کے مکان میں پہنچا دیں القصہ پلنگ اس تازہ نہالِ گلستانِ جنوں کا دہاں سے اٹھایا اور اسے روش اس باغِ ارم نشان میں پہنچایا اور راہ اپنی لی۔

بیدار ہونا شاہزادہ ماہ رو کا خواب سے وبھڑ کنا شعلۂ آتشِ اضطراب کا سینۂ بےتابی سے و بیقرار ہونا مسعود شاہ کا وکوشش کرنی طبیباں و عالمیاں و درویشاں برائے علاج و تسلی دینا وزیرزادہ کا و پہنچنا مصوراں و قاصداں کا طرف ہر مصرو دیار کے

روشن گر جمالِ داستانِ آئینۂ مطلب کو اس طور پر صیقلِ بیاں سے مصفا کرتا ہے جو لیلیٔ فلکِ نیلی نے برقعِ شب منہ سے اٹھایا و مقنعہ وزر بافِ روز سر پر لیا مجنونِ آفتاب گیسوئے خطوطِ شعاعی پریشاں کر کے آوارہ دشتِ اخضر سپہر پر ہوا شاہزادہ برگشتہ بخت نے خواب سے بیدار ہو کے ہر طرف دیکھا خیالات دو شینہ سے ایک ذرہ نشان نہ پایا بعد دیر کے آفتاب بلند ہوا تابِ شعاع سے بیتاب ہو کے متحیرانہ ہر سمت نگاہ کی شاید وہ بتِ دلفریب نظر آوے اور خاطرِ ناشکیب تسکین پاوے لیکن کسی صورت صورتِ مقصود آئینۂ ظہور میں جاوہ گر نہ دیکھی برنگِ گل جامہ چاک کیا اور مانندِ بلبلِ ہزار نالۂ سوزناک کھینچا اور کہا۔

## غزل

| | |
|---|---|
| شب خواب مجھے لوگو کیا خوب نظر آیا | لگتے ہی پلک کہ پس محبوب نظر آیا |
| دیکھا تو بہت چہرہ مغموم پریشاں ہے | اور دل بھی طرف غم کے مرغوب نظر آیا |
| اور جی کے بھی کچھ اوپر بےچینی [سی] ظاہر ہے | اور حال بھی کچھ طرزِ مجذوب نظر آیا |
| تاثیر محبت نیں کی ایسی مرے دل میں | تن خشک مرا غم سے جیوں چوب نظر آیا |
| خوش ہو کے فراموش سے ہرگز نہ ملا کافر | ان باتوں سے وہ ہمکوں معیوب نظر آیا |

چاہا ہے کہ بسانِ کاکلِ پریشاں ہوسرشتہ خاطر ہاتھ سے دے اور مثالِ گرد بادرادِ سرگشتگی وآوارگی میں خاک سر پر لے خادم اس نسرین بدن وخدمت گزار اس رشکِ چمن کے بمعائنہ حال نرگس وار سرمستِ بادۂ حیرت ہوئے اور بنفشہ کردارِ فکر سے سرپیش کر کے چار و ناچار آخر کار بجرأت تمام بہ معرضِ عرض پیش آئے کہ اے گل باغِ شہر یاری و اے سروِ ریاضِ جہانداری خاطرِ ہمایوں تیری کس واسطہ برنگِ غنچۂ پُرخوں و دلِ نازک تیرا بسانِ سنبل آشفتہ کیوں جو درد نے دلِ اشرف پر راہ پایا ہو تدبیر کریں اور جو رنج نے خاطرِ اشرف پر جا کی ہو دواڈھونڈیں شاہزادہ نے آتش بار کھینچی اور کہا۔

## غزل

یہ جس کے غم میں دل اندوہگیں ہے　　پری ہے حور ہے اور نازنیں ہے
ظہور اس دلبربا کا ہر کہیں ہے　　وہی ہر دم ہمارے دلنشیں ہے
میں روتا اس لئے ہوں چپکا چپکا　　جسے چاہوں ہوں وہ پردہ نشیں ہے
وہ ہر دم سامنے آنکھوں کے ہے پر　　دل اپنا ہجر میں اندوہگیں ہے
ہمارے دل کی مت پوچھو عزیزو　　جہاں ہے وہ صنم بس دل وہیں ہے
مجھے راتوں کوں گنواتا ہے تارے　　جو میرا دل ربا ہے مہ جبیں ہے
ترے ہی حال و رخ کا ہے دیوانہ　　فراسو وہ کہ اتنا نکتہ چیں ہے

خادمانِ حضور اس کے بے قراریٔ دل سے رنجور ہوئے اور کیفیتِ حال جنابِ مسعود شاہ میں پہنچائی سلطان بمجرد اصغائے حکایات پرآفات زار ونزار رویا و مانندِ اشکِ عاشقاں طرف نور دیدہ قطرہ زن ہوا دیکھا برنگِ سمن گریباں چاک و بسانِ سبزہ غلطاں برفرشِ خاک سراُس کا اٹھایا اور زانو پر لٹایا دل زار وچشمِ گوہر بار سے زبان کھولی کہ اے درۃ التاج سلطنت وشہر یاری کس واسطہ مانندِ دریا شورِ سودا

سے کفِ لب پر لکھتا ہے واے خورشیدِ سپہرِ مملکت و جہانداری کس لیے مثالِ ماہ رنجِ محاق میں گھٹتا ہے کہ اس ہوش فرزانگی سے دیوانہ کس کا ہوا تو آپ شمع تھا کیوں پروانہ ہوا شاہزادہ عقل برباد دادہ نے کہ خیالِ چشم سرمہ آلودہ محبوب سے سرمہ گلو میں رکھتا تھا ہرگز حرف نہ کہا بادشاہ نے اس بات سے مطلع ہو کے اشک آنکھوں سے رواں کیے اور بادلِ پُرنم و دیدۂ پُرغم حضار طبیبانِ اہلِ تدبیر و دانشورانِ روشن ضمیر کو حکم دیا اطباء کامل و وزرائے عاقل نے ہالہ وار پیراموں اس ماہِ فلکِ جنوں کے صف باندھی اور موافقِ دانش اندازۂ بینش تشخیص و تدبیر میں مشغول ہوئے کوئی علتِ جنوں سودا کہتا اور کوئی افراطِ شربِ صہبا بتاتا کوئی کہتا کہ ساحر نے اس پر سحر کیا ہے کوئی کہتا کہ پری اس کے دیوانہ حال ہوئی ہے جو نبض بیمارِ عشق کی ہاتھ میں لی ایکبارگی اس دل از دست دادہ نے فریاد کی۔

## غزل

بیمارِ عشق کا نہ کسی سے ہوا علاج  
جو دکھ کہ لاعلاج ہو اُس کا ہو کیا علاج

باتیں بناؤ مت مری بالیں پہ بیٹھ کر  
ہرگز نہ ہوگا تم سے طبیبوں مرا علاج

دل میں مرے تو درد فراقِ صنم سے ہے  
اُس کا نہ ہو کسی سے بغیر از خدا علاج

دستِ شفا مگر مرے قاتل کی تیغ تھی  
جس نے مری کشاکشِ دم کا کیا علاج

جوہر نہ تھی نمود وہ دیکھا جو غور سے  
لکھا ہوا تھا تیغ کے اوپر مرا علاج

واللہ اضطرابیٔ دل کا تو ہجر میں  
ہے مثلِ شمع سوزش و گریہ سدا علاج

بے طرح تھی طپش مرے دل میں فراسو اب  
اُس دلربا کی چھاتی سے لگ کر کیا علاج

حضار سنتے ہی اس مضمون کی مغموم ہوئے اور بیماری سودا قرار دی طلب فصاد کی اس جگر شکستہ نے بمجرد اصغائے نام فصاد و رگِ سودا حرکت میں آئی اور بے اختیار نشتر زنی خیالِ نگاہِ جاناں سے سیلِ خوں اس مضمون کے رگِ زباں رواں ہوئی۔

تصویرِ خرابیِ حال و چاکِ گریباں شہزادہ ماہ رو و آنا بادشاہ کا
و مجمعِ طبیباں و عالمیاں و درویشاں

## غزل

خدا ہی جانے مجھکوں کیا ہوا ہے ہوا ہے خبط یا سودا ہوا ہے
کبھی جو زخمِ دل اچھا ہوا ہے تو پھر دردِ جگر پیدا ہوا ہے
سیہ بختی نہ پوچھو میرے دل کی تمہاری زلف کا سودا ہوا ہے
خدایا کس طرح گزرے گی اوقات وہ کافر بر سرِ ایذا ہوا ہے
کہیں ہو نوح کا طوفان برپا کہ دریا عشق کا اُمڈا ہوا ہے
ہمارے دل کا اے سروِ خراماں بلائے جاں قد و بالا ہوا ہے
وہ پرچہ بھی نہیں لکھتے فراسو ہمارا جنسِ دل پرچہ ہوا ہے

ایک نے اس گروہِ اطباء کامل سے کہا کہ اے طبیبانِ حاذق و اے دانشورانِ فائق یہ پسر سودا و دردِ سر میں رکھتا ہے شاید نگاہِ چشمِ بیمار نے بیتاب و ناتواں اس کو کیا نہ دوائی سے درد اس کا تسکین پاوے نہ تدبیر سودمند آوے۔

## اشعارِ فارسی

دردِ ہجراں را دوائی دیگر است نسخہ ہا دیگر شفائی دیگر است
در دلش آہِ سحر مثلِ صبا است در چمن زارش ہوائے دیگر است

## غزل

ہے یہ بھی ہجر کے تپ دشوار کا علاج — جز وصلِ یار کیا ہو اس آزار کا علاج
عیسیٰ سے ہو سکا نہ دل آزار کا علاج — تم بن ہو کس سے عشق کے بیمار کا علاج
ہم خواب آگے یار ہو سو تو کہاں نصیب — ہے لا علاج دیدۂ بیدار کا علاج
ہوتی ہے سینکنے سے نہ تخفیفِ دردِ غم — ہے سوزِ عشق سینۂ افگار کا علاج
سینے سے آبلہ کے نہ کیوں دل کو ہو ضرر — رکھتا نہیں ہے سود کچھ عطّار کا علاج
ناسور کی طرح سے بھی ہیں سیہ رات دن — کیا کیجے آہ دیدۂ خونبار کا علاج
شبنم جو زخمِ گل پہ چھڑکتی ہے تو نمک — کیا عشق کے یہی ہے دل افگار کا علاج
جتنی دوائیاں ہیں فراسو ہیں سب مضر — ہے دیدِ یار کا طالبِ دیدار کا علاج

اگر شربتِ دیدارِ محبوب اس کے کامِ تلخ میں شکر پرور اور یاقوتِ لبِ لعل مطلوب یاقوتی وارقوتِ جگر ہوا آخر کار وگل مرض عشق تشخیص پایا وقولِ پیرِ روشن ضمیر کہ اول اس معنی سے نشان دیا تھا یاد آیا ولیکن نہ جانا کہ یہ مستی نشہ صہبائی کس جاناں کی اور یہ دیوانگی دیدار کونسی پری کی اور کس افسون نظر نے بیک نگاہ تخت سے خاک پر بٹھایا و کدام فتنہ پرور نے نقدِ صبر اسکا لٹایا اور نوائی کونسے ہوش ربا کی نے اس کے گوش میں گزر کیا و نکہت کس عنبریں مو نے اس کے دماغ میں اثر کیا مگر کسی طریق راہِ مدعا سے آشنا نہ ہوئے اور ناچار تمام دل غم مانوس، سے مایوس پھرے بادشاہ دل چاک چاک وبچشمِ نم اٹھا اور بہرور وزیر پُر تدبیر کو طلب کر کے فرمایا لازمِ دانائی و دور بینی ، سزاوارِ خردوری و دانش گستری یہ ہے کہ ہر وجہ دریافت کر کہ یہ گلِ جنوں کس یادِ بہار سے کھِلا و خارِ غم کونسے صحرا سے اس کے پا میں لگا بہرور حسبُ الامر پاس ماہ رو کے آیا و اشک گرم آنکھوں سے بہایا وکمال دانشوری سے متکلم ہوا کہ اے چراغِ دودمانِ شہریاری دل تیرا کس نے جلایا و اے شمعِ فانوسِ جہانداری آتشِ جنوں کو تیرے کاشانۂ جاں میں کس نے بھڑکایا تیرے عیش کو کس نے غم سے مبدل کیا کونسی خزاں اندوہ نے نہال تیرا بے برگ بنایا اگر جراحت تیرے دل پر

پہنچا ہے فرما تا مرہم اس کا بنادیں اور جو خیالِ جاناں نے جان میں جا کی نشان دے کہ اُس کو بلادیں شہزادہ نے کلماتِ محبت افزا وزیر سے اصغا کر کے اپنے حالِ زار سے آگاہی دی اور کلمۂ جاں سوز ادا کیا۔

## غزلِ فارسی

بشد در شیشۂ دل جلوہ فرما روئے جانانم | بکن اے زاہدِ خلوت نشیں سیرِ پرستانم
اسیرِ دامِ آں شہرِ غزالاں ہستم اے ناصح | نہ من فرہادِ کوہستاں نہ مجنونِ بیابانم
نہالِ بوستانِ من دگر گل کردہ اے بلبل | چوشد آلودہ از خونِ دلِ من شاخِ مژگانم
فقط انجامِ مے پرخوں گئی آوردِ چشمِ نم | کبابِ بہرِ من کرد است بریاں جانِ بریانم
بغیر از روئے تو پیشِ فراسوکس نمی آید | اگر بینم ترا بینم اگر دانم ترا دانم

بہرور نے اس شوریدہ سر کی سرگزشت سے واقف ہو کر کہا اے رشکِ مہرِ جہانتاب بہشت شعبدۂ پردۂ خواب میں دکھائی دیتی ہے شرطِ عقل نہیں کہ خردمند خواب و خیال پر دل باندھے ماہ رو نے با آہ و نالہ کہا۔

ے ناصح مری حالت سے تب تجھکو خبر ہووے | کوچہ میں اگر اس کے جب تیرا گزر ہووے

اے بہرور اگر یہ خواب تیرے خیال میں اصل نہیں دیکھ یہ چادر کس دلربا کی میرے دوش پر اور یہ انگشتری مثالِ خاتمِ سلیماں کس پری کی ہے کہ زیبِ انگشت میرے ہوئی و ملکِ دیوانگی زیرِ نگیں کیا وزیر با تدبیر نے زبانِ تملق بیاں سے کہا کہ اے پری گرفتہ یہ کام پریوں کا ہے کہ گاہے فانوسِ خیال خواب میں شمعِ جمال کو روشن کریں و عام بیداری میں مثالِ آئنہ جلوہ گر ہوں و اکثر اُعجوبۂ روزگار روئے کار پر لاویں و مردِ دانا کو دیوانہ بنادیں شاہزادہ نے کہا اے آصفِ فراست غمِ باطل دل سے دور کر کہ وہ صورت صورت گرِ تقدیر نے یدِ صنعت سے عدیم الامثال پیدا کی ہے پری نہیں بلکہ پری اس طلعت پر

دیوانہ ہے وحور اس کی شمع رو پر پروانہ جس نے کمانِ ابرو قربانی عشق سے تیرِ مژگاں میرے ہدفِ جاں پر مارا اور خنجرِ خوں ریز نگاہ سے دل میرا مجروح کیا بہرور نے کہا بالفرض اگر چہ آدمی ہے ظاہرا وصال اس کا امرِ محال ہرگز اسیر خیالِ اشکال نہ ہو و مانندِ فرہاد دل تیشۂ دیوانگی سے نہ تراش دیدہ ورانِ دانش گزیں دل ہر کسی سے نہیں لگاتے و راہِ دشوار میں قدم عاشق نہیں ہلاتے اگر دل دیوانہ ترا حسنِ مجالِ ماہ رویان دلفریب پر مبتلا ہے تو اس نواح میں بہت زُہرہ جبینانِ ماہ لقا بادشاہوں کی نسل سے ہیں کہ خورشید کو کم ذرہ سے جانتے ہیں حکم ہوتا شبیہ ان زیبا نگاروں کی تیرے آگے دھریں اور جو کہ منظورِ نظر حضور ہو حاضر کریں ماہ رو نے کہا خوش افسونی دمیدی و تدبیر صائب آوردے مگر یہ افسوں کوئی مجنوں قبول کرتا نہیں اور جراحتِ ناسور دلِ عاشق مرہمِ نصیحت سے بھرتا نہیں۔

## غزل

| | |
|---|---|
| دل میں میرے، سما رہا ہے عشق | داغ سے دل کھلا رہا ہے عشق |
| اُس کے غم میں رُلا رہا ہے عشق | زور طوفاں اُٹھا رہا ہے عشق |
| موسمِ گل خزاں ہوا ظالم | اب مرے دل میں کیا رہا ہے عشق |
| یاد تیری ہی رات دن ہے مجھے | دین و دنیا بھلا رہا ہے عشق |
| ملکِ دل سے کیا ہے صبر نے کوچ | اب تو اس جا یہ آ رہا ہے عشق |
| از غمِ شعلہ رو فراسو کے | آگ دل میں لگا رہا ہے عشق |

یہ طوقِ بلا اپنے ہاتھ سے گردن میں نہیں ڈالا و بہ اختیاری اسیرِ زنجیرِ جنوں نہیں ہوا اب کہ بے حال ہوں سوائے یادِ جاناں خیال نہیں چاہتا ہوں کہ پائے طلب پر رکھوں و ذائقہ شربتِ دیدار کا چکھوں تا دامنِ امید ہاتھ آوے و دل بے قرار تسکین پاوے بہرور نے جانا کہ نصیحت میری سودمند ہوتی چار و ناچار باچشمِ اشکبار اٹھا اور اپنے فرزندِ دلبند دل افروز کو کہ مونس غمگسارِ شاہزادہ و رفیقِ غمخوار اس دلدادہ کا

تھا معین کیا دل افروز نے بہ سرِ بالیں بیمارِ عشق پہنچ کر دلِ زار و دیدۂ خونبار سے عرض کی کہ اے شمشادِ دبستانِ مملکت و اے گلدستۂ باغِ خلافت تیرا چہرہ ارغوان کس واسطہ برنگِ زعفران زار ہے کس جفا کیش ناز پرور نے سرمایۂ صبر و شکیب تیرا تاراج کیا اور کس عشوہ سنج غارت گر نے اس قدر جور و جفا تجھ پر رکھا کس کی زنجیرِ زلفِ سنبلیں مو میں اسیر ہوا اور کس لالہ رخ سے داغِ دیوانگی سینہ پر لیا۔

## غزل

| | |
|---|---|
| یہ نقشہ کس کا خوش آیا دلِ دل گیر کیا باعث | ہوا ہے کس لئے تو غم کی یوں تصویر کیا باعث |
| گریباں چاک ہو تم کیوں اجی اب سچ کہو ہم سے | جنوں کے کیوں ہوئے ہیں آپ دامن گیر کیا باعث |
| تڑپتا ہے جو بسمل کی طرح سینہ میں دل تیرا | ہوا کس صید افگن کا ہے یہ نخچیر کیا باعث |
| ہماری آہ بھالے مارتی ہے عرش پر جا کر | تمہارے دل میں کیوں کرتی نہیں تاثیر کیا باعث |
| فراسو دل میں ہے ایک اور پیغام بر بھیجوں | انہوں نے کس لئے آنے میں کی تاخیر کیا باعث |

اس مریضِ عشق نے جو بادہ حروفِ ظلمانیت آمیز و صہبائے سخنانِ محبت انگیز کہ تنِ دردمند شربتِ روح افزا تھے ساغرِ گرش سے نوش کیے خوابِ بے ہوشی سے ہوش میں آ کے وانگشتری و مقنعہ پیش نظر دل افروز کے رکھا و تمام حالِ شبینہ سے مطلع کیا اور کہا نہیں جانتا یہ خاتم کونسے پری پیکر کی ہے کہ فلسفۂ دیوانگی میرے گوشِ جاں میں ڈالا اور مجھ کو ننگ و ناموس سے کھویا اور یہ مقنعہ کس غارت گرِ جاں کا ہے کہ پردۂ صبر میرا پھاڑ و گریبانِ شکیب پارہ پارہ کیا اس قدر اس کے بادۂ عشق سے مدہوش ہوا کہ اس کے خیالِ جمال نے ہوش میرا کھویا اسمِ شہر کہ مسکن اس نگار کا ہے نام اس کے پدر کا کہ نامورِ روزگار ہے فراموش کیا اب کس طریق سے قدم ہلاؤں تا نشان اس کے دیار کا پاؤں اور دستِ دامنِ تمنا سے ملاؤں۔

## غزل

مشتاق ہوں مدت سے دیدارِ پری تن کا
اس نام پہ پھیروں ہوں منکا میں سدا من کا

حُسن اس بتِ کافر کا اک برق کا شعلہ ہے
اللہ ہی حافظ ہے دل کے مرے خرمن کا

دل میں یہی میرے اس بن کہ جو بن آوے
مجنوں کی طرح میں بھی اب قصد کروں بَن کا

دل میرا ہے چور ایسا شمشیر سے دوری کے
جیسے کوئی زخمی ہو بھاری سے کسی رَن کا

اس کے غمِ ہجراں کی افزونی نے یہ کچھ تو
احوال کیا میرا ہے جان و دل و تن کا

روتا ہوں پڑا اس کی فرقت میں فراسو اب
اشکوں کی چھڑی ہے یہ یا مینہ ہے ساون کا

دل افروز نے نغمۂ راز جو پردۂ دل اس سرکردہ عشاق سے سنا قانونِ حکمت اور تدبیر کو مضرابِ عرض سے فراست آہنگ کیا کہا غمگین نہ ہو طبیبِ قدرت علاج ہر درد کا پہچانتا ہے اور رنج کو راحت سے مبدل کر جانتا ہے اگر راہِ عشق میں خار پا میں لگیں تاہم شگفتگی سے اوقات بسر کریں آخر ایک دن مانندِ ہرزرِ گلِ مراد چشمِ امید سے کھلے وخزاں حزن غم مبدل ہو کے بہارِ عشرت و شادمانی سے ملے شاہزادہ کو گفتار رفیقِ غمگسار سے فی الجملہ طمانیت حاصل ہوئی و حالت بےقرار واضطرار طرفِ افاقت کے آئی۔

### تصویر دیوانگیٔ شہزادہ ودلداری کرنا دل افروز وزیرزادے کا

چار و ناچار دل افروز نے ماجرائے فریفتگیٔ دل ماہ رو روبرو و بادشاہ کے عرض کیا شہریار نے بحسبِ تجویز تصویب اس ہوشیار کے مصورانِ جادو نگار ومنہیانِ کارگزار کو طرفِ ہر شہر اور دیار کے مامور کیا تا ملک بہ ملک اور مصر بہ مصر سے تصویراتِ ماہ رخانِ یوسف رخسار وشبیہاتِ محبوبانِ گلعذار صفحات پر کھینچ کر لاویں کہ شاید بایں صورت صفحۂ آرزو نقشِ مراد سے منقش ہو اور صورتِ مدعا آئینۂ ظہور میں جلوہ دکھاوے تا معاودتِ مصوراں رہ نوردِ جہتِ تفریح اس محزونِ دلخراش کے مقرر کیا کہ ساقیانِ طناز سے بزمِ نشاط

آراستہ ہو اور ساغر بادہ کو گردش میں لاویں اور پری رویانِ نغمہ ساز ترانہ ہائے دل کش گاویں مگر وہ سودا زدہ آشفتہ حال کہ تنورِ دل اس کا بہ نوائے آہ وفغاں خیال رکھتا تھا کسی خبر پر ملتفت نہ ہوا و آتش اندوہ اس کی دمبدم دو بالا تھی مانندِ نَے بہ یادِ شیریں لب قالب تہی کرتا بہ غمِ جدائی نالہ بھرتا ولحظہ بہ دردِ یار اشک دیدہ سے متواتر گراتا و ترانہ پُر سوز دمبدم دل سے باہر لاتا۔

## غزل

سہوں کب تک یہ ہجراں کی تباہی　　ملا دل بر کوں میرے یا الٰہی

قلم بھی حال پر روتی ہے میرے　　یہ آنسو ہیں نہ سمجھو تم سیاہی

کہوں کیا آہ اپنا جوشِ مستی　　پھروں بے ہرزہ اور بکتا ہوں واہی

رہوں کیوں کر نہ میں حیرت زدہ سا　　چھبے ہے دل میں اس کی خوش نگاہی

تری دوری میں تجھ کوں یاد کر کے　　رکھوں ہر دل کو خوش خواہی نخواہی

نہیں تم بن مجھے اک لحظہ آرام　　یہ میرے اشک دیتے ہیں گواہی

طرح مجنوں کی مجھ کو اب فراسو　　ملی ملکِ جنوں کی بادشاہی

اور شب و روز نرگس وار شاہراہِ انتظار پر چشم وار کھتا اور یاد میں اس گل رخسار سمن سیما کے بادِ صبا سے کہتا۔

## غزل

کہیو قاصد یوں اسے اب تیرے بن آرام ہے　　شب کو اس کو نیند ہے دن کو نہ کچھ آرام ہے

گلبدن کے ہجر میں نے چین نے آرام ہے　　یاں تلک گل کھائے ہم نے سب بدن گلفام ہے

یہ ہمارا حال تیرے بن بُتِ گلفام ہے　　ہوش ہے نے چین ہے نہ صبر نہ آرام ہے

بے مقصود پھرنا مصورانِ بدیع نگار وحاضر کرنا تصویرِ خوبانِ ہر دیار کا ملاحظہ کرنا شاہزادہ کا اس مرقع کو و نہ دیکھنا صورتِ مہر نگار کا کہ دیوانہ جس صورت کا تھا ورقعہ رقعہ کرنا مرقعِ صبر و طاقت کو خیال میں اپنے گل رخ کے وقدم پر دھرنا

نقاشِ رنگیں حکایت ورقِ مقصد کو اس رنگ پر نقشِ بیاں سے منقش کرتا ہے کہ ومصورِ بدیع روایت تصویرِ مطلب کا اس طرح صفحۂ ظہور پر رنگ بھرتا ہے جو اِس بانے ارژنگ جنوں کو کئی مہینے برنگ تصویر انتظار گاہ میں گزرے اور اس عرصہ میں کسی کشور سے قاصد ومصور نہ پھرا مضطرب الحال دل افروز سے بولا کہ اے یارِ غمگسار وا ے دوستدارِ جاں نثار زیادہ انتظار کھینچنا محال اور شکیبائی پر قیاس کرنا دور از خیال خدا جانے غبارِ مقدمِ رسول کب طوطیائے دیدۂ مہجور کا ہو اور نسیمِ عنبر شمیم نشاں دیارِ یار سے میرے گلشنِ دماغ میں کب پہنچے بس زیادہ کہاں تک جورِ انصاف سہوں وتا چند فراقِ یار سے بے قرار ہوں۔

## رباعی

تڑپوں ہوں نیم بسمل بے حال کی مثال — ہر ایک دن ہے ہجر کا صد سال کی مثال
کھائے ہیں جو فراسونے تیرِ ستم ترے — سینہ تمام اس کا ہے غربال کی مثال

گاہے فراقِ یار میں بے قرارانہ یہ غزل پڑھتا۔

## غزل

مرا قاصد شتاب آوے نہ آوے — خدا جانے جواب آوے نہ آوے
گیا ہے کوچۂ قاتل میں پھر کر — دلِ پُر اضطراب آوے نہ آوے
کیا ہو دشت کو آباد جس نے — وہ گھر خانہ خراب آوے نہ آوے

عذاب اس واسطہ ہے میرے دل پر  وہ بر راہِ صواب آوے نہ آوے
کروں آنکھوں سے دید اس کا فراسو  ولے ڈر ہے کہ خواب آوے نہ آوے

دل افروز نے کہا اس درد کا دارماں غیر از صبر معلوم اور اس جراحت کا مرہم سوائے شکیبائی معدوم ہاتھ دل پر رکھ اور دل ہاتھ سے نہ دے اغلب کہ نسیمِ عطائے ایزدی چلے جس سے غنچۂ مرادات کھلے شاہزادہ نے اصغائے کلمات دل افروز سے لختِ دل باختہ کو قرار دیا وشب و روز خیال وصال مہر نگار میں استماع سماع سرودِ نغمہ شروع کیا ناگاہ قاصد و مصور کہ جہتِ نقش باندھے صورتِ تمنا کی تھی آئے وشبیہ لعبتانِ چین و چگل تیز دستی خامہ سحر نگار سے لوح پر کھینچ کے بطریق تحفہ لائے شاہزادہ نام دار نے جو اس نقشِ نگار کا تماشا کیا نشان اپنی نگار کا نہ پایا ذرا اثر جمال مطلوب کا نہ ملا آخر کار پیرہنِ طاقت بدن پر چاک کیا و خاک بسر دیوانہ وار راہ صحرا لیا دل افروز نے حال اس کا دیکھ کے دست اس دلرفتہ را کا پکڑا او بہ تسلی بٹھایا اور کہا اضطراب نہ کر میں بھی ہمراہ تیرے رواں ہوتا ہوں و بہ ہم پائے راہِ صحرا لیتا ہوں شاہزادہ کہ مستِ بادۂ عشق تھا غایتِ بے ہوشی سے زمیں پر گرا و مشاہدۂ حال پُر ملال سے فغانِ تن صغار و کبار سے اُٹھا و نعرۂ قیامت سے آشوبِ زمیں سے تا آسماں گیا و عرض اس معنی کی اورنگ نشینِ سلطنت کو پہنچی و خبر سرگزشتِ سودا زدۂ عشق کے پرستارانِ بانو عصمت کو ہوئی بادشاہِ دوراں و ملکۂ جہاں بمجرد اصغائے ماجرا پاس اس خود رفتہ کے آئے و دیکھا کے برنگِ غنچہ سر بگریباں تفکر میں مانندِ برگِ خزاں رسیدہ رنگ رو سے اڑا ہے مادر نے سر خاک سے اُٹھا کے زانو پر رکھا اور منہ سے بولی اور باپ نے دلِ پُر درد و دیدہ غم پُر درد سے زبان کھولی کہ اے جانِ عزیز سلطنت سے گزرنا آئینِ ہوشیاری سے بعید و تاجِ خلافت سر سے ڈالنا و پائے آوارگی پر رکھنا سوائے زیاں کیا حصول ہو شاہزادہ نے فریاد کی اور کہا۔

## غزل

دنیا میں کوئی چیز نہیں جان سے عزیز　　پر ہمکوں جان بھی نہیں جانان سے عزیز
رکھتا ہوں اس لئے میں اُسے جان سے عزیز　　ہے عشق کو یہ لختِ جگر پان سے عزیز
کس طرح دل میں ناصح دانا اسے نہ دوں　　مجھکوں نہیں ہے یہ اس بُتِ نادان سے عزیز
رہتا ہے اس میں پردہ نشیں کا بندھا خیال　　ہے راہ دل کا چشم کے دالان سے عزیز
کرتا ہے تار تار جو تو اے جنوں اسے　　کیا دشمنی ہے میرے گریبان سے عزیز
حاضر ہے خونِ دل جو پیئے غم ترا کہ ہاں　　جی بھی نہیں ہے ایسے تو مہمان سے عزیز
اے شیخ دین دور ہو بک بک عبث نہ کر　　عشق بتاں ہے مجھکوں تو مہمان سے عزیز

مسعود شاہ نے اشک آنکھوں سے رواں کر کے کہا اے نور دیدہ سوائے ترے ماہ بُرج اقبال میں نہیں رکھتا کیا ہوگا کہ مجھکو بایں روز سیاہ اپنی جدائی میں بٹھا وے گا اور اپنے تئیں بایں صورت سرگرداں پھراوے گا برائے خدا میری بے قراری و اضطراری پر نظر کر اور اس خیالِ خامی سے درگزر کہ دلِ بے طاقت میرا تابِ فراق نہیں رکھتا و جدائی تیری صبر و ہوش میرا کھوتی ہے اس سوختہ آتش سودا نے لآلی آبدار کلمات کو گوشوارہ گوش دل کا نہ کیا اور مستیٔ پریشانی سے سرِ مُو ہوش میں نہ آیا وزیرزادہ نے جنابِ شاہ میں عرض کی مناسب ہے کہ شاہزادہ کو اجازتِ سفر ہو جس طرف کہ چاہے عنانِ عزیمت دراز کرے و جس سمت کہ تمنا ہو اُدھر گزرے بہرور نے یہ مقال زبانِ سیر سے سن کر آہِ سرد دل سے کھینچی لاچار پیش کارانِ خردور و کارگزارانِ گستر کو جہتِ انصرام لوازمِ سفر فرمان دیا جو کچھ کہ چاہیے مہیا کریں جبکہ سامانِ غربت و برگ و ساز مسافرت درست ہوا دل افروز آگے اُس تیرہ سرانجام کے آیا اور عرض کیا کہ اے شہریارِ کشورِ جنوں میانِ استقلال کمرِ دل پر باندھ شاہزادہ نے فی الحال بہ کشادہ دلی عزم روانگی کیا و پدر و مادر نے بہ نظّارہ احوال پسر و خیال رنجِ سفر سے دریا دریا اشک چشم سے بہائے و کلماتِ نصیحت آمیز زبان پر لائے و اشعار دردمندانہ فرمائے۔

## غزل

منزلِ عشق یہ غافل ہے بہت دور دراز پاؤں اس راہ میں مت کر دلِ مغرور دراز
کب وہ ہو سکتی ہے آہِ دلِ رنجور دراز جس کو لب تک ہے پہنچنا سفر دور دراز
مار ہی ڈالے گا ہے دل تجھے وہ مارِ سیاہ اس کے کاکل پہ نہ کر ہاتھ یہ مقدور دراز
سرکشی شعلہ نمط عالمِ خاکی میں نہ کر ہے سلیماں سے بیاں رتبۂ ہر مور دراز
حالِ دل اس کو فراسو میں سناؤں کیوں کر رات تو تھوڑی سی ہے اور ہے مذکور دراز

شاہزادہ نے عرض کیا ہیہات ہیہات اگر سرشتہ اختیار میرے دستِ قدرت میں ہوتا کس واسطہ اپنے ہاتھ سے تیشۂ الم فرق پر مارتا و مانندِ فرہاد تلخ کام جانِ شیریں خیالِ ناکام میں کھوتا تصور زلف جانانِ کمند دل و جاں ہو کے اپنی طرف کھینچتی ہے اب بہر حال مجھکو چھوڑ دو اور اپنا منہ اس سرگشتہ سے موڑ و خاکِ راہِ محبوب میرا بستر و سنگِ کوئے مطلوب بالشِ سر مادر و پدر نے یقین جانا کہ نصائح ہمارے سودمند نہیں لاچار فاتحہ الوداع پڑھا۔

## ابیات

تم کو تو اس طرف ہم کرتے ہیں رو کے رخصت جاتا ہے جی ہمارا اس طرف ہو کے رخصت
تو مانگتا ہے رخصت یاں اشک بھر رہے ہیں ہووے گا گھر کسی کا ظالم تو کھو کے رخصت
میں نے کہا فراسو جانے نہ دوں گا تجھ کو اے میری جان ہو تو جی میرا کھو کے رخصت

آخر الامر چند خواص ہمراہ دیکے رخصت فرمایا و بادشاہ اوران کی ارتخاص نور دیدہ سے چشم میں جہاں تیرہ ہوا و ملکہ دوراں نے اس سرمایۂ حیات کی جدائی سے ہاتھ جان سے دھویا اور کہا۔

## غزل

سفر کو ماہ روکے ہے شتابی نہ کیوں کر دل کو ہو اب اضطرابی
بیاں اس کا نہیں ہوتا عزیزو غمِ فرقت جو کرتا ہے خرابی
تمہاری زلف میں جب سے پھنسا ہے ہمارے دل کو ہے حد پیچ و تابی
کرے ہے نرگس و شہلا کو حیران تمہاری چشمِ مستِ نیم خوابی
نہ ہو جو مبتلائے عشق کوئی کہ یہ پیشہ ہے عالم میں عذابی
فراسو کس طرح سمجھایئے اب کہ ہے یہ غصۂ غم بے حسابی

گل طرب عالم شاخسارِ اُمید سے جھڑا و نہالِ آمالِ خلائق سربسر یاس سے گرا۔

تصویرِ عزمِ سفر ماہ رو و دل افروز و گریہ و زاری بادشاہ جہان و
ملکۂ دوراں یعنی مادر و پدر ماہ رو و ہجوم خلائق بہ نالہ و فغاں

روانہ ہونا اس سرقافلہ آشفتہ حال کا بہ بدرقہ راہ پیش کارواں سالارِ یوسف جمال و نکلنا آہوِ تیز رو کا
گوشۂ بیاباں سے دوڑانا اسپانِ تیز گام دونوں شہسواروں کا اور رَم آہو کا نظر سے و خراب ہونا دونوں
آزادوں کا پیچھے آہو کے

رہ نوردوادیٔ داستانِ راہ مدعا یوں سر کرتا ہے کہ جو اس خسرو فرہاد کیش نے والدین سے مرخص
ہو کے گلگونِ عزم کو میدانِ جستجوئے معشوقۂ شیریں لب میں جلوہ ریز کیا شاہزادہ نے بہ فرطِ بے قراری
عین راہ میں دل افروز سے کہا کہ اے مرہمِ ریش دل کونسے دن کوئے جاناں میں پہنچ کے نشانِ دیار کا

دیکھیں گے دل افروز نے حرفِ تسلی آمیز سے اِسکی تسکینِ خاطر کر کے ہمراہ اس سالک و مالکِ عشق کے قدم پیش رکھا جبکہ سادہ صفحہ سپہر لاجوردی نقوشِ نجوم سے منقش ہوا فضائے صحرا میں خیمہ بر پا کر کے شب بہ آرام تمام بسر کی جس دم شہباز زریں چنگ آفتاب نے دست اخضر فلک پر آہنگ صید کیا شہزادہ و وزیر زادہ خواب سے بیدار ہو کے بہ سواری باد پایاں برق رفتار روانہ ہوئے ناگاہ کنارِ صحرا سے غزالِ زریں گردن وسیمیں سم ہیئت عجیب و پیکر غریب مثالِ آہوئے چشمانِ طناز خوشنما و سراپا اس کا نظر فریب و دلربا بہ دیدار ہوا دونوں شیر پیشہ اس بیشہ براندیشہ میں متوجہ شکارِ آہو ہوئے و سوفار تر کو زہ کمان سے آشنا کر کے اسپانِ بادہ پیما کو دنبالِ وحشی رم خور کے سبک عناں کیا آہوِ تندخرام جو تیز روی میں نسیمِ سحر پر سبقت کرتا کسی ساعت نظر میں نمایاں ولحظہ دیدہ سے پنہاں رَم کرتا اِسی روش جو روز تمام ہوا ہنگامِ شام بسانِ آہوئے دشت خاور نگاہ اُن صیادانِ صحرائے جنوں سے ناپیدا ہوا ناچار ملک زادہ وزیر زادہ نے کہ تگ و تاز میں ماندہ و رنجور و ہمراہیوں اپنی سے دور ہوئے تھے اس برِّ پُرخطر میں زیرِ درخت پر طرح قیام کی کی اور تمام شب بیداری سے گزری جو ترکِ روز نے واسطہ شکارِ مسکین آہوئے شب کے زریں طبل خورشید کا بجایا و شہسوار عرصۂ شیدائے اسپانِ تیز گام کو زیر زین کر کے بجستجوئے سراغِ ہمرائیاں ایک طرف کو راہی ہوئے قضارا وہی آہوئے غریب ہئیت عجیب دشتِ مہیب سے آشکارا ہوا ماہ رو نے دل افروز سے کہا کہ یہ وہی آہو ہے کہ کل جسکی تلاش میں تمام دن قطع صحرا کیا حیف کہ آج یہ وحشی رَم کرے و نخچیر ہمارے تیر کا نہ ہو القصہ جو عنان پر کر کے ہاتھ میں تقدیر کے ہے ہر چند دنبال اس کے پاشنہ زن ہوئی آہو کہ فی الحقیقت اُعجوبۂ نیرنگئ قدرت تھا بسانِ نظر تیز تر ہر سو رَم کرتا بآئینِ گزشتہ نظر سے غائب ہوا بمعائنۂ حال وہ نخچیر افگن مرغزارِ عاشقی نشانۂ تیرِ غم کے ہوئے و مانندِ صیدِ بسمل تڑپے جو آہو زریں خلخال مہر دشت اخضر فلک سے چراگاہِ مغرب میں گیا دونوں سرگرداں صحرائے ناکامی بدستور شبینہ ایک مقام پر اترے و اندوہ خاطر سے تمام شب ستارہ شماری کی وقتِ صبح کہ غراب سیہ بالِ شب نے زریں بیضۂ آفتاب آشیانۂ چرخ پر نکالا جہت جہت و جوئے ہمدموں کے ہمت بلند کر کے ہراُن راہ گم کیوں کوں ڈھونڈا اصلاً سراغ نہ پایا لاچار بہ تن تنہا ہی قطع مسافت کر کے بعد طے مراحلِ بسیار ایک گل زمیں پر پہنچے کہ سبزہ اس کا نظارت سے روضۂ جنت پر طعنہ زن تھا و درختاں سایہ دار سے رونق گلزارِ چمن کی دو بالا و اشجار طوبیٰ آسا ہر طرف جلوہ نما۔

## تصویر شاہزادہ و وزیر زادہ و آہوئے خوش خرام و شکلِ باغ و بستان بہ تنہائی شاہزادہ و وزیر زادہ و شکل درختان و حوض و آب و جانوراں

گلہائے رنگا رنگ برنگ خوبانی شوخ و شنگ جلوہ گر طنازی ایک سو چشمۂ آب مصفا جاری کہ لطافت چشمۂ کوثر سے ہمکنار تھا بہ نظارۂ گل زمینِ مینونشاں و چشمۂ خوشتر نورِ آبِ حیواں سے آبِ تازہ جوے خاطرِ پژمردہ میں بھرا و فرش مخملِ سبزہ کو بسترِ آسائش قرار دیا و چندروز اُس رشکِ روضۂ رضواں کو اُقامت کدہ کیا۔

## فریاد و نالہ کرنا لشکریوں کا بضمِ مہاجرت شاہزادہ و آخر پھر جانا درگاہ میں شہر یارِ پدر راس دل افگار کے

جو ندیم خدمت گار اس پاک زار مراحلِ دیوانگی کے سراسیمگی مہجوری سے براستہ تردّد متردّد تھے ہر چند ہر سمت تلاش کی نشان نہ پایا بے اختیار اسیرِ زنجیرِ اضطراب ہوئے چار و نا چار ایک نے غنچۂ ضمیر اُس کا بہ آبیاریٔ دانش و رنگ و بوئے بینش واشد جودت طبیعت رکھتا تھا کہا کہ اے یارانِ بے قراری و آہ و زاری فائدہ مند نہیں چاہیے کہ چندے اس مقام میں ٹھہریں شاید کہ اس طریق سے ملاقات شاہزادہ حاصل ہو سردارِ قافلہ نے یہ معنی قبول کر کے اس مکان میں سکونت اختیار کی و ہر یک کو جہت بہ جستجوے تلاش ہر جانب روانہ کیا تا مدت دراز صورت مقصود آئینہ شہود میں جلوہ گر نہ ہوئی ہر ایک نے گریبانِ صبر پارہ کیا و غوغائے فریاد و فغاں زمین سے آسمان پر پہنچایا کسی نے غمِ جدائی دلقِ گدائی بر میں لیا بعض نے کلاہِ فقر اندوہِ فراق میں فرق پر رکھی ایک نے وحشت سے اپنے تئیں دامنِ صحرا میں نکالا دوسرے نے فکر و اندیشہ سے سر گریبان میں ڈالا چند نفر بے قراری زار و نزار کفِ افسوس ملتے تھے اور کئی سوز و گداز سے داغِ غم میں جلتے تھے بعضے رو رو پڑھتے تھے۔

## غزل

برق وش بن یہ ہے عشاق کو غم آپس میں | ابرساں روتے ہیں مل مل کے بہم آپس میں
گل کا دل چاک ہے اور گریہ کناں ہے بلبل | رکھتے ہیں عاشق و معشوق اَلم آپس میں
اے صبا پیرہنِ نیلیِ سوسن کو دیکھ | نرگسوں کے نہ فقط سر ہیں قلم آپس میں
جس کا دم بھرتے تھے افسوس وہ ہم دم نہ رہا | دوستداروں کے رک کے آتے ہیں دم آپس میں
سال و مہ ماہ جبیں بن ہے جہاں میں اندھیر | درد دو چند ہے آرام ہے کم آپس میں
حیف وہ چشمۂ خوبی نہ رہا پیشِ نظر | اس لئے روتی ہیں خوں دیدۂ نم آپس میں
صید کہتے ہیں یہ سر جوڑ کے اے صید فگن | شہر عالی سے بس اب کیجئے رم آپس میں
سینہ از بسکہ مشبّک ہے خدنگِ غم سے | ہو جی آباد بہ صحرائے عدم آپس میں
چشمِ پُر آب ہیں یہ دلبرِ میخوار بغیر | جامِ فغفور اب اور ساغرِ جم آپس میں
چرخ کس واسطہ رکھتا ہے کجی تو ہم سے | راستی ہے کہ نہیں خوب ستم آپس میں
نہیں فریاد ہی اے دوست خیالِ سر کچھ | زانو پیٹے ہیں سدا دے کے وہ سم آپس میں
نخلِ گل کیسے جھکے پھول کی سب شاخیں ہیں | گردنیں بار سے غم کے ہیں یہ خم آپس میں
ہائے دنیا سے گیا کون سگھڑ جو اک بار | زیریں بے طرح مچاتی ہیں یہ بم آپس میں
یاں تلک کسرتِ افسوس ہوئی عالم کو | ہاتھ لوگوں کے سدا رہتے ہیں تھم آپس میں
اب فراسو و نصیر اور فراق و دلسوز | مرثیہ رو رو سدا کہتے ہیں ہم آپس میں

چندے اس گروہِ سرگشتہ سے حاضر درگاہِ بادشاہ ہوئے اور کیفیتِ آوارگیٔ شاہزادہ سلطان کشورِ عشق عرض کی بادشاہ کو بجرد اصغائے احوالِ ہوش ربا درد و اضطراب تھوڑے سے بہت ہوا و مانندِ پیر کنعاں بہ یادِ یوسف مصرِ نوجوانی طفلِ اشک کو سرگرمِ خاکبازی کیا اور مثالِ زلیخا آہِ حسرت آلود دل دردآموز سے ہجر میں عزیز از جان کے کھینچی عاقبت گار وزرائے باتدبیر نے ابوابِ طمانیت مفتوح کر کے آبِ صبر و شکیب سے آتشِ اضطراب کو منطفی کیا۔

تصویر حاضر ہونا لشکریوں کا غمِ ماہ رو میں حضور بادشاہ کے وعرضِ حال کرنا ان دونوں گم گشتوں کا

راہی ہونا خسرو ملک جنوں کا اس مکان جنت نموں سے وگزرنا ہامون پُر سخافت سے د
پہنچنا کنارِ دریائے شور پر بعد طے مسافت بہ مددِ سوداگر کشتی پر سوار ہونا وراہِ دریا طے کرنا

رہنمائی طریقِ حکایات و ہادیٔ سبیل رعایت اس طریق سے جادہ نورد اظہار ہوتا ہے کہ جوان مسافرانِ راہ جنوں نے چند اوقات اس مکان فردوس نموں میں گزاری وتماشائے بہار گلزار و اسماع صفیرِ مرغانِ خوش گفتار سے احتراز حاصل کر کے تلاشِ مطلوب میں قدم پیشتر رکھا بعد قطع مراحل دور دراز صحرا میں پہنچے کہ اُس جا آب غیرِ اشک چشمِ تر بہم نہ پہنچا و خورش سوائے سوختہ خونِ جگر میسر نہ ہوئی بعد طے راہِ درماندہ ہو کے ناچار حدتِ آفتاب سے زیرِ سایۂ درخت پناہ لی ہنگامِ شام جو خورشید نورانی مغرب میں گیا اور شب ظلماتی میں جہاں کو تیرہ کیا وہ تیرہ کو کبانِ سیہ روز زیرِ درخت سے فضائے دشت میں بیٹھے و نظارہ تاریکیٔ شب میں پُر اضطراب رہے صبحدم نقارچی چرخِ عنبریں نے زرین کوش آفتاب بامِ مشرق پر دوالِ خطوطِ شعاعی سے بجایا وہ رونوردانِ وادیٔ شیدائی و قافلہ سالارانِ صحرائے بےنوائی پیشتر راہی ہوئے ومنازل ومراحل بسیار مانندِ ماہِ سریع السیر طے کر کے لبِ دریا پہنچے ایسا دریا کہ غواص اندیشہ بہت شورِ آب شور سے پنبہ گوش میں رکھتا و ملاح تصوّر اسکی طرف قعر سے حوض حوض میں غوطہ کھا کے کفِ دریا بسانِ سم ہلاہل جانگزا وشدتِ موج سے جانورانِ آبی بہ گرداب بلا نے یاوری کشتی وملاح اس بحر ناپید کنار سے عبور دشوارتر جان پہنچان کے ناچار لبِ دریا اقامت کی وجہ طلب کشتی راہِ چشم انتظار پروار کھے درِ اثناء حال بعد چندروز ایک تاجر بالوازم واسباب تجارت سفرِ دریا پیش نہاد ہمت کر کے دریادریا اس جگہ پہونچا اُن لب تشنگان وادیٔ یاس نے دیدارِ تجارِ دریا پر غنیمت جان کے اس خضرِ طریق سے استعانت وامداد چاہی جودہ کارواں سالار خواجہ بزرگ نام دیار مسعود شاہ کا تھا بمجرد معائنہ شاہزادہ کو پہچانا وبا ایں خادمانِ نثار استفسارِ حال کیا اور کہا کہ موجب اختیارِ رنج وسفر کا کیا ہے واندوہِ غربت وتنہائی قبول کرنا کیا بھلا ہے شہزادہ نے آہِ جاں سوز سینۂ غم اندوز سے کھینچی اور کہا۔

## غزل

دیوانگی کی اپنی تدبیر ہے اور میں ہوں — اب زلف پری رو کی زنجیر ہے اور میں ہوں
دوری میں مرے دل پر گزرے ہے سو کیا کہیے — ہر دم ترے ملنے کی تقدیر ہے اور میں ہوں
ہر رات یہی نقشہ ہے دھیان ترا اور میں — ہر روز یہی صورت تصویر ہے اور میں ہوں

سوداگر نے ان کے کلمات سن کے نقد ہوش کھویا و متاعِ صبر و قرار بحرِ غم میں ڈبویا آخرش اُن آشنایانِ لجہ بلا کو با جمیع مال و منال زورق میں لے کے کشتی کو روئے آب پر بسانِ بادِ تیز کیا۔

آنا بادِ مخالف کا کشتی پر و ساحلِ سلامتی پر پہنچنا دونوں کا موجِ دریا خیز سے
و روانہ ہونا وزیرزادہ کا برائے جستجوئے آب طرف بیاباں کے
و گرفتار ہونا شاہزادہ کا بدستِ جانستان سرخیل پریزادانِ کوہ قاف کے

ملاح کشتی اسمار اس مطلب کو بحر بیاں پر رواں کرتا ہے ہنگام شام جو زورق منور مہر گردابِ مغرب میں غرق ہوئی و بادِ تند مہیب تقدیر سے چلی اور ابرِ سیاہ نے فضائے جہاں کو تیرہ کیا و کشتی نشیں طوفاں بادِ طوفاں سے بسانِ موجِ آب لرزہ میں آئے و ہم جاں سے حباب وار بنیادِ ہستی کو لاچار بربادی میں لائے ناگاہ زورق کہ پر زر و گوہر تھے لطمۂ باد سے تباہ ہوئے و شور و فغانِ مردم تلاطم دریا سے اخضرِ فلک پر پہنچا سوداگر نے کہ کشتی علیحدہ میں تھا مال رفتہ سے افسوس کیا جز تقدیر نہ تھی ناگاہ کشتی دوم متصل جزیرۂ کوہ پہنچی و ناخدا نے بغور دیکھ کے چاہا کہ کشتی سلامت وہاں گذرے آخر کار کشتی صدمۂ کوہِ آفت انگیز سے ہزار پارہ ہوئی و کشتی نشیں کہ آشنائے لجۂ اضطراب تھے تمام گردابِ عدم میں غرقاب ہوئے۔

تصویر دریا ہے شور و تباہی کشتی با با سوداگر و تصویر ماہ رو دل افروز بر تختہ پارہ رواں بر روئے آب

شاہزادہ و وزیرزادہ اس طوفانِ بلا میں برنگِ گل شاخ تختہ پارہ پر ہبوبِ باد سے لرزاں ہو کے کہتے کہ اے فلکِ حقہ باز یہ کیا نیرنگ سازی اور کیسی شعبدہ طرازی ہے جلبابِ خفا سے جلوہ نما کی وصرصر بلاکش ہاموںِ جفا سے سر پر لایا اور ہماری کشتیِ امید کو گردابِ یاس میں ڈبویا توقع تھی کہ ہم پر دردوں کو ساحلِ مقصود پر پہنچادے اور جراحت حرماں لاءِ درماں پر مرہم وصال لگاوے نہ کر مانند بیداداں کاوَ کاوَ نشترِ الم سے زخم پر زخم کرے و بلا بلا پر دھرے درعین زاری مضمونِ سفینۂ لبِ زباں پر جاری تھا:

## غزل

دیا تمکوں دل ہم نے جانی عبث — یہ کی رائگاں نوجوانی عبث
خفا مجھ سے رہتا ہے جانی عبث — جہاں میں ہے اب زندگانی عبث
نہ تم سے ملے تا دمِ مرگ ہم — کٹی ہجر میں زندگانی عبث
کہیں وصل کی ہم تو کہتے ہیں وہ — یہ بات اپنے دل میں [ہے] ٹھانی عبث
نہ ہاتھ آئے گا رونے دھونے سے کچھ — یہ سیل اشک کی ہے بہانی عبث
نہیں قطرۂ خوں بھی دل میں مرے — یہ کی عشق کی میہمانی عبث
دمِ واپسیں کیوں تم آئے کہ اب — کرم ہے عبث مہربانی عبث
مری گور پر آئے تم بعدِ مرگ — یہ عاشق کی کی قدردانی عبث
میں کہنے لگا اپنا احوالِ دل — تو بولے کہ ہے یہ کہانی عبث
فراسو کوئی روز کی زیست پر — جہاں میں ہے یہ شادمانی عبث

القصہ بعد ایک رات دن کے دو تختہ پارہ کنار دریائی سے لگا اور اُن آشنایانِ بحرالم و کشتی شکستگانِ گردابِ غم نے جبینِ نیاز کو بسجود سپاس نور آگیں کو کی بہ استیلائے جوع طرف صحرا رواں ہوئے و بعد قطع دو سہ فرسنگ گل زمین پر پہنچے کہ لطافت و خوبی اس کی رشکِ ریاضِ ارم سے ملے و ہر طرف گلہائے ارغوانِ لالہ و نافرمان کھلے

باغبانانِ قدرت نے اس سرزمین مینوا میں اشجار میوہ دار دخوشگوار اس طور سے لگائے گویا برنگِ طبق زمردیں اوراقِ پرنعمت الوانِ فیض عنایت منعم حقیقی پر جمائے سیبِ رنگین شاخِ سبز پر نمایاں رونق شکن سیب ذقن دلربایان تھے اور عناب نوین بلوں پر بجا ہر خوشۂ انگور کو دلشکنی شیریں دہاں سے ہو وانار ہائے تازہ وتر برہمزن کیفیتِ نار بستان یکسر حورانِ جناں اگر چشم تماشا کھولیں جز حرف سبحان اللہ نہ بولیں۔

## سراپا در صفت باغ

جھومتے تھے شجر وہاں جو سبز — دل بھی دیکھے سے جن کے ہو سرسبز
ایسی رنگت کا تھا گل و سحرا — جائے دیکھے سے جس کے دل لہرا
کہیں نرگس کہیں چنبیلی تھی — موتیا آپ ہی نویلی تھی
کہیں سوسن کہیں کھلے تھے گلاب — جائے جوئے پری دہاں ہر باب
گل اورنگ اور رنگ میں تھا — لیک صد برگ سے وہ جنگ میں تھا
وہاں داؤدیوں کی اور ہے آن — وہاں کے لالہ بھی سارے نافرمان
کہیں تھا موگرا کہیں بیلا — اور کہیں کیوڑا تھا البیلا
زادہ اب اس کا کیا کروں میں بیاں — رشک جنت تھا وہ غرض بستان

وہ لذت گرانِ حلاوت کدۂ جنوں نظار وگلزار جنت نموں واشجار فواکہ گونا گوں سے تازہ وخورم ہوئے وسکر نخلبندِ جہاں سے رطب اللسان ہو کے زیر سایۂ درختاں پُر بار بارِ اقامت کھولا وبعد یکدو ہفتہ کہ ریاضِ خاطر نے خرمی اور تازگی پائی بہ رفاقتِ یکدگر وہاں سے رواں ہوئے بعد طے مسافت بے شمار تگاپوئے بسیار ایسے بیابان میں گزرے کہ نشانِ مردم چشمِ خیال میں جلوہ گر نہ ہوا وبوئے عمرانات دماغ وہم میں نہ پہنچی تاب آفتاب سے تفسیدہ ریگ بیاباں پر مثالِ ماہی بے آب پناہ درخت نے اس ہنگام میں شدتِ تشنگی سے شاہزادہ کی زبان تالو سے نہ لگتی وگرمی آتش عطش سے نفسِ شیریں جلتا تھا لاچار وزیرزادہ

نے آبِ تسکین سے اس کے شعلۂ اضطراب کو سرد کر کے جہتِ تلاشِ آب رواں ہوا ہر چند مانندِ آب ہر طرف قطرہ زنی کی مگر سوائے سراب نشانِ آب نہ پایا جس وقت سکندرلب تشنہ آفتاب بہ جستجوئے آبِ حیات ظلمات مغرب میں گیا طاقت اس کی طاق ہوئی وقوتِ ضعف سے راہ پر گرا اس قدر قدرت نے دستِ طاقت نہ دیا کہ پائے راہ پر رکھ کے لنگ لنگاں وافتاں وخیزاں شاہزادہ تک پہنچے القصہ اس تشنہ لب کشادہ چشم نے وزیرزادہ کے انتظار میں تمام روز کھویا وتا آخر روز اس سرگرمِ تلاشِ آب کا ذرا سراغ نہ ملا تشنگی سے بیتاب مستغرق بحرِ اضطراب ہوکر اندیشہ کیا کہ تنہائی اس صحرائے ہولناک میں شب کیوں کر بسر کروں چار و ناچار درختِ عظیم پر خوف دود ودوام سے طائر جاں کو آشیانۂ برگ وشاخ میں متوازی کیا اتفاق وہ بیابان گزرگاہِ پریزاداں تھا کہ اکثر اوقات بہ تقریبِ عسیر زیر اس درخت کے بزم آراستہ کرتیں و بادۂ نشاط کو جامِ عیش میں بھرتیں ناگاہ اریب شام کہ ہنوز معشوقہ روز نے زلفِ شب رُو پر آویزاں نہ کی تھی کہ ایک مرد صورت باسبد و جاروب زیر درخت آیا و خاکروبانہ کیا فضائے دشت کو بہ تیز دستی خس وخاشاک سے پاک و مصفا کیا بعد ازاں چند کس سقہ ہائے با مشک ہائے آبِ گلاب دوش بدوش پہنچ کے سطحِ خاک پر مشغولِ آب پاشی ہوئے من بعد فراشانِ چابکدست با بساط ہائے الوان وفرش و سائباں آئے وگرداگرد درخت کے بچھونے بچھائے وقریبِ درخت مسند بہ تکلف زرتار آراستہ کی وتکیہ مانندِ بالش خورشیدِ طلا کار بقرینہ دھرے شاہزادہ بالائے درخت روشنی ماہ میں ناظرِ ماہیت ہو کے حیران رہا و دل میں کہا اس دشتِ ہولناک میں گزرِ انساں کا محال ہے اور یہ چند کسان متمثل بصورتِ انسان کون اور یہ آرائش بہ تمہید بزمِ عیش ونمائش کس کے لئے بعد انقضائے یاس شب خیل پریزاداں کہ سرکردہ اُن کی جانستان نام پری تھی تختِ رواں پر سوار دار داس مقام کے ہوئی ومسندِ شاہانہ پر زیرِ درخت تمکن فرما کے حکم دیا کہ خنیاگرانِ خوش آواز و رقاصانِ زنگلہ نواز بسازوسامانِ نوانجی بربابِ و مردنگ و عود و چنگ حاضر ہوں و ساز اپنی نوبت بہ نوبت بقانون شائستہ بہ گت دھرپد بجاویں القصہ پریزاداں نغمہ طراز و رقاصان سراپا ناز نے بمجرد صد ورامر پردۂ حجاب اُٹھا کے سازِ عشرت کو کوک کیا وہ مضرابِ فراست کو بہ تار ترنم ضرب دیکے بہ آہنگِ رقاصی دادِ نغمہ سرائی دی حال شاہزادہ بمشاہدۂ ترکیبِ عجیب و کیفیت غریب

دمبدم رنگ برنگ ہو کے ساغرِ دل بادۂ یادمہرنگار سے مالا مال ہوا و بے اختیار زار زار رویا اور کہا:

## غزل

مجنوں کی طرح مجھ کو دیا دیس نکالا ۔۔۔ اے عشق بتانِ سلمہ اللہ تعالیٰ

ابرو نہ ہو کیوں تیغ مژہ کیوں نہ ہو بھالا ۔۔۔ اب تو بُتِ ناداں نے مرے ہوش سنبھالا

گل کی طرح کیوں کر نہ کروں چاک گریباں ۔۔۔ دل پر مرے دوری کا تری داغ ہے لالا

کس رنگ بچے یار یہ صید دلِ عشق ۔۔۔ ابرو تو تری تیغ ہے مژگاں تری بھالا

جیوں برق چمکتا ہے پڑا اے مہِ عالم ۔۔۔ بالا ہے ترے کان کا ہالہ سے نرالا

کھائے ہیں ترے داغ یہاں تک بُتِ گلرو ۔۔۔ از بسکہ شگفتہ مری تربت پہ ہے لالا

نت آہ و فغاں گریہ و زاری ہے مرے ساتھ ۔۔۔ رکھتا ہوں سدا ساتھ یہ اپنے میں رسالا

ارمان رہا اس کے ہی ملنے کا فراسو ۔۔۔ اس نے نہ کہا ہائے کبھی اس کو بلالا

اتفاقاً چند قطرۂ اشک اس سوختہ آتشِ عشق کے دوشِ جانستان پر پڑے جانستان نے بے اختیار غایتِ سوزش سے زبانِ فغاں کھولی کہ یہ قطرۂ گرم کس سحاب کا کہ میرے تن پر کارِ آتش کیا و بدن پر مانندِ اخگر آبلہ ڈالا یہ اشک دیدہ کسی اندوہ گرفتار کا آب چشم کسی خاطرِ بےقرار کا ہے کہ دل جس کا مانندِ کبابِ بریاں و اشک مانندِ شررِ سوزاں۔

تصویر درخت و میانِ برگ ہائے درخت ماہ رو و تصویر جانستان با پریزاداں و سامانِ رقص و صحرا

جو اس سرو بالا یعنی جانستان نے نظر بالا کی دیکھا کہ جوان برگ ہائے درخت میں پنہاں و آب اس کی چشم سے رواں استفسار کیا کہ اے جوانِ غریب کہاں سے آیا اور کس کے غم میں دیدۂ تر سے

اشک بہایا شاہزادہ کہ زخمی شمشیر اپنی ترک کا تھا قطعاً دم نہ مارا و برنگِ تصویر ہرگز سخن نہ کہا بایں معنی شوق ہی ایک سے ہزار ہوا و پریزادانِ خدمتگار کو اشارا فرمایا تا درخت سے اس شاہِ کشورِ جنوں کو تخت پر بٹھا کے نیچے لائیں جانستان نے جو جمال بہر فریب شاہزادہ کا دیکھا اگرکہ پری تھی دیوانہ اس کی ہوئی اور مست محبت سے پوچھا کہ اے جوانِ زیبا رو گل کون سے گلستان کا و شمشاد کس چمنستان کا ہے کہاں سے خارِ رنج تیرے پانوں میں لگا جو اس صحرا میں آوارہ پہنچا کس کے اندوہ کا جامہ تیرے تن پر آراستہ ہوا کہ مثالِ سمن گریبان چاک چاک کیا شاہزادہ دیوانہ کیش نے کہ نشانہ تیرِ نگاہ اپنی دلستان کا تھا کمانِ ابرو کو بہ خم جواب آشنا نہ کیا و گوشۂ خموشی سے پا باہر نہ رکھا و سر گریبانِ مدہوشی میں دیا جانستان نے کہ شیفتہ جمالِ باکمال اس کی ہوئی تھی چاہا کہ اس نو بہرِ حسن کو اپنے پرستان میں لے جائے ناچار شاہزادہ نے بہ نالہ و فغاں کہا کہ اے بے درد نمک میرے زخمِ سینہ پر نہ چھڑک اور میرے دل کو مثلِ کباب آتشِ حزن سے سوختہ نہ کر تا اس صحرا میں زندگی بسر کروں و یادِ محبوبہ میں مروں جانستان سخنانِ انکار پر کار بند نہ ہوئی اور شاہزادہ کو تختِ رواں پر بٹھا کے حکم دیا کہ پریزاداں طناز پرواز میں آویں و تختِ معلق پرستان میں پہنچا دیں ان طائرانِ ہوائے ناز نے بالِ پرواز وا کیا و در چند ساعت تخت کو پرستان میں کہ مسکنِ جانستان تھا پہنچا دیا پری نے اپنے باغ میں شاہزادہ کو ایسا پنہاں کیا کہ بادِ صبا اس جگہ گزر نہ کرے و نسیمِ صبحِ شمیم گل کو آگاہی نہ ہو شاہزادہ مدہوش گریۂ غم اندوہ سے بے اختیار سیلِ سرشک آنکھوں سے بہاتا و بیخودانہ خاک پر لوٹتا اور کہتا۔

## غزل

کرتا ہوں گریہ اس بن جو کام ہے تو یہ ہے — آغاز دوستی کا انجام ہے تو یہ ہے

در پر ترے پڑے ہم جیوں نقشِ پا رہے ہیں — فرقت زدوں کو تیرے آرام ہے تو یہ ہے

پُر خوں ہے دل فرآسو پُر آب چشمِ تر ہے — شیشہ ہے یاں تو یہ ہے اور جام ہے تو یہ ہے

جو یہ خبرِ وحشت اثر گوشِ زد جانستان ہوئی ہوش وحواس باختہ سراسیمہ وار کہا کہ اے لب لعلت بخشندہ زندگانی وائے گل رویت تازہ بہار نوجوانی مثال پروانہ دل کو نہ جلا و مانندِ شمع تن کو غم سے نہ گھٹا یہ افسوس تیرے دل پر میں نے کیا کہ تجھے اس صحرا سے اس جگہ لائی دل اپنا خوش رکھ و میرے کلبۂ احزاں کو دولت خانہ اپنا سمجھ اب میں نے کمر بند کی میان جان پر باندھی ہے پس شاہزادہ نے جانا کہ آہ وزاری سے سود نہیں و نالہ بے قراری سے بہبود نہیں ناچار کفالت کا حوالہ تقدیر کے کیا اور جانستان بھی بہ کمال دلجوئی خدمت گزاری میں اس کی صبح وشام ساعی رہتی شاہد خورشید نے نقاب مشکفام شب منہ پر لیا ورقاص ماہ پری چہرہ نورانی بساط آسمان پر جلوہ گر ہوا جانستان نے برائے تفریح خاطر شاہزادہ حکم دیا کہ رقاصانِ نازفقر یب گرم رقص اور مشغول نغمہ سازی ہوں وسرو سرایانِ سراپا زیب ترنم سرائی میں آویں ونغمہ آہنگ کو دھن میں گاویں وسوختہ آتش دیوانے کے معنی ماہ رو بظاہر چشم کو بہ تماشائے پریزاداں تازگی دیتا مگر باطن میں بہ آشفتگی طرہ پر پیچ کافر کیش دیوانگئ جمال پری رخسار مہر نگار سے آہِ سوزناک دل سے کھینچتا اور کہتا۔

بیت:

طپش ہے درد ہے گریہ ہے وزاری ہے اور میں ہوں  ترى فرقت میں ظالم اس قدر خواری ہے اور میں ہوں

اے مہر نگار خبر نہیں کہ دیدۂ سرمہ اکسنت کس کے خیال میں خواب کرتا ہے وطرہ مسکنت کس کی ہوا میں آب وتاب رکھتا ہے مگر چشم میری بسانِ دیدۂ نرگس راہ پر باز و دل میرا برنگِ شمع آتش فرقت سے پرسوز وگداز اور یہ غزل حسبِ حال محرم راز:

## غزل

اگر دل کو مرے ڈھونڈے کوئی کر چاک سینے میں  تو پاوے دل کی جا کے اخگرِ آتشناک سینہ میں
کھلا جو گل ہے ہر داغ دل صد چاک سینہ میں  نہال رکھے ہے گلشن عاشقِ غمناک سینہ میں

کسی کاکل کا شیدا ہے دلِ غمناک سینہ میں نہیں ۔ کہ مثلِ شانہ رہتا یہ سدا صد چاک سینہ میں
نہیں رنگِ کدورت سے ملوّث دوستو ہرگز ۔ برنگِ آئنہ ہے دل ہمارا پاک سینہ میں
خیال اس کا نہیں آتا ہے جس دم خانۂ دل میں ۔ رہے ہے دیدۂ پُر آبلہ نمناک سینہ میں
خدنگ آہِ عاشق کس طرح سے کارگر ہووے ۔ بجائے دل ہے پتھر تیرے اے بیباک سینہ میں
اسے مت جانیو تو مہر اب اے مہرباں ہرگز ۔ رکھے ہے داغ تیرے عشق کا افلاک سینہ میں
سبوئے آب لے لے اے فراسو اشک پہنچے ہیں ۔ یہ بھڑکاتی ہے شعلہ آہِ آتشناک سینہ میں

پس ظاہرا روبروئے جانستان لب بہ فریاد و فغاں نہ کھوتا جانستان بہ پاس ننگ و ناموس گوشۂ باغ میں اس کو مخفی رکھتی مگر شب کو بہ دیدارِ ماہ و انتعاشِ طبیعت حاصل کرتی حسب حال داستانِ مصراع ہے مصرع کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن سبحہ مشک چھپا نہیں و شمیم عشق پوشیدہ نہیں ہوتا غنچہ راز پنہاں کھلا اور یہ ماجرا لعل پری مادِ جانستان کے گوش میں پہنچا اور آتش غضب لعل پری نے شعلہ بھڑکایا و جاسوسانِ کارآگاہ فرمایا کہ اس مقدمہ خرمن سوز ناموس کو کماینبغی دریافت کر کے حقیقت حال میرے سمع مبارک میں کہویں چاہتی کہ شعلہ حسن غیرجنس شمع بزم اس جمیعت دشمن کا ہوا القصہ شب کو جانستان بہ عادت معہود ہم پہلو ہے شاہزادہ آب ارغوانی جام کامرانی میں بھرتی تھی کہ جاسوس نے قابو پا کے پردہ راز پیش لعل پری کھولا دیو سیاہ نے بچشمِ خود دیکھ کے حال ان دونوں کا مفصل بولا بمجرد اصغائے مقدمہ ناموس سوز جہت رفع فتنہ خانماں برانداز کے وارد خلوت کدۂ جانستان کے ہوئی دیکھا کہ باجوان زیبا منظر مست شراب مسند ناز پر و چند پرستاران پری پیکر کمربستہ حاضر و اسباب بہجت و شادمانی روبرو میسر۔

تصویر جانستان و ماہ رو و در عیش شراب نوشی و رسیدن لعل پری مادرش برسر او عتاب کردن
و جام و صراحی را شکستن

لعل پری بمجرد معائنہ حال جوش خروش میں ہو کے بولی کہ اے ننگ و ناموس کی دشمن یہ کیا خاکِ شقاوت سر پراڑائی اور آتشِ فجارت بادِعصیاں سے بھڑکائی۔

خیال کر کہ آتشی کو خاکی سے کیا نسبت اور پری کو آدمی سے کیا قربت الحاصل جانستان کو بہ عتاب سخت مغلول و مسلسل و محبوس کیا و شاہزادہ عزیز مصر خوبی کو مانند یوسف چاہِ زنداں میں دیا ماہ روظہور اس سانحہ ہوش ربا سے بغایت متالم و نہایت پُرغم ہو کے نغمہ پرسوز دل سے زبان پر لایا۔

فرد ؎

ہوا برباد میں اور بن گئی کیا کیا رقیبوں کی　　　گلہ کس کا کروں خوبی سے سب اپنے نصیبوں کی

گاہے بے قرار نہ کہتا۔ فرد ؎

اتنا تو جا کہے کوئی اس خود پسند کو　　　ناحق ستایئے نہ کسی درد مند کو

گاہے عذاب قید گرانبار سے یہ غزل پڑھتا:

## غزل

انتظاری نہیں سونے دیتی　　　بے قراری نہیں سونے دیتی

دردِ فرقت سے مجھے ساری رات　　　آہ و زاری نہیں سونے دیتی

دردِ پہلو سے رہوں ہوں بے کل　　　دلفگاری نہیں سونے دیتی

پانی چھڑکے ہو سدا منہ پہ مرے　　　اشکباری نہیں سونے دیتی

مجھکو اس مہ کی فراموش صاحب　　　دوستداری نہیں سونے دیتی

اے اختر نگواں واے طالع واژگوں اندوہِ سودائے زلف جانستان و بادمہاجرت جاناں کیا کم تھا کہ علاوہ بند میں پابند کیا و بارغم میرے سر پر رکھا اب کہ اس غم تازہ میں گرفتار ہوں درد دل کس سے کہوں و درمانِ جاں کس سے چاہوں۔

## غزل

باغ میں بیٹھے تھے مل مل کبھی مُل برسرِ گل ۔۔۔ یا جدائی میں ہم اب کھاتے ہیں گل برسرِ گل

آج کس نے ہے پیا ساغرِ مُل برسرِ گل ۔۔۔ کہ پڑے جھومتے ہیں مستی سے گل برسرِ گل

تیغِ ابرو سے تری جو نہیں زخمی پیارے ۔۔۔ بلبلیں کرتی ہیں کس واسطہ غل برسرِ گل

غنچۂ گل سے نہ بولے کوئی ہرگز بلبل ۔۔۔ غنچۂ لب تیرے جو لب جائیں یہ کھل برسرِ گل

وہ فراسو ابھی گلشن میں کرے چاک جگر ۔۔۔ کھول دیں ہم یہ اگر ہاتھ کے گل برسرِ گل

وہ لحظہ یاد مہر نگار میں نالہ کھینچتا اور کہتا۔

## غزل

بہ شدت ہے اب بے قراری ہمیں ۔۔۔ ستانے لگی تیری یاری ہمیں

ترے ہجر میں حیف جیتے رہے ۔۔۔ رہی عمر بھر شرمساری ہمیں

رہی جیوں ستارہ کھلے شب کو چشم ۔۔۔ قیامت رہی انتظاری ہمیں

زبس ہجر گل رو میں شبنم نمط ۔۔۔ رہی ساری شب اشکباری ہمیں

فراسو وفا ترک کیونکر کروں ۔۔۔ لگے ہے ادا اس کی پیاری ہمیں

وہ جانستان کہ علیحدہ مکان میں مقید تھی سبب اسیریٔ ماہ رو اپنے تئیں غم میں ہلاک کرتی اور کہتی۔

## غزل

الٰہی یہ دنیا سے اُڑ جائے عشق    نہ ہووے کسی دل کو سودائے عشق
برا حال ہے شوخ ترسا بغیر    کسی کو یہاں تک نہ ترسائے عشق

گاہے سرِ رو کو ناخن بیتابی سے چاک کر کے کہتی۔

## غزل

غمِ جدائی سے یاں تک تو ناتوانی ہے    حباب کا بھی جگر دیکھ جس کو پانی ہے
ہمارے دیدۂ ترپر نہ اس قدر تو ہنس    یہ تیرے ہجر کی اے مہرباں نشانی ہے
تری جدائی میں کیا درد و غم کہوں اپنا    کہ صاف مرگ ہے اور نام زندگانی ہے

وگاہے خونبار اشک چشمہ چشم سے جاری کر کے یہ غزل پڑھتی۔

## غزل

ہمارے دیدۂ تر اشک برساتے تو کیا ہوتا    سما کے دل میں نالہ بھی سما جاتے تو کیا ہوتا
ہمارے گھر کسی دن رات کو آتے تو کیا ہوتا    اسی جا صبح تک آرام فرماتے تو کیا ہوتا
مجھے بیٹھے بٹھائے آپ نے یہ غم دیا ناحق    خفا ہو پاس سے میرے نہ اُٹھ جاتے تو کیا ہوتا
تمہارے ہجر میں جینے سے اپنے تنگ آئے ہیں    نہ میرے جی کو تم اس طرح ترساتے تو کیا ہوتا
ہمارے گھر کیا تم نے گزر ہرگز نہ اک دم بھی    بھلا اس غم سے ہم جیسے گزر جاتے تو کیا ہوتا
عبث رسوا ہوئے عالم میں کر کے آہ وزاری ہم    فراموش اپنے دل کو آپ سمجھاتے تو کیا ہوتا

## آنا گیتی آراء کا پاس جانستان کے درہا کرنا شاہزادہ یوسف جمال کا زنداں سے درخصت ہونا ماہ رو کا جانستان و گیتی آراء سے واسطہ طلب مطلوب کے و پہنچنا اس کا ایک مکان دل کشا اور مرغوب میں

ظاہر کشائش ہر مقدہ کی وقت کے ہاتھ ہے وشگفتگی غنچہ وابستگی نسیم سحری کے ساتھ ہے فتح الباب خزینہ آرزو بے کلید امداد میسر نہ ہو و گوہر مقصود بے یاوری غواص بحر امید سے باہر نہ ہو نوازش قانون تمنا کو دستیاری مطرب درکار و سرہنگی رباب مدعا کو یاوری مضراب سزاوار جو وقت کار پہنچے اعانت نسیم عنایت سے ہزار غنچۂ مقبوض کھلے۔

شاہد مقال یہ ہے جانستان و شاہزادہ خستہ جان زندان جانگسل میں مقید تھے القصہ گیتی آراء پری سابق الذکر کہ جس نے دل اپنا جانستان کی محبت میں جلایا تھا و شعلہ آتش جنون دل شاہزادہ میں اس نے بھڑکایا تھا بمجرد استماع خبر حال سراسیمہ وار قریب جانستان پہنچی و حقیقت اس سے پوچھی جانستان نے نقاب چہرہ راز سے اٹھا بے تمام احوال سے آگاہی دی اور کہا اے ہمدم تیری غم خواری سے امید رکھتی ہوں کہ از راہِ کرم آج پاس اس دور افتادہ کے پہنچوں و شامِ انتظار کو صبح خیر دیدار سے اس کے منور کروں گیتی آراء نے تسلی خاطر اس بے قرار کے کر کے اقبال امر کیا جو نزد باز قدرت نے تخت فلک لاجورد کو سیمیں مہرہ ہائے انجم سے آراستہ کیا پاس شب گزری میان زندان کٹی اور دیکھا کہ جوان سر حلقۂ یوسف جمالاں پا بہ زنجیرِ و اشکِ چشم سے مانند رودِ نیل رواں گیتی آراء نے پوچھا کہ نام تیرا کیا ہے اور گرفتار زنداں کیوں ہوا ہے شہزادہ نے شعلہ آہ دل پرسوز سے کھینچ کر یہ غزل پڑھی:

### غزل

کیا ہے جب سے مجھے اس نے مبتلائے فراق ‏ ‏ برنگِ نے مرے لب پہ ہے ہائے ہائے فراق

ہماری جان اب آنکھوں میں آ کے ٹھہری ہے ‏ ‏ خدا ہی جانے کہ اب آگے کیا دکھائے فراق

| | |
|---|---|
| نہیں قرار کسی طرح سے مرے دل کوں | جو مرگ ہو تو ہے بہتر مجھے بجائے فراق |
| ہماری آنکھوں سے تھمتا نہیں ہے اک دم اشک | یہ متصل ہے کہ طوفان کچھ اُٹھائے فراق |
| ہمیشہ وصل سے ہو یست گرمیٔ عاشق | خدا کرے کہ کسی کو نہ منہ دکھائے فراق |
| برنگِ گل کے گریبان چاک ہے اپنا | مگر ہے بادِ خزاں سے بہم ہوائے فراق |
| غم و الم نہیں سہہ سکتا یہ دلِ کم بخت | ہمیں تو وصل ہی بہتر ہے اب بجائے فراق |
| نہ دن کو چین ہے مجھکو نہ رات کو ہے نیند | تمہارے درد و الم سے بہت اُٹھائے فراق |
| نہیں ہے وصل تو قسمت میں خوب سمجھے تم | کیا ہے خلق میں پیدا ہمیں برائے فراق |
| ازل سے ہم تو گرفتار دامِ ہجراں ہیں | نظر نہ آیا ہمیں یاں تو کچھ سوائے فراق |
| ہمارے وہ دلِ مضطر سے بسکہ غافل ہے | جو جان جائے ہے تو بھی نہ جان جائے فراق |
| کیا ہے جیسا فراسو کو ناتواں ایسے | نہ ایسا دکھ تو کسی کو بھی اب دکھائے فراق |

داستان میری اے آتش افروز وافسانہ میرا ہے جگر سوز اگر چہ مانند یوسف بے تقصیر ہوں مگر حور زلیخائے فلک سے زنداں میں اسیر ہوں گیتی آراء نے کہا نام تیرا کیا وحال اپنا مفصل بتا کہ تیری پریشان حالی سے مجھکو اضطراب ہے وتیرے بےقراری خاطر سے دل میرا بیتاب شہزادہ نے زبان کھول کر تمام حال سے اس کو مطلع کیا پری نے بجر داصغائے ماجرا ہے شاہزادہ کو پہچانا اور اس سے کہا کہ اے خانہ خراب یہ تمام سیلابِ بلا اور گردِ فساد اٹھایا ہوا میرا یہ رنگی فتنہ سراپا کدورت مرات کار پر ہٹایا ہوا میرا میں نے تجھکو اس محبت اور مشقت میں ڈالا اور مانند مجنوں آوارہ دشت جنوں میں نکالا اس سا یر زنداں کدہ عشق نے بجر داصغائے مقال حیرت تمثال کہا کہ اے آئنہ رخسار کیا کہتی ہے میں نے اصلا خیال تیرا عالمِ خواب میں نہیں دیکھا یہ رنج ومحنت تیرے سبب سے کس طرح میرے نصیب ہو گیتی آراء نے کہا ایک شب فضائے ہوا میں تخت پر سوار ہمراہ اپنی ہمزادوں کے ہرسمت سیر مہتاب کرتی تھی ناگاہ گز میرا تیری خوابگاہ پر ہوا و معائنہ تیرے مجال آہنہ تمثال سے بے خود ہوئی و باہم مشورت کی کہ اس محضر جہاں

تاب کے ثانی دوسرا نہیں اور کوئی خورشید طلعت اس کے جمال سے ہمسر نہیں جہاں آراء نے کہ ندیم خاص میری ہے بولی کہ فلانے شہر میں دختر بادشاہ کی ہے کہ مثال میں کوئی متصور نہ ہوا دیدۂ انجم نے مانند اس کے ماہ منور نہیں دیکھا اگر دونوں باہم مقابل ہوں تفاوت طرفین کا معلوم کریں کہ یہ اس سے بہتر ہو یا وہ اس برتر رہا ہے ہمکناں اس پر قرار پائی الغرض پلنگ تیرا وہیں سے اٹھا کے اس ماہ جبیں کی منزل میں اتارا اور سرگزشت فریفتگی یکدگر و تبدیل انگشتری و چادر برائے العین مشاہدہ کے جو نرگس معمور تیری مستِ بادۂ خواب ہوئی اس خسرو ملک حسن کو خوابِ شیریں میں چھوڑ کے تجھ کو تیرے باغ جنت نشان میں پہنچایا آگے زیادہ تیرے ماجرا سے خبر نہیں ماہ رو نے بہ اصغائے سخن متوجہ ہر کر کہا تجھکوں اس آتش بھڑکانے سے کیا حاصل ہوا اور اس فتنہ اٹھانے سے کیا متواصل کس واسطہ مجھ کو کوہ و صحرا میں آوارہ کیا و داغ میرے عشق کا اس لالہ عذار کے سینہ پہ دیا اب کس طرح اس دامِ بلا سے رہائی ملے و کیونکر اس داستان کے وصل سے غنچہ دل میرا کھلے گیتی آراء نے کہا اے سرمایہ جان و دل میرا فدائی تیرے ہر بار موئے مشک ختن کے وردح رواں بلاگردان تیرے شیریں سخن کے خاطر جمع رکھ کہ شتاب تجھ کو اس قید بلا سے نکال کے اس ماہ کے مکان میں کہ منزل مقصود تیرا ہے پہنچا دوں فی الحال گیت آراء پیش جانستان آئی و احوال سے شاہزادہ کے اطلاع دی خاطر جانفشانی بدریافت معنی برنگ کل کھلے اور گیتی آرا سے بولی اے محرمِ راز و اے ہمدمِ دم ساز علاج اس کار کا اس طرح پر رکھا اور وا کرنا اس عقدہ کا کون سے ناخن فکر سے کھولنا سمجھا۔

## تصویر گیتی آراء و بردئے لال پری مادرِ جانستان

گیتی آراء نے کہ دیکھ شمع تدبیر کس طرح روشن کرتی ہوں اور بزم مقصود کو اس کے نور سے کس رنگ میں منور و مزین ہوتے ہی گیتی آراء جانستان سے رخصت ہو کے لال پری کی خدمت میں آئی و سخنان حرب شیریں سے دل اس کا ہاتھ میں لائی اور عرض کیا اے مادرِ مہربان حیف کہ بایں دانائی ایک بے گناہ دامِ بلا میں اسیر کرے اور بے تحقیق سر بے کے پر بے جا تیشۂ ستم دھرے اول خیال فرما مزا وحشت

جانستان تیرے سر میں تھا اور وہ باقبال آں معنی سر فرو کر کے اکثر اوقات تجھکو کہتی کہ جس کو دل خواہش کرے جفت اپنا کروں والاّ آزادگی میں طاق رہوں اب کہ آپ گرفتارِ دام محبت ہوئی بہ صعوبت اس پر روا رکھنا اور نااندیشہ اسیر کرنا آئینِ مصلحت سے بعید قطع نظر وہ بے چارہ جوان آپ مرتکب اس امر کا نہیں ہوا و ناگرفت گرفتار بلا کیا کون سے گناہ سے اس کو زندان میں مقید کیا اور بار زنجیر گرانبار اس گنج حسن ناز کے پانوں میں دیا فی الحقیقت وبال اس بے پر وبال کا میری گردن پر ہے کہ یہ روز سیاہ اس کو دکھایا میں نے اور آوارہ خانماں سے کیا میں نے لال پری نے باصغائے سخنِ متحیر انہ کہا اس مجمل کو مفصل ظاہر کرتا کہ آئنہ دل زنگِ حیرت سے روشن ہو اور گیتی آراء نے تمام کیفیتِ حال ماضی وحال سے اس کو آگاہ کر کے کہا اب امید تمہارے اشفاق ولطف سے یہ کیا ہے کہ اس پابند زنجیر بلا کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں لال پری نے خوش تقریریٔ گیتی آرا سے محظوظ ہو کے کلید فتح الباب زنداں تفویض اس کے کیا اور کہا کہ میں نے تجھ کو اس امر کا مختار کیا گیتی آراء نے فوراً بندی خانہ میں یا کے اس یوسف کنعان غم وزلیخائے کشور الم کے ساتھ جو جانستان عنایت گیتی آرا سے بدولت وصال شاہزادہ کامراں ہوئی شکر نعمت غیر مترقبہ باتفاق زر و گوہر سے محتاجوں کے بے احتیاج کیا و بزم رنگیں اشک افزائے جنت بریں آراستہ کر کے بادۂ مینا سے ساغر بلوریں بھرا و رواق رنگیں سے نشہ رسا دماغوں میں پہنچایا و شب و روز بہ دیدار ماہ رو پری تمثال اور گفتار گیتی آراء زیبا مقال سے ایام عیش بسر کرنے لگی شہزادہ محو رضا جوئی جانستان ہو کے سر مو تجاوز نہ کرتا القصہ ایک روز مطلع آسمان ابر رنگا رنگ سے خوشنما و مستانہ غلطانی موج دریا بے اختیار دامن کش قلوب سیر و تماشا ہوئے میلِ سواری کشتی خاطر عشاق میں گزرا آخر کار سوار سفینۂ پر ہو کے مائل نظارہ کیفیت آب و ہوئے و ساقیان ناخدا ترس گل اندام کو حکم ہوا کہ ناخدائے کشت صہبائے مردق ہو کے زورق تمنا کو گرداب بند سے نکالیں اور مے گلگلوں برنگِ سرخی پان گلوئے نازک بدناں کروں شیشہ سے نمودار ہے نوشانوش سے کیفیت عجب آنکھوں میں ڈالیں ومغنیان خوش نوا نے نشید نغمہ تازہ سامعوں کو سنائے وارواح حاضروں نے ہبوب ریاح سے ذائقہ وافر اٹھا ہے دباصرہ ناظروں نے معائنہ شرابِ آب سے طرواتِ متکاثرہ پائی شعلہ آواز نغمہ سرا سے سینۂ ماہی بغایت تب وتاب کباب اور تاثیر ملائمت خینا گراں سے موج زنجیر بند پائی آب آبرویانِ سحاب مانند دیدۂ پر آب بیدلاں ترشح آغاز کیا۔

## تصویر دریا و میان کشتی بار قص و تماشائے چراغاں وشکل پریزاداں و جانستان و گیتی آراء و بیتابی کردن ماہ رو

اس وقت عین بارش میں عجب کیفیت وسماں روئے آب پر نظر یعنی اس آب از سر گزشتہ دریا ہے اضطرار نے قطرہ قطرہ اشک آبدار عمامِ چشم سے خاک پر گرایا اور بے اختیار ہو کے سیلاب طوفان زار دیدہ دریا بار سے بہایا جو برقِ جنوں سے آتش بے قراری دامن خاطر پر شعلہ زن ہوئی چاہا بے طاقتی سے اپنے تئیں دریا میں ڈالے اور سوزش سینہ جان سے نکالے جانستان و گیتی آراء بمعائنہ حال غریب گردابِ حیرت میں گئیں دوست دل از دست رفتہ کا پکڑا اور کہا اے درخشندہ گوہر بحر زیبائی مانند صدف دل تنگ نہ ہو بسان موج خاطر شکستہ نہ کر کہ شرط فضل ایزدی شتاب تیری کشتی مقصود کو ورطۂ ناامیدی سے کنارۂ مطلب پر لگاوے اس آشنائے دریائے اضطراب نے برنگ صدف سینہ چاک کر کے لولوئے آبدار چشم خوں فشار سے، جاری کیے وسیلاب دیدہ اس کا دمبدم طوفان خیز ہوا جوابرِ ہوا سے پارہ پارہ ہوا گیتی آرا و جانستان اس دیوانہ وش کو ہمراہ لے کے باغ میں آئیں اور اب کلمات تسلی آمیز سے اس کی آتش جنوں بجھائی شاہزادہ نے کہا اب میرے دل بے قرار کو قرار نہیں خاک راہ جاناں صندل صداع سر جان کا کروں وغبار کوچۂ دلستاں مانند کحل الجواہر آنکھوں میں بھروں گیتی آراء نے کہا اے خسرو حسن و جمال محنت و ملال اپنی جان پر روا نہ رکھ صبر فرما کہ جہاں آراء سے نشان کشور تیرے دلبر کا کماینبغی دریافت کر کے تجھ کو اس جا پہنچا دیں شاہزادہ نے سخنانِ گیتی آرا کو محمل بغرض تصور کر کے اندیشہ کیا مبادا جانستان کی خاطر پر گزرا ہو کہ مجھ کو ہمیشہ اسیرِ دام بلا رکھے پس بہتر ہے کہ ہاتھ سے افسوس کر کے نقد خلاصی ہاتھ آوے آخر کار نظر بہ فضل ہادیٔ مختار اور رہبری عشق مجازی پر رکھ کے جادۂ وصال میں مستعد گرم پائی اور کہا کہ اے گیتی آراء مذہبِ مروت میں روا نہیں کہ بوسیلہ راحت داغ رسوائی لالہ عذار کے دامن پر لگاؤں فی الجملہ عشق دزد دوست کب اقتضا کرتا ہے کہ اور کی دستیاری سے وہاں پہنچوں اور غیر کی یاوری سے اس

کے ملک میں وارد ہوں راہ تلاش محبوب میں ہر نوک خار رگ گل ومحنت وادیٔ محبت میں غم براحت مبدل بہتر ہے کہ سورۂ اخلاص پڑھ کے ہمراہ بدرقہ با دلدار راہی ہوں اور بوالعجبی ہائے روزگار مشاہدہ کروں گیتی آرا نے جانا کہ یہ طائر بلند پرواز اوج دانا ہی کسی طریق دام میں نہیں آتا اور آہوئے وحشی رام نہیں ہوتا ناچار راضی اس کی رضا سے ہو کے انگشتری گیتی آرا نے ماہ روکو دے کے کہا کہ اے راحت جانم اس خاتم کو با حتیاط نگاہ رکھنا اگر حاجت میری طلب کی ہوا سے آتش دکھانا فوراً بہ ظہور عمل پاس تیرے حاضر ہے کے تیری مشکل کو آسان کروں کی ماہ رو نے اس انگشتری زیب انگشت اپنی کر کے نگین دل کو نقش محبت سے مزین کیا اور عزم سفر فرمایا جانستان نے جانے سے اس آرام جان کے بے قرارانہ یہ شعر پُرسوز ادا کیا۔

## غزل

تیرے بن چین مجھے یار نہیں ہونے کا　　نہیں ہونے کا یہ زنہار نہیں ہونے کا
شوق سے جور وستم کیجے فراسو پر آپ　　اس کا دل آپ سے بیزار نہیں ہونے کا

اور کہا اے سرمایۂ شادمانی مجھ کو تاب حضوری کہاں اور اے باعث زندگانی فراق میں صبوری کہاں شہزادہ نے کہا دلخستہ نہ ہو شکستگی فراق مومیائی وصال سے درست ہوا اور تیرے دل مجنوں کیش کو قید زنجیر جدائی سے شتاب رہائی دوں بعد حصول مدعا جلد تجھ سے ملوں تیرے خاطر بار مہاجرت سر پر اٹھاتی ہوں اور چار و ناچار سم ہلاہلِ فراق کھاتی ہوں ولیکن نظر لطف بے چشم یہ ہے جس وقت شاہد مدعا کو آغوش میں لاوے مجھ کو دل سے نہ بھلاوے جانستان گیتی آرا نے قطرآب اشک مانند شبنم رخ ئے گلرنگ پر آشکار کر کے رخصت کیا و پریزادان کو بہ تاکید فرمایا کہ اس شاہ کشور جنوں کو سریر ہوادار پر سوار کر کے اور وادیٔ ہولناک سے نکال کے سمت شہر نقش جہاں پہنچا آؤ اور مژدہ خبر اس کا لاؤ۔

تصویر ماہ رو بالائی تخت برسرِ دیوان

شاہزادہ نے مانند سلیماں تخت پر یزادوں پر بیٹھ کے راہ آسماں کی لی و عجائب عالم بالا سیر کرتا بعد عرصۂ یکدو پاس مسافت دراز طے کر کے مقام نزہت گاہ میں پہنچا کہ اس جا ہر طرف گل ہائے ایواں کھلے د دوائے مرغان خوش الحان دل فریب مستامعوں کے گوش میں پہنچی حسرت رنگینی گل ارغواں سے چہرہ خوبان گلرو غرق عرق و غریب آب و تاب گل زنبق سے آفتاب درمیان آتش شفق فلک نیلوفری سے مثل انجم قطراتِ عرق غرق جبیں پر لاتا اور کواکب سپہر خجالت نسرین و نسترن سے آب ہوتا سحر۔

## غزل

شجر اس باغ کے ہر جا پر اثمار کریں تعظیم جھک خلقت کی موبار
کھڑی بوٹی گلوں کی پر نزاکت چمن کی تک رہی ہے باہم لطافت
صبا غنچہ کھلاتی واں جب آتی دعائیں مانگ ہاتھوں کو اُٹھاتی
الٰہی غنچۂ امید با کشا گل از روضۂ جاوید ...... ...... ......
وہ رنگیں سرور اس کا بوستاں تھا کہ ہر تختی کتابِ گلستاں تھا
نہ تھا سبزہ وہاں دل کش مسلسل نہیں ...... ...... بہارِ دانش اے دل

بمجرد نظارہ گلستان فردوس نشان خورم و فرخ ناک ہوا اور اس حور سرشتوں سے کہا تم یہاں سے راہ اپنی لو اور مجھکو ں اا اس جگہ پر چھوڑ و شہزادہ اس گلستان میں تخت سے اتر کے سیر گلستان سے دل کو سیراب کیا اور ان پریزادوں نے بال پرواز باز کر کے راہ اپنی آشیاں جنت نشان کا لیا۔

## گزر کرنا اس گلدستہ بند سودا کا باغِ فرحت افزا میں و دو چار ہونا ماہ جبیں حور لقا سے و مارنا عفریت نافرجام کا

گلچینِ چمن زار سخن گل ہائے مدعا کو اس رنگ سے دامنِ بیاں میں پُر کرتا ہے جو شاہزادہ نے چند روز سے مکانِ نزہت آگیں میں کیفیت اٹھائی و مصقلہ ہوائے دل کشائی باغ سے رنگ کلفت آئنہ دل سے مٹائی روز ے چار و نا چار خیال دل دار میں وہاں سے پیشتر راہی ہوا و ہامون جبال دریا طے کرتا چلا جو صوفی زریں لباس خورشید عزلت کدہ مغرب مین کی و نیز فلک بسبحہ گردانی انجم مشغول ہوا ماہ رو نے تنہا کنج دشت میں بیٹھ کے بہ تسبیح گردانی گوہریں اشک یاد یار میں تمام رات بسر کی جو رہ نور مہر نے پائی مرحلہ پیمائی خضر اس پہر پر چل کے سحر کی ماہ رو برہنمائی ہادی عشق و ہمراہ بدرقہ کارواں بہ نالہ و فغاں راہی ہوا کبھی با ضطراب قاصد آہ کو ہنامہ لخت جگر جہت خبر دلبر رواں کرتا۔

فرد

غم میرا سے جا کہے ایسا کوئی کرے　　کیونکر جیئے تمہارے بن اور کوئی کیا کرے

گاہے صعب ماندگی راہ سے صحرا میں بیٹھ کے کہتا۔ رباعی:

## غزل

چاہت نے کیا فراسو اس کی یہ حال　　عقبیٰ کا نہ غم رہا نہ دنیا کا خیال
خواب و خرد و ہوش ہوئے سب رخصت　　ہے جانِ حزیں پہ زندگانی ہے وبال

اور بے طاقتی سے دمبدم دم کھینچتا اور اس کے خیال میں پڑھتا۔

## غزل

چھوڑا نہ ناتوانی نے کچھ میرے تن کے بیچ — ہے دم ہی دم حباب نمط پیرہن کے بیچ

مرجاؤں انتظار میں اس کے تو دوستو — میری وصیت آئے تری انجمن کے بیچ

تصویر میری یار کے کاغذ پہ کھینچ کے — رکھ دیجیو تسلی کو میرے کفن کے بیچ

لپٹے ہو شب فرآسو کسی گلبدن سے تم — آتی ہے بوئے گل جو تمہارے بدن کے بیچ

جوحرارت آفتاب سے اور ناپیدائی درخت سایہ دار سے وہ اسیر دام بلا تفتہ جگر افتاں وخیزاں ایسے دشت میں پہنچا کہ اس جا جا بجا خارِ مغیلاں دامن گیر نہ دست قدرت کہ اس تب وتاب میں ایکدم آرام پاوے نہ پائے طاقت کہ اس دشتِ خار پا گزار سے گزر کے آگے جاوے لاچار غایت بےقراری سے اور گریہ وزاری سے بےاختیار ناشکیبانہ فرمایا وزبان پر لایا:

## غزل

کرو گر دید سینہ پر مرے زخمِ نمایاں کی — نہ حسرت پھر رہے ہرگز تمہیں سیر گلستاں کی

بہار آ دیکھ میرے لختِ دل اور چشمِ گریاں کی — جو ہو منظور نخلِ گل کی سیر اور ابرِ باراں کی

سدا کرتی رہو ہو سیر اپنی زلفِ پیچاں کی — نہیں ہے فکر کچھ تم کو مرے حالِ پریشاں کی

ہمیشہ سیر اپنے دامنِ گلگوں کی کرتی ہو — کبھی پوچھی نہ کیفیت مرے چاکِ گریباں کی

رہے ہے محوِ دیدہ عارضِ خوباں یہ روز و شب — حقیقت مثلِ آئنہ کہوں کیا چشمِ حیراں کی

جو اپنی جان سے جانا دلا منظور ہو تجھکو — تبھی دیجو تو اپنے منہ سے رخصت شوخِ جاناں کی

غمِ دوری سے تیری جان اس کے لب پہ آئی ہے — خبر لے لے تو اے لیلیٰ کبھی قیسِ بیاباں کی

تمہاری یاد میں شام و سحر رہتا ہے وہ مضطر — فرآسو کو خبر ہرگز نہیں اپنے دل و جاں کی

کبھی فلک ستمگر سے کہتا کہ اے سپہر جفا کار برائے خدا میرے حال زار پر رحم فرما و اس دل بے قرار کی جراحت پر مرہم لگا کہ دل ہوائے وصلِ جاناں میں دیا و طلب مطلوب میں قدم سر کا بنایا غرض کہ اس کے نالۂ جان خراش سے دل سخت خارا مثال موم نرم ہوتا تھا اور اس کے مشاہدہ حال بے قرار سے دشمن بہ فرط ترحم خون آنکھوں سے روتا اس کا تیر آہ شعلہ پیکاں سے سینہ چرخ ہدف وار اور سیل طوفان گریہ سے بنیادِ کرۂ زمیں کو پانی ڈبوتا اور بے اختیار رو رو کے کہتا:

## غزل

| | |
|---|---|
| ہمارے دیدۂ تر سے خجل ابر بہاری ہے | دلِ پر داغ کو دیکھوں گلِ لالہ کی کیاری ہے |
| فغاں ہے گریہ ہے اور درد و غم سے بے قراری ہے | ترے بن دلبرِ میخوار یہ خواری ہماری ہے |
| محبت کی عبث ہم نے دلا بیمار چشموں سے | نہ پرسش نہ عیادت نہ کبھی تیمار داری ہے |
| اجی اک دل تو کیا ہے خیر لیجے نذر کرتا ہوں | میں راضی جی تلک ہوں گر یہی مرضی ہماری ہے |
| گزارہ جو نہیں پیغام بر کا اس کے کوچے میں | رواں ہے لب سے نالہ چشم تر سے اشک جاری ہے |
| فراسو داغِ دل رہتا ہے تازہ مثلِ گل اپنا | دمِ سرد اپنا ہے یاری کہ یہ بادِ بہاری ہے |

شدت حرارت آفتاب سے تن اس کا مانندِ کباب جلا اور یہ تیز گامی پائیں کو وہ بحالت تباہ پناہ لی و سپاس بے قیاس چارہ ساز کا ادا کیا جو حدت سوز نے کمی کی وہاں سے چل کے دشتِ پر خار سے گزر کے ایک مکان میں پہنچا سبحان اللہ وہ پائے نازنیں اگر فرش گل پر رکھتا بغایت ناز کے رگِ گل کو خار جانتا افتاں وخیزاں جاتا تھا و حالت بیخودی میں حیران اور پریشان رو کر کہتا تھا۔

فرد

ان دنوں ہم نے جنوں کی وہ طرح ٹھانی ہے روح مجنوں بھی جسے دیکھ کے دیوانی ہے

اور گاہے غمِ تنہائی سے یہ رباعی پڑھتا۔

## رباعی

جو ہم پہ گزرتی ہے صنم کیا جانے　　یہ درد و الم اور یہ غم کیا جانے
کب ہم سے بہم ہوگا صنم کیا جانے　　تقدیر میں جو لکھا ہے ہم کیا جانے

بعد قطع راہ بسیار وہاں سے گزر کے گلزار زمین رشک فرخار پر پہنچا کہ لطافت لالہ زار داغ رشک سینۂ مینو پر دیتے و گلشن سرائے زیاں نے ہم رنگ اس کے کوئی ریاض روئے زمیں پر نہ بنایا و نیر فلک کو باوجود ہزار دیدۂ انجم ایسا بوستان شگفتہ و خنداں گلستان جہاں میں سیراب و درختاں نظر نہ آیا گلہائے رنگیں برنگ عذار خوباں شاداب و سنبل مسلسل مثالِ زلفِ محبوباں پر پیچ و تاب نسیم دل کشا روہے آبشار پر مانند مدہوشاں مستانہ وار رواں و سرشمشاد کنار جوئبار پر برنگ رعنا جوانانِ کشید و قامت چماں چماں تختہ گلزار گلہائے الواں سے نظر فریب تماشائیاں و عکس گل ارغواں سے رنگ آتش آب جوئبار میں فروزاں رنگینی لالہ سے پردہ دیدہ تماشائیاں گلناری و جوش لہک سے بادِ نسیم زمرد باری۔

## صفت گلشن

وہ کنجانِ اشجار طوبیٰ لقا　　وہ گہر آسا سایہ وہ ٹھنڈی ہوا

درمیان اس گلگشت کے ایک نشیمن دیکھا دل کشا دیکھے سے دلِ زاہدانِ تقویٰ طلبگار طالب معاشرت و خاطر غمناکاں مائل نشاط و عشرت سقف رنگیں اس کے برنگِ عارض گل رخاں نظر فریب نظارگیاں و محراب در مثال طاق ابروئے مہوشاں دلآویز تماشائیاں۔

## اشعار در صفتِ مکان

میانِ باغ تھا رنگیں مکاں ایک　　مکاں کیا کہ تھا گلستاں ایک
عجب دلچسپ وہ بارہ دری تھی　　جو چھجا اُس کا تھا بالِ پری تھی
اب چشمہ طرح یہ اس کی دیکھی　　کہ جوں کوثر پہ ہو قصرِ بہشتی

اس مکان دل کش میں پلنگ منقش بچھا اور اس پر ایک نازنین سہی بالا خواب میں مدہوش نگاہ اس کی آہوانِ دشتِ ختن سے بزور خوش چشمی باج خواہ غزالانِ مرغزار خوبی خدنگِ نظر صید چشم اس کی بادہ عشق و ناز سے مخمور پستہ دہاں بہ پُرب بیانی پشم بددور لبِ میگوں رشک دو برگ گل و مشاہدہ آب دنداں سے انتظام ملک گہر لا تزلزل ۔ سراپا مہ جبیں :

## سراپا مہ جبیں

غنچہ سا منہ تھا اور گال پری　　اور مہندی سے ہاتھ لال پری
قد و قامت غضب ادا کافر　　گات بھی چاند سے کمال پری
تیوری قہر اور چتون زہر　　وضع دیوانی اور جمال پری
زلف بل دار اور چوٹی مار　　اور دھواں دھار بال خال پری
دیکھنا جی سے مار ہی ڈالے　　اُف ٹھٹک رہنا اور چال پری
جالی کی کرتی جال ہے دل کا　　قہر پاجامہ اور شال پری
کیوں نہ ہووے فراسو دیوانہ　　کہ صدا پر ہو بول چال پری

چپ و راست اس گلعذار کے دو شاخ گل رکھیں اور وہ شوق طناز خواب ناز میں بے ہوش تھی ۔

## تصویر باغ و مکان و درمیاں مکان پلنگ و بالائے پلنگ نازنین خفتہ و در ہر دو پہلوے نازنین دو شاخ گل سفید و سرخ و شاہزادہ برسر ایستادہ

شاہزادہ نے جہت دریافت واحوال دونوں شاخ گل و بہ تبدیل یمین و یسار کیا فوراً وہ گل شگفت باغ بہار بیدار ہوئی و نظارہ بہار حسن شاہزادہ سے دیوارہ وار ہو کے پوچھا کہ اے عزیز مصر دلہا تو یوسف کنعاں کا ہے وائے شمعٔ فانوس جانہایا فروغ کسی شبستان کا زلیخائے فلک نے تجھ پر کیا ستم کیا کہ اس زنداں کدۂ بلا میں پہنچا وائے تازہ بہار باغ حسن برنگ گل خزاں رسیدہ کس واسطہ رنگ شکستہ ہے وائے چمن آرائے جمال تیرے لالہ عارض پر داغ غم کس کا ہے شاہزادہ بایں ترانہ حال اپنا سامنے اس پری چہرہ کے بیان کیا۔

## غزل

آ پڑا جس سے ہمیں شوخ دلارام سے کام
صبر سے کام نہ کچھ ہم کو نہ آرام سے کام

دین و دنیا سے غرض کر دیا ناکارا ہمیں
ہوگیا جب سے ہمارا بُتِ خود کام سے کام

زلف و عارض کا ترے دید سدا کرتے ہیں
نہ ہمیں کفر سے کچھ کام نہ اسلام سے کام

جب سے اے غیرتِ مہتاب تجھے دیکھا ہے
ٹکٹکی کو ہے سدا تیرے لبِ بام سے کام

تیری آنکھوں کا تصور ہے فراسو کو سدا
کام نرگس سے نہ کچھ نہ گلِ بادام سے کام

احوال پر ملال میرا دور دراز وافسانہ میری سرگزشت کا پرسوز وگداز اول تو بیان کر کہ اس صحرائے جاں گسل میں گزار تیرا کس طریق سے ہوا وائے خانہ برانداز جہاں تجھکو خان ومان آوارہ کس نے کیا اس آئینہ تمثال نے گوہر آبدار اشک نثار حسن شاہزادہ کے کر کے کہا اے حیرت زدہ کوئے دیوانگی وائے نا آشنا ہے بحر فرزانگی مادر پری رخ نے نام میرا ماہ جبین رکھا و پدر میرا بہرام شاہ ولایت نو آباد کا تھا

یہ سریر حکم اس والا شکوہ کا سائرِ حکام جہاں کے دوش پر اور فرمانروائی اے کی جمیع فرماں روایان کو منظور نظر ناگاہ ایک عفریت قوی ہیکل کہ اس کی ہیبت سے زہرہ شیر فلک کا آب ہوتا ہے اور اس کے بار اندام نکبتِ التیام سے پشت گاو زمین کے خم ناگاہ ہماری ولایت میں در آیا اور آہستہ آہستہ تمام خلق کو لقمۂ حلق فرمایا رفتہ رفتہ شبستان بادشاہی میں پہنچ کے شمع زندگانی شہر یار و مادر مہربان کے اجیک نفس میں خاموش کے من بعد مجھ سوختہ بخت تیرہ روزگار کو اس صحرا جان گزار میں لایا اور اس باغ میں بٹھایا اور اس شاخ ہائے گل پر افسون خواب بیداری پھونک کے میرے دونوں پہلو کے قریب رکھیں اور میرے گل بہار طرب اور نشاط کو خزاں اندوہ و غم سے پژماں کیا وقت شب وہ تباہ کار سیہ روزگار صحرا سے داخل مکان ہو کے بہ تبدیل شاخ یمین و یسار مجھے بیدار کرتا ہے میں لاچار تمام رات ہم پہلو اس کی بساط صحبت آراستہ کرتی ہوں ورخ اس کے فرمان سے نہ پھیر کر شطرنج کھیلتی ہوں جو شطرنج باز لاجوردیٔ فلک بساط شب کو لپیٹ کے نورانی مہرۂ خورشید سے نیلگوں خانہ سپہر کو زینت دیتا ہے وہ دیو بدستور قدیم بہ تبدیل شاخ بے ہوس کر کے راہ بیاباں لیتا ہے ایک مدت سے اس دام بلا میں گرفتار و ایک عمر سے برنگ لالہ داغ جگر پر گلزار معلوم نہیں اس سوختہ کو کب سے کیا جرم ظہور میں آیا کہ چرخ بے مہر نے یہ روز سیاہ مجھ کو دکھایا اب تو بیان کر کہ بہ پائے تنہائی اس زندانِ جاں گزا میں کس طریق سے آیا اور اپنے ہاتھ سے تیغ الم جگر پر کھایا مگر جان سے سراپا کہ واسطہ سیر اس مکان کے قدم اٹھایا شاہزادہ نے بعد اصغائے ماجرا اس بادام چشم پستہ دہاں کی یاد میں اشک عناب گوں دیدۂ تر سے دامان میں گرائے اور کہا:

## غزل

| | |
|---|---|
| ہمارے مرنے کا کرتے ہیں دوستدار افسوس | دلے نہ اس نے کیا ہائے ایک بار افسوس |
| جو عندلیب ہزار اب کرے ہزار افسوس | تو گوش گل نہ سنے اس کا ایک بار افسوس |
| کبھی نہ دل میں ستمگر پری کے کی تاثیر | یہ بے اثر ہے مری آہ کا شرار افسوس |
| وہاں وہ سوتے ہیں آرام سے پڑے اور یاں | یہ دل ہے سینہ میں از بسکہ بے قرار افسوس |

نہ ایک دن بھی تو ہم نے شہید ناز کے جان　　کیا نہ آن کے ہرگز سرِ مزار افسوس
خزاں سے دوستی کرنے کو چاہتا ہے جی　　کہ ہفتہ دوست ہے یہ موسمِ بہار افسوس
گئے جو دید کو پاس اس کے کل فرآسو ہم　　دیا نہ بزم میں اپنی ہمیں وقار افسوس

شاہزادہ نے تمام سرگزشت سے اپنی اسے مطلع کیا مہ جبین نے کہا اے دیوانہ یہ کیا خام خیال پکایا و دیگ سودا آتش ہوش سے جوش میں لایا جس مکان سے کہ آگاہی نہ ہو کس طور سے وہاں رسائی ہو اور جس جاناں کا کوئی سراغ نہ پاوے کے طرح پاس اس کے جاوے اس ارادۂ مشکل میں ہلاک نہ ہو اور تیشہ اندیشۂ جاں خراش سے مثل فرہاد سر نہ کھو ماہ رو نے کہا کہ مہر میں اس برگ کجکلاہ کے ترک سلطنت کر کے کلاہ گدائی سر پر رکھے اور راہ عشق بازی میں ہاتھ جان سے دھویا حیف جو بھی دست جان اور دامن مقصود چنگ میں نہ لانا رویا اور ارادہ چلنے کا کیا اور کہا:

## غزل

برنگِ حلقۂ در چھوڑیئے نہ خانۂ دوست　　جبین اپنی ہے اور سنگِ آستانۂ دوست
مدام تیر سے مژگان کے ہے مشبک یہ　　ہمارا دل تو ہمیشہ سے ہے نشانۂ دوست
قفس میں حضرتِ صیاد کے رہے اک عمر　　ہمیں جو کھانا تھا قسمت سے آب ودانۂ دوست
ہر ایک مثل زلیخا ہو دید کا مشتاق　　اگر میں بزمِ بتاں میں کہوں فسانۂ دوست
برنگِ زلف اسے روسیہ کریں گے ہم　　ہمارے ہاتھ لگے گا کبھی تو شانۂ دوست

ماہ جبین نے بمعائنہ حال ماہ رو دیوانہ وار آہِ دردناک کھینچ کر کہا۔

## غزل

کیا فائدہ جو آئی چمن میں بہار آپ  ہم اے صبا ہیں گل کے نمط دلفگار آپ
کیونکر نہ میری خاک کو برباد تم کرو  ہے اب سمندِ ناز کے اوپر سوار آپ
کرتے ہیں دامِ زلف میں لاکھوں ہی دل کو بند  بیٹھے ہمیشہ کھیلیں ہیں گھر میں شکار آپ

ہیہات ہیہات تو اپنی راہ مطلب پر قدم قدم ڈالے اور مجھ کو اس بلا سے نہ نکالے چاہتی ہوں کہ چندے اس مکان کو چشم عنایت سے منور کر اور میرے دیدہ نہ دیدہ کو اپنے دیدار سے جلوہ کر دل شاہزادہ اس کی گفتار آتش بار سے بسان کباب سیخ آہ پر جلا دکام ناکام بہ پاس خاطر اس ناامید کے چندے قیام اختیار کیا جو دن آخر ہوا اور وقت دیو کے آنے کا پہنچا ماہ جبین نے کہا مصلحت وقت شاخ بیار کو تعین مبدل کر کے تو جلد شگاف کوہ میں نہاں ہو وہنگام سحر اس خفتہ طالع سیہ روز کو بیدار کیجو ماہ رو حسب ایما مہ جبین شاخِ گل مبدل کر کے دامنِ کوہ میں کہ اس بلند بالا نے نشان دیا تھا مخفی ہوا جو دو سہ ساعت شب گزری وہ دیو زشت دشت سے پھرا ماہ جبین کو آ کے بیدار کیا اور سیب و انار کہ صحرا سے لایا تھا اس کے آگے اس انار پستان اور سیب زنخداں کے رکھے مہ جبین نے اس فواکہ سے قدرے تناول فرمایا کے باقی واسطہ شاہزادہ کے چھپائے دیو کہ دیوانہ جمال اس پری چہرہ کا تھا ہمراہ اس نازنین دلارام کے شطرنج بازی میں مشغول ہوا جو شطرنج بز ماہ نورانی نے مہرہ ہائے نجوم کو فیروزہ بساط آسماں سے اٹھایا دیو نے بساط شطرنج لپیٹ کے اس دولتِ بیدار کو خاوب میں کیا اور آپ طرف بیاباں گیا شاہزادہ خانہ خالی دیکھ کے گوشۂ غار سے پاس اس سرمست صہبائے ناز کے آیا اور خوابِ نوشینِ سحر سے اس کو ہشیار کیا مہ جبین سر بالیں سے اٹھا کے اس شاہزادہ سے ہم داستان ہوئی اور جو کچھ فواکہ مخفی رکھا تھا نذر اس نورس باغ جنوں کے کیا اور کہا اے دانشور عالی فطرت تدبیر کر کہ اس دام سراپا آلام سے نکلیں شاہزادہ نے کہا سوائے اس کے خاطر اندیشہ نہیں کرتے کہ ایسی شعابِ جبال میں کہ طائر خیال کے اس جگہ رسائی نہ ہو ہم دونوں پنہاں ہو کے چند اوقات گزاریں جو دیو بد مال آشفتہ تیرے حسن و جمال کا ہے جس وقت تجھ کو اس مکان میں نہ دیکھے گا

غم سے سر کوہ پر مار کے اپنے شیشہ حیات کو سنگ فنا پر توڑے گا یا طرف ملک آوارگی آوارہ و سرگشتہ ہوگا
لاچار دونوں بلا گرفتار شگافِ کوہ میں جا کے میان برگ وکاہ کے پنہاں ہوئے ہنگام شام دیو نافرجام
دلیش صحرا سے آیا اور اس پری رخسار کا اس مکان پر نشان نہ پایا اور ہر سو متلاشی ہوا کبھی درختانِ صحرا کو بیخ
سے اکھاڑتا اور گاہے مانند رعد شور و فغاں بلند کرتا وہ دونوں گرفتار مصیبت غریو ہیبت ناک دیو کا گوش کر
کے ہوش کھوتے تھے اور میان کوہ دہشت سے لرزاں ہوتے تھے وہ عفریت جانکاہ کبھی مشرق سے طرف
جنوب کے گاہے جنوب سے سمت شمال کے نعرہ مارتا پھرتا تھا جو اسی حالت سے تمام رات گزری اور اس
عفریت نے بہ ہر طرف راہ مقصود دیکھا ناچار غصہ سے سر کوہ پر مارا اور ایک دم میں مرغ جاں نے اس کے
قفس قالب سے پرواز کی وہ سر بسنگ زدگانِ اندوہ تا سہ روز مضیق کوہ میں دن بسر کر کے روز چہارم
جرأت اور کشادہ دلی سے شگافِ کوہ سے نکل کر دیکھا کہ لاشۂ دیو کا مثال کوہ عظیم کے صحرا پر پڑا نہ شمار طول
خرد میں آوے نہ حصر عرض عقل خیال میں سماوے شکر قادر ذوالجلال بجالائے ماہ جبین نے شاہزادہ سے
کہا تمنا رکھتی ہوں کہ ملک خراب میرا سر نو آباد و چندے یہ دل غم سے شاد ہو ماہ رو نے کہا دلخستہ نہ ہو د
تماشائے قدرت دیکھ جلد امکنہ ویرانہ تیرا معمور و دل حرماں مسرور ہو۔

تصویر کشتہ ہونا دیو کا میان باغ و ملاحظہ کرنا مہ جبین نازنین و ماہ رو کا

سخن کوتاہ دونوں اندوہ گرفتار وہاں سے روانہ ہو کے مسافت دور دراز طے کر کے صحرائے لق و
دق میں پہنچے اور عروس شام نے زلف مشکیں ناقہ سے اٹھائی و شاہد ماہ نے بام چرخ پر کی جلوہ نمائی میان
صحرا طرح قیام کے ڈالی و خوف دود دام سے یکدم بہ آرام زباں نہ نکالی ناگاہ بحکم قضا قضائے فلک کو ابر
سیاہ نے لیا و شمع ماہ کو زیر دامان سحاب پنہاں کیا بارش باراں و باد تند ہر طرف سے رواں ہوئی اس دم کشتی
خاطر دونوں آشنا کے تلاطم غم سے طوفان ہوئی نہ اس دشت میں درخت کہ سپر برگ واسطہ پناہ قطرات
باراں کے نہ اس بیاباں میں کوہ کہ اس پناہ تلاطم سیل سے ایمن ہوا افراطِ غم و حزن سے بسان ابر گریہ
کرتے و زمانی غایت درد و الم سے امنند برِ پیچ و تاب کھاتے اور کہتے۔

ناگاہ آسمان سے سنگ بارہ ژالہ گری وسیل آب نے ذوق اندیشہ کو تباہ کیا چار ونا چار روشنی برق میں قرار زیرِ پشتہ کوہ لیا خوف سیل سے رواں ہو کے زیرِ سنگ چھپے وغایت برد سے مانند شاخ بید کانپے صبحدم کہ خورشید انوار طالع ہوا دونوں برگشتہ طالع گرمی آفتاب میں بیٹھے وقدرے شدت سرما سے ہوش میں آئے و پا راہِ مقصود پر رکھا بعد عرصۂ سہ روز شہر میں پہنچے کہ عمارت اس کی غایت رفعت سے سرکوب و فائق خرم احتیاط سے معطل نہ ہوتا القصہ بعد انتظام مہام فرمانروائی کمر عزم چشت باندھ کے آگے مہ جبین کے کیا ونغمہ الوداغ زبان پر لال مہ جبین نے ماہ رو کو مستعد سفر دیکھ کے اشک آنکھوں سے جاری کئے اور کہا۔

## غزل

بہت آسان دل لگانا ہے ایک تھوڑا سا جی کا جانا ہے
جس پری رو پہ دل دوانہ ہے گر وہ جاوے تو کیا بھگانہ ہے
میں جو اشک اپنے آپ بہاتا ہوں یارو اس کا بھی اک بہانہ ہے

یکا یک آہ سوزناک آتش تن سے کھینچ کے و بے قرارانہ ہر طرف دیکھ کے کہا۔
ریختہ:

## غزل

مر گئے پر نہ ہوا رام وہ خود کام اپنا کام اپنا ہوا لیکن نہ ہوا کام اپنا
رام اپنا نہ ہوا وہ بُتِ کافر ہرگز اور ہم مفت میں کھو بیٹھے ہیں آرام اپنا
اور دے جام فرآسو کو ہوس باقی ہے ہاتھ مت تھام تو اے ساقیِ گلفام اپنا

یک بہ یک سر سنگ پر مار کے درپئے ہلاک ہو کے بصد آہ وزاری یہ غزل زبان پر لائے۔

## غزل

کبھی اشکوں کی قطرہ سے نہ دیکھی چشمِ نم خالی — کے جیسے گنجِ گوہر سے صدف ہوتی ہے کم خالی
یہ کیا اب ابرِ غم چھایا دلِ ناشاد پر یارب — کہ رونے سے نہیں رہتی ہے اک پل چشم نم خالی
برنگِ غنچہ دل کو کھول کر تک ہم بھی ہنس لے ویں — کوئی دم بھی اگر چھوڑے یہ تیرا دردِ غم خالی
نہ اُٹھ جاوے بھلا کس طرح تھا ناعقل کا لوگو — کبھی رکھتی نہیں ہے ملکِ دل کو فوجِ غم خالی
ہمیں نہ گریہ سے نہ تم کو بزمِ غیر سے فرصت — بھلا ملنا ہو کس ڈھب سے نہ تم خالی نہ ہم خالی
کسے پرواہ ہے گلزار کی اے غیرتِ گلشن — ترے بن مجھ کو آتا ہے نظر باغِ ارم خالی

شاہزادہ نے حرف تسلی آمیز زبان پر لا کر اس کی خاطر مطمئن کیا۔

### تصویر چلنا شاہزادہ کا و گریہ وزاری کرنی ماہ جبین نازنین کی

اور اسپ تیز گام پر بیٹھ کر مانند نسیم روانہ ہوا عرصہ قلیل میں مسافت بسیار کرتا مثال تیر کمان سے نکل کے بہ سرعت تمام راہ سر کرتا جاتا تھا عین راہ میں گزر اس کا ایک مرغزار پر ہوا کہ سواد و سکا بغایت دل کشا و نظارہ سبزہ بصارت نظر افزا متصل اس کے صحرا کہ سراسر پُر خوف و بیم وہ دشت لق و دق اس کا سوز اس مانندِ نارِ جہنم تھا اتفاقاً ملک زادہ اس ولایت کا شکار افگن اپنی سرحد سے گزر کے اس دشت ہولناک میں آیا و ناگاہ ایک آہو نے گوشۂ شکار گاہ سے نکل کے پیش نظر جلوہ دکھایا و خراماں نزدیک پہنچا ملک زادہ نے جہت نخچیرِ آہو سمند صرصر تک کو مثال شہباز کہ جوں شاہیں صید پر گرم روانہ ہو تیز جولاں کیا آہو نے دیکھا کہ شیر پیشہ شہر یاری عنقریب آیا بہ سرعت تمام قدم اٹھا کے ایسی زقند زنی کی کہ اس کی گرد کو غزال نگاہ کی گرد نہ پہنچی عاقبت کار لحظہ میں نگاہ سے مخفی ہوا ملک زادہ اپنی نزدیکیوں سے دور ہو کے ایسے ماموں مخوف میں وارد ہوا کہ اس سرزمیں پر پری انسان گزر نہ کرے و عقل تصور اس وادیٔ خطرناک سے

سامان مرگ چاہے جو غزل زریں جل خورشید صحرا سے اخضر سپہر سے غائب ہوا و پلنگ سیہ رنگ کمین گاہ سے نکلا و ہژبر پیشہ صید بازی مشاہدہ بیاباں ہولناک ؛ دہشت تار وخوف و وام سے بالا ہے درخت سہم ناک بیٹھا وم خیال شب تاریک سے ہوش کھو کے کہتا۔

فی الجملہ تمام شب بے قراری میں گزری وخوف وبیم سے نیم لحظہ نہ سویا صبحدم طاؤس زریں آفتاب مرغزار سپہر اخضر پر آیا وہ سرور سریر شہریاری باد پائے عقاب آہنگ پر سوار ہو کے اس صحرائے ہولناک سے آوارہ دشت نامرادی ہوا الغرض وہ شاہزادہ ملک جنوں بعد طے مسافت دراز ایسے گلستان میں پہونچا کہ ہوا اس کی برنگ ہوا ہے فردوس روح افزا اور فضا وہس کی مانند صحن جنت دل کشا گل عارض خوباں رشک گلہائے رنگیں سے برنگ دیدۂ خونبار عاشقان غرق خوں سرو قامت معشوقانِ شور قیامت بہ نظارہ راست بالائے غایت شرم سے مثال بید مجنوں سرنگوں تمام درخت سایہ دار برنگِ خوباں سبزہ پوش دل کشا اشجار پر بار برہم زن ہنگامہ سیب ذقنان تیر ریں وش جو کئی روز تشنگی و گرسنگی سے گزرے تھے میوہ تازہ وتر وآب سے کو منطقی کیا وزیر درخت کہ بسانِ نہال طوبیٰ سرآمدہ اشجار تھا طرح قیام کے ڈالی گاہے بہ تماشائے گل بن آنکھوں سے گل رخسار پر باراں آنسوؤں کا برساتا و لحظہ نظارۂ لالہ زار سے داغ غم جگر سوختہ پر کھاتا خیال مہر نگار میں روتا۔ایک دن جوہری روزگار یاقوت روانی خورشید کا صندوق مغرب میں پنہاں کیا و لآلی آب دار انجم نے بساطِ آسماں کو درافشان کیا یاد گفتار گوہر بار یاقوت رخسار سے سخت بے قرار ہو وجیب ودمان کو مانند دامن فلک پر اختر سے لبریز گوہر اشک کا کیا گاہے برنگ یاقوت یا دلب لعل میں خون جگر کھاتا اور ساعت بہ فراق صدف لولوِ دندان غریق دریا ہے غم ہوتا قحط آتش جہاں سوز اس کے مجمر دل سے شعلہ پرواز کرتی ولمحہ بعث ونشر بحالت حیات ممات اس کی جان پر گزرتی جو اس نیم بسمل خنجر عشق کی تمام شب بیتابی میں کٹتی وافق آسمان سے صبح صادق چمکی ندائے عزم غریب صدائے عجیب اس کے گوش میں آئی کہ اے باختہ شوریدہ سروائے گم کردۂ ہوش بیتاب و بے قرار نہ ہو کہ شتاب آفتاب مقصود تیرا طالع ہو وفروغ صبح وصال سے ظلمت شب ہجر کی زائل ہو اس مژدۂ جانفزا سے پژمردہ ریاض خاطر شہزادہ تازہ ہوا وآب رفتہ جوئی دل افسردہ میں آیا برنگ نسیم بہ کمال خرمی رواں ہوا آخر طلب

مقصود میں بعد طے راہ دراز وقطع مسافت ہنگام زوال متصل نواحی شہر پہنچا دور سے دیکھا کہ جوان زیبا مشکیں مو کہ ترکان خطا اس کے نظارہ پر چین سے ہزاروں خطا طرۂ پرشکن پر دھریں وصنمیانِ ہندی رخسارہ آتشیں سے لالہ وار داغ دل پر قبول کریں نور جہانداری نامیہ سے ہویدا وفرِ شہریاری سے پیدا ماہ رو نے بہ تفرس دریافت کیا کہ شاید نور دیدہ اس شہریار ولایت کا ہے وبصید افگنی سرگرم جولاں شکار ماہ روکوصید افگنی مہارت تمام تھی بہ تکادرزنی خشک پلنگ گیرا پنے کو بآرزوئے نخچیر دنبال آہو کے کر کے شریک کیا آہو نے دیکھا دوقوی پنجہ خون آشام نے قصد میرے شکار کا کیا چشم زدن میں چشم سے پنہاں ہو ایکا یک ایک شیر شرزہ کہ اس کے صدمہ آواز مہیب سے تن کوہ لرزے کنارِ صحرا سے ظاہر ہو کے دونوں شاہزادوں پر حملہ کیا دونوں نے کیا زہ کر کے ملک زادہ کو کہ شہریار اس ولایت کا تھا پنجۂ خونخوار سے شکار کیا شاہزادہ مہر جمال اسیرِ پنجۂ عشق نے اپنے ہم رکاب کوصید صیاد فنا دیکھ کے عنان عزم جانب شیر منعطف کی شیر خونیں چنگ نے اس غزال ختن جہانداری کو مار کے مستعد ہلاک اس مجروح خاطر کا ہوا شاہزادہ شیر شکار نے جو متوجہ اپنی طرف دیکھا دم میں تیغ آبدار میان سے لیکن اس کی کمر پر مار کے وہ اسد مانندِ جوزا دو پیکر ہوا الحاصل کار شیر تمام کر کے بنی وگوش اس کے تراش کے پنہاں کر کے رواں ہوا ہنوز یکدو فرسنگ مسافت قطع نہ کی تھی کہ ملازمان شہسوار عرصۂ فنا کہ اس وقت اس کے رکاب سے دور تھے عنان درعنان پہنچے و ملک زادہ کو دیکھا لالہ وار خاک خون پر غلطاں پیچاں پڑا و داغِ اجل سینۂ جاں پر دھرا اور یقیں جانا کہ اس جوان نے بہ سبب طمع لباس زر و جواہر اس کو مارا وفی الحال پیراموں اس بے گناہ کے جمع ہوئے دوست جور وستم اس کے سر پر دراز کیا ہر چند ماہ رو نے عجز والحاح کر کے کہا کہ میں اس معاملہ میں بے تقصیر ہوں و ناحق زنجیرِ تہمت میں اسیر اصلا گوش نہ کیا اور واسطہ سوخت کرنے اس کے خرمنِ حیات کے کرم گیرا ہوئے اور ہر ایک نے تیغ برق نشاں کو کھینچا شاہزادہ نے ناچار شمشیر کو عریاں کر کے مثال عرصہ جنگ میں ڈرایا اور تن چند کو مجروح و ہلاک کیا مگر وہ بدنہاد بہ کثرت کثیر تھے یکبارگی چہار طرف سے در آئے۔

تصویر جنگ ماہ رو مردمان ملک زادہ سے وکشتہ ہونا چند کسان کا ہاتھ سے ماہ رو کے

## دست بستہ کر کے لے جانا ماہ رو کا پیش بادشاہ کے

اور ماہ رو کو خانۂ زین سے زمین پر لائے وبسان گنہ گار دست و پا رسن سے باندھ کے آگے دلاور شاہ پدر اس سوختہ کوکب کے لے جا کے عرض کی کہ اس جوان نے نہایت عمر سرور یاض سلطنت کا کرایا وطمع زر و گوہر سے نقد جان شاہزادہ والا گوہر کو خاک ہلاک میں ملایا دلاور شاہ نے یہ دریافت ماجرا اشک آنکھوں سے بہایا اور آتشِ غضب سے چہرہ سرخ کر کے بے تحقیق و بے تامل فرمایا اس دم خاک حیات اس کی بادفنا میں اُڑا دیں تا اندک آتشِ اضطراب میری اب تسکین سے منطفی ہو ایستادگانِ پایہ سریر سلطنت نے اس مظلوم کو فی الفور سیاست گاہ میں کھینچا و چاہا کہ تیغِ قصاص اس کی گردن پر لگا دیں و کاوشِ خنجر انتقام سے جانِ شیریں کو تلخی مرگ چکھا دیں۔

## ماہ رو کو میدان سیاست گاہ میں واسطہ قتل کے لے جانا اور جلاد کا شمشیر کھینچ کر آنا

وضع و شریف شہر نے تماشائے جمال شہزادہ سے دست تاسف باہم ملا اور اس جوانی پر رحم کھا کر ہر ایک آتش افسوس میں جلا اس خستہ دل خاطر شکستہ کو دست و پاس کا چارۂ تدبیر سے بندھا تھا دل میں کہتا آیا فلک شعبدہ باز یہ کیا خیال نیرنگی ہے کہ پردۂ تقدیر سے ظہور میں لایا اور یہ کیا نقشِ غریب ہے کہ نقاشِ قدرت نے میرے صفحۂ شہود پر نقش کھینچ کے ایک عالم کو دکھایا گاہے نشست خاطر سے تضرع وزاری کرتا کبھی تماشائے بوالعجبی قدرت سے ہنستا اور کہتا شعرِ قلم نہ تھا۔

جس دم جلاد و خونخوار نے تیغِ دودم نیام سے کھینچ کر مستعد قتل ہوا شاہزادہ نے جانا کہ اجل نے شمشیر ہاتھ میں لی و پائے زندگی مغاک ہلاک میں کیا بہ علاجِ رہائی پارۂ جواہر جلاد کو دے کر قدرے فرصت چاہی کہ جناب بادشاہ میں عرض رکھتا ہوں جلاد نے بہ معائنہ جواہر دست قتل سے کھینچ کر درگاہِ شاہ

میں اس کو شرف اندوز کیا ماہ رو نے مراسم تسلیم و تقدیم ادا کر کے عرض کی گلزارِ عدالتِ شاہی میں خارگل دامنِ بلبل میں نہیں الجھتا و مرغزارِ انصاف ظلِ الٰہی میں گرگ پذیر ظلم نہیں کرتا میں بے چارہ بے گناہ برباد ہوں فردائے قیامت کہ روز بازار دار و گیر ظلم و عدالت کا گرم ہو دست میرا تیرے دامن پر دراز ہوگا کس واسطہ کہ نقد ہستی اس گوہر برج خلافت کا میرے ہاتھ سے بادِ فنا میں برباد نہیں ہوا بلکہ ملک زادہ منبر صحرا میں جہت صید آہو سمند کو جولاں دیتا تھا کہ یک بیک شیر نے دامن صحرا سے پہنچ کے چنگِ ناخن اپنا اس کے خون سے آلودہ کیا میں سرگشتہ بہ حسب اتفاق وقت صید شام ہو کے انتقام سے کام اس اسد کا تمام کیا اور واسطہ روسفیدہ اس روز سیاہ کی بینی و گوش اس کے پاس اپنے رکھتا ہوں و لاش شر کی عرصہ میداں پر بعرصہ چند افتادہ ہے اگر یہ عرض تہمت غرض سے مبرا ہو و شاہد صدق معانی آئینہ شہود جلوہ کرے تو میرا سر خوں سے درگزر ردلا و رشاہ کو اگر چہ غم شاہزادہ منیر زیادہ تر تھا و لیکن سرشتہ انصاف ہاتھ سے نہ دے کر فرمایا کہ خیلے ناصیہ ساماں عتبہ فلک رتبہ ماجرا کو تحقیق کر کے لاویں و جس طرح کہ جام حقیقت نما میں کیفیت تصدیق روئے داد منکشف ہو جناب دل میں ظاہر کریں منہان کار آگاہ خدا شناس نے نشانِ شیر مردہ دریافت کر کے جناب شاہ میں کیفیت حال مفصل عرض کی بادشاہ معدلت پناہ اپنی حرکت سے سر انفصال گریباں میں لایا و پائے ندامت کو دامنِ خجالت میں چھپایا و جبینِ شاہزادہ سے آثار شہریار دریافت کر کے بہ اکرام و اعجاز تمام پاس اپنے بٹھایا و استفسار کیا کہ تو بایں حسن و صورت و خوبی سیرت کون ہے اور کون سے شہر مینوسواد سے آوارہ ہوا شاہزادہ نے کہا مولد و وطن میرا کشور ہندوستان و پدر میرا فرمانروا اس شہر جنت نشان کا جہت سیر ممالک و امصار اپنے دیار سے نکلا و شکارِ آہو پر اسپ کو جولاں کیا اتفاقاً لشکر و مردم اپنے سے جدا ہو کے مسافت بسیار طے کرتا اس سرزمین پر وارد ہوا بادشاہ بمجرد اطلاع حال شاہزادہ بہ دلداری و تسلی مصروف ہوا اور اس کی استقامت کو مکان علیحدہ دیا۔

## آشفتہ ہونا ماہ طلعت دختر دلاورشاہ کا ماہ رو پر وخبر پہنچنی گوش میں بادشاہ کے وعقد باندھنا اس لیلٰی تمثال کا شاہزادہ مجنوں خصال سے و دلریش ہونا اس کا بیاد جانانِ خویش

افسوں گرداستان شعبدہ تازہ روئے کار پر لایا جس روز شاہزادہ گل اندام لالہ عذار کو برنگ گلدستہ باند کے پیش دلاورشاہ لائے تھے ماہ طلعت دختر بادشاہ کہ زبانِ سخنوراں بیان غدوبت بوسہ بہ کنج لب شکرر ومنقار طوطی خامہ فردوراں بہ تعریف گفتار شیرینی سے کام دل حاصل کرے قد اس کا شمشاد سے دوش بدوش وحسن لطافت ناز سے ہم آغوش غنچہ دہاں سحر گفتا۔ سروِرواں خوش رفتار نرگس خونخوار اس کے رخسار عذار بلبل ہزار پروانہ وار وارغواں چہرہ اس کا قطرات اشک سے آئینہ خانہ۔

### اشعارِ سراپا

| | |
|---|---|
| ہے نور خدا کا وہ سراپا | ہے راست سراپا وہ سراپا |
| ہیں اس کے مو سرشتۂ جان | دے طول انہیں خدا ہر اک آن |
| عاشق کی ہے دل کی وہ سیاہی | دے ہے شبِ تار بھی گواہی |
| غربت میں ہوئی ہے قصر کی شام | ظلمات نے بھی سیاہی لی دام |
| لے شانہ اگر وہ رشکِ مہتاب | کر ڈالے چوٹیوں کی محراب |
| تو سجدہ کر کے پھر آن کر شیخ | کعبہ کا دریچہ جان کر شیخ |
| سمجھا اس مانگ کو نگہ میں | ہے کاہ کشانِ شب سیہ میں |
| ہیں مانگ میں دُر وہ ایسے ڈھب کے | جیوں چمکے ستارہ نیم شب کے |
| بالوں سے خجل سے مشک و عنبر | سنبل کا ہے حال ان سے ابتر |
| وہ سر ہے مدور اس پری کا | دعویٰ کرے کون ہمسری کا |

گر اوڑھنی اوڑھے سر پہ گلنار
عاشق کے ہو سر پہ خوں نمودار

جیوں زیرِ شفق فلک پہ باراں
ہو ابرِ سیہ میں وہ نمایاں

وہ جعد گندھی کھجوری باروج
لہرائے ہے جیسے مار کی موج

کیا وصف تو کر سکے گا اس کا
چوٹی ہے وہ کوہِ حسن کی کیا

گر شانہ ہزار دست پاوے
چوٹی نہ پری کے ہاتھ آوے

چوٹی کا وہ جوڑا باندھے گر ماہ
عقدہ پڑیں لاکھ دل میں ہر راہ

وہ اس کا سماں ہی کوئی دیکھے
جیوں ابرِ سیہ ہو حور کے پیچھے

چھوڑے اسے پیٹھ پر جو طنّاز
تو سیلیاں کھائے توسنِ ناز

ہو چاک جگر میں دہان اس کا
شانہ کا گزر ہے کیونکہ اُس جا

گر چھوڑے وہ رخ پہ زلفِ پُر خم
ناگن سی ڈسے وہ دل کو ہر دم

ناگن وہ نہیں ہے ہے وہ گیسو
جیوں مارِ سیہ ہے اُس کا ہر مُو

اس کاکل و قد پہ گر نظر جائے
تو زلف کی لہر دل پہ لہرائے

ہے باغِ جہان کا عجب کھیل
سنبل کی ہے سرو پر چڑھی بیل

چین اس کے بہ از مہِ فلک ہے
خورشید سے جلوہ گر چمک ہے

بینی کا یہ رخ پہ ہے نظارہ
جیوں چاند سے آ ملے ستارہ

ہمسر نہیں کوئی آہ اس کا
داغی ہے غلامِ ماہ اُس کا

یوں ماہ سے چہرے کو شرف ہے
وہ باکلف ہے وہ بے کلف ہے

بینی کا ہو وصف کس کی طاقت
قدرت کے ہے ہاتھ کی کرامت

ہے اس کی صفائے بخت مندی
پیشانی سے دیکھ سر بلندی

ماتھے پہ وہ نقش ابروؤں کا
تجھ سے میں کروں دلا بیان کیا

نقاش نے دیکھ جائے خالی
مہ پر لکھے دو خط ہلالی

جو تیغ ہو ابروؤں کی تحریر　　جنبش میں کریں وہ کارِ شمشیر
خونریزی میں اس لئے وہ ہیں طاق　　ہیں قوس وکماں سے وہ دُر آفاق
بے قوس قزح کو چرخ گرداں　　اُن ابروؤں پر کرے ہے قرباں
ابرو کو ہلال دیکھ پاوے　　تو بدر میں منہ دوہیں چھپاوے
دیں شاعر اگر جو اس سے تشبیہہ　　کب وہ مہِ نو کو اُس سے تشبیہہ
ہے پیرِ فلک کی ابرو وہ ماہ　　کب اُس میں جوانوں کا نمک آہ
وہ ابرو میں جو ہے نقطۂ خال　　تفسیر تو اُس کی سن لے فی الحال
منقوطہ و مہملہ تو پڑھ دے　　ایک دو نور ہے ہے ایک زے
اُڑ جائیں جو ہووے سامنے ہوش　　کھینچی ہیں کمانیں دوش با دوش

## دیگر تعریفِ بدن

دوں گل سے میں نسبت ان کو کیونکر　　وہ گوش سنے ہی اور یہ ہے کر
یوں پر گہر اس کی ہیں وہ دوکان　　منہ کھولے صدف یہ گاہے امکان
گریہ ہے صدف نشین دریا　　آگاہ ہوں اس سے ہیں سراپا
اُن کانو کا اس کو ہے خیال آہ　　وہ غرق ہے بحر انفعال آہ
کس چیز سے دوں میں ان کو نسبت　　وہ کان میں معدنِ ملاحت
ہو تھرتھری کم کبھی. نہ خور کی　　گر کان میں دیکھیں اس کے مُرکی
ہیں مُرکی گردِ موتی ایسے　　تارے ہوں قمر کے گرد جیسے
کانوں میں اس کے یوں کرن پھول　　دہ سے نکلے ہے جیوں کنول پھول
اُترا ہے زمیں پہ مہ کا ہالہ　　دیکھا کہیں کان میں وہ ہالہ
کب ہالہ نشین غم میں ہے ماہ　　بالے کے مگر الم میں ہے ماہ

جب کان میں اس پری نے ڈالا — تب بالا نہ دیوے کیونکہ بالا
وہ حسن کے بحر کا ہے قلّاب — ہے ماہیٔ حسن اس میں بیتاب
کیا لولوئے گوش ہے چمک پر — جوں صبح کا تارا ہو فلک پر
نسبت تارے سے کیوں ہو اس کو — لٹکا دلِ عاشق اس میں یارو
ایسا ہی وہ بے بہا ہے دل بر — جیسے ہو صدف میں ایک گوہر
گر روؤں میں یاد کر کے وہ دُر — ہوں گوہرِ اشک چشم میں پُر
نرگس کی جو شاخ کی قلم ہو — تو خوبیٔ چشم کچھ رقم ہو
نرگس کو پر نسبت اس سے کیا ہے — جادو چتون نگہ بلا ہے
نرگس کی ہے چشم اس سے حیراں — ہیں رشک وہ دیدۂ غزالاں
سیاہی و سفیدی ہے دل افروز — یکجان میں بہم گویا شب و روز
وہ سحر و بلا ہے چشم بد دور — ظلمات سے نکلے جس طرح نور

## دیگر تعریف بدن

اس چشم سے صوفی سب ہیں مے نوش — ہیں محتسب ان سے مست و مدہوش
وہ مست ہیں اور مژہ ہیں خنجر — عالم کا نہ خون ہووے کیونکر
ہوں گوشہ نشین مست و ہشیار — کیفی کے جب ہات میں ہوشیار
بھالا وہ نگہ کا گر سنبھالے — جو دیکھے اسے وہ مار ڈالے
غمزہ کا اگر وہ تیر چھوڑے — پھر مرگ و قضا بھی منہ نہ موڑے
ہے شام و سحر دعا یہ میری — ہو اس کی نظر نظر کسی کی
ہے یہ تو کھلے اشارہ کی بات — ہے حکمت العین وہ اشارات
ہے چشم غرض وہ ایسی خونخوار — عاشق کا کرے ہے خون سو بار

ایک آن میں خونِ مردماں ہو  حق بنی نہ ان کے درمیاں ہو
وہ بنی ہے ایسے رخ پہ دیکھو  گل کا جیوں غنچہ برگ پر ہو
رخساروں میں بنی یوں عیاں ہے  دو پھول میں غنچہ درمیاں ہے
گر پوچھئے مجھ سے کچھ کہوں اور  بنی کا ہے، ان لبوں پہ یہ طور

## تعریفِ دیگر

نتھنوں کی پھڑک پہ کس کو دے چین  عاشق کے دو لخت دل میں بے چین
اور نتھ کا ہے حلقہ رخ پہ یوں آہ  جیو ہالہ کے درمیان میں ماہ
دولت کا جو در ہے نتھنا اکثر  تو نتھ کو بھی جان حلقۂ در
امید میں اس کی آہ غم سے  دیدہ میں پڑے ہیں اپنی حلقے
اور موتی ہے اس میں پیارے پیارے  جیوں ہالہ میں آئے ہوں ستارے

دریچۂ محل سے بہ مشاہدہ جمال شاہزادہ دل ہاتھ سے دیا اور گوش کیا کہ صرصرِ قہر بادشاہ واسطہ برگ ریزی اس شجر زندگانی کے چلی برنگِ سنبل پریشاں خاطر ہوئی وخار خار اندوہ اس کے جگر میں ظاہر ہوا جو دوبارا دریافت کیا کہ نہال وجود اس کا آبیاری الطاف سلطان سے تازہ وسیراب وگلعذار ہوب نسیم اعطاف والیٔ دوراں سے شگفتہ وشاداب ہوا بہ استماع نوید دل اس کا مانند سبزہ نو دمیدہ تر وتازہ ہوا و برنگ گل فصل بہار چمن چمن کھلا پیوستہ شبستان خاطر کو ماہ رو کی شمع خیال جمال سے روشن رکھتی و بال پر طاقت کو شعلہ زار عشق سے پروانہ وار جلاتی و مدام دریچۂ قصر میں واسطہ انتظار کے بیٹھتی بچشم آنکہ شاید خورشید جمال اس کا مشرقِ انتظار سے طالع ہو چشم بند نہ کرتی وکبھی دردِ عشق سے بجاں آگے یہ ترانہ زبان پر لاتی۔

عندلیب شاخسار شہریاری دیوانہ بہار اس گل گلعذار مملکت کے اور قمری اس سرو چمن زار جہانداری مبتلائے سلسلہ شوق زلف اس سنبل دریاض سلطنت کی ہوئی درزِ کامل عیار شاہزادہ محک امتحان پر درست ہے اگر صورت معنیٰ ائنہ شہود میں جلوہ کرے مضائقہ نہیں بادشاہ دور اندیش نے اس مصلحت کو صواب سے نزدیک جان کے پیام مقدمہ حال کا بادشاہ زادہ کا پاس پہنچایا۔

## تصویر ماہ طلعت کو کوٹھے سے شاہزادہ ماہ رو کو دیکھ کے زمین پر گری

اس دل برباد دادہ نے جو اس پیغام پر وقوف پایا عرض کی کہ امرِ خطیر محظور پیشگاہ خاطر رکھتا ہوں بدون انصرام اس کے بیتاب و بے قرار ہوں چندے سبب ضعف و ماندگی اس جا طرف اقامت کی ڈالی اب توقف کرنا دشوار اور ایک لحظہ ٹھہرنا محال رسول باہوش ہر چند مبالغہ بہت درمیان لایا اور احوال بے قراری و بیتابی ماہ طلعت کا مفصل ظاہر کیا شاہزادہ نے اصلا اقبال معنیٰ کا نہ کیا میاں جی محرم لاچار محروم پھرا اور کیفیت حال جناب میں بادشاہ کے عرض کی بادشاہ نے جو علاج درد ماہ طلعت کا سوائے وصل کے نہ دیکھا مکرر بہ غضب وعتاب فرمایا طوعاً وکرہاً اقبال اس معنیٰ کا کرے جو امر اس کے پیش نہاد خاطر ہے بعد سرانجام اس مرام کے انصرام اس کا عمل میں آوے گا والا اور وجہ سے صورت نہ کوئی سوائے بدی وقباحت کے اپنے آئنہ خیال میں نہ دیکھے گا شاہزادہ ماہ لقا نے جو مزاج دلا ور شاہ کا مصروف اس معنیٰ پر پایا چارو ناچار قبول کیا اور کہا جو استرضا حضرت اعلیٰ موقوف اسی پر ہے ناگزیر کروں جان زیر بار اطاعت رکھی اور اپنی عنانِ اختیار ہاتھ ملازمانِ گرامی کے دی ولیکن زیادہ ایک دو ہفتہ سے قیام میرا اس محل میں محال ہے اور صبر شکیبائی کرنا بعید از خیال سخن کوتاہ مہر کو ساتھ ماہ کے ساعتِ مسعود میں ہمقران کیا اور گل کو بلبل سے ملایا ماہ طلعت نے جو گردش چرخ کام میں اور رحیق مدعا جام میں دیکھا بزم ترتیب دی اور سرمایۂ شادمانی سے عیش وکامرانی شروع کی شب وروز دیدار شاہزادہ سے شادمان وخرم رہتی اور نشاط تمام سے ایام بسر کرتی لیکن دل اس اسیر زنجیر عشق کا کبھی تو صولجان زلفِ جاناں میں لٹکا تھا پیوستۂ غم سے گزارتا اور

شوق کوچۂ دلا رام کا دم بہ دم دامن دل کھینچتی اور یاد طرہ دلدار دن اس کا سیاہ کرتی اور خیال شعلہ عذار یار دود نہاد اس سوختہ دل سے نکالتا ہر دم فراق سے بے قرار ہو کے کہتا:

جو بے قراری دل کو یہ ہے صبح و شام ہے | تو بس تڑپ تڑپ کوئی دم میں تمام ہے

گاہے روتا اور یہ غزل پڑھتا:

## غزل

یونہی ہے تو دلِ وحشی سے ہاتھ اپنا اُٹھالیں گے | سنبھلتا ہی نہیں ہے جو اسے کب تک سنبھالیں گے
نہیں ہوگا کہ ہم دل زلف میں تیری پھنسالیں گے | وگرنہ مار یہ بیمار کر کے مار ڈالیں گے
نہ سمجھو ہم کو تم اے سیم تن مفلس کے ڈھب سے | اگر آنسو بہالیں گے تو دُرِ بے بہالیں گے
نہ کر بے فائدہ ہم کو نصیحت دور ہو ناصح | کہاں تک دل ہم اپنا عشق خویوں سے بچالیں گے

ایکدن ماہ طلعت پری تمثال روبرو اس دیوانہ کے بیٹھی تھی اور مۓ گلگوں جامِ بلوریں میں بھرتی تھی کہ وہ سرمست بادۂ جنوں یاد میں نرگس مخمور جاناں کے بے ہوش ہوا ماہ طلعت نے پوچھا کہ اے شمع شبستانِ زیبائی یہ تمام سوز گداز اور اس قدر بے تابی واضطرابی کس واسطہ ہے شاہزادہ اصلا جواب میں نہ آیا اور آئنہ مطلب کو مصقل بیان سے روشن نہ کیا ولیکن ماہ طلعت اس کی پریشاں خاطری اور آشفتگی دلی سے گمان لے گئی کہ یہ لالہ عذار داغ میں کسی سیمیں رخسار کے سوزاں اور دل اس کا خمار بادہ بہار حسن گلعذار جنوں سے سرگراں ہے بیقین جانا کہ خیال زلف دلستان نے عقل اس کی پریشان کی ہے اور رازقِ فراق جاناں نے مدہوشی دی ہے فی الحال گلاب منگوایا اور روئے گل رنگ پر کہ شرم خوبی اس کی سے گل آب ہوتا تھا چھڑکا شاہزادہ نے بے خودی سے ہوش میں آ کے کہا۔

## غزل

نہ ہو مرہم سے اچھا نہ دوا سے　　یہ دل میں درد ہے حکمِ خدا سے
دوا ہے اس کی وصلِ یارِ جانی　　کھلے گا قُفل یہ دستِ دعا سے
رہے یہ کب تلک قیدِ بلا میں　　کبھی تو آن کر مل مبتلا سے

اے شمع کاشانہ تاز جس آتش سوز نے میرے سینہ میں شعلہ اٹھایا بجز وصال جاناں گلاب وصندل سے فرو نہ ہووا اے نبض شناس دل بیتاب جس نشتر سے کہ زخم میرے جگر میں ہوا کسی دارو سے درماں نہ قبول کرے اگر زندگانی اس بے برگ ونوا چاہتی ہے عطائے پان سے رخصت جاں بخش کہ زیادہ تاب خون کھانے کی نہیں اور جاں سپاری سے لاچار ہوں۔

ماہ طلعت نے کہا اے دیوانہ میں تیری زنجیر عشق میں گرفتار تو یاد میں کسی نگاہ مخمور چشم کے سرشار میں نے دل اپنا تیرے دامن سے باندھا اور تو بے گریبان صبر اور جامہ زیب کے فراق میں چاک میرا سینہ تیرے عشق میں برنگ لالہ داغ داغ اور تیرا کسی نرگس مست کے شوق خیال میں پر ایاغ انصاف کر تیرے فراق ومہاجرت میں کس طرح زندگانی کروں وتیرے ہجر مفارقت میں کیوں کر عمر بھروں ماہ رد نے کہا اگر چہ توقف نمک جراحت پر چھڑکتا ہے مگر بہ پاس خاطر تیرے چندروز اور رہوں اور چارو ناچار سوز درد فراق یار سہوں جو شب سیہ مست شب نے جہت رفع خمار خام زریں آفتاب ہاتھ میں لیا شاہزادہ نے صبح آسا قبائے سیمیں تن پر راست کر کے وکلاہِ زریں مثال آفتاب سر پر رکھ کے محل نورانی سے خورشید وار نکل کے حضور دلاور شاہ کے میں آکر شرف اندوز ملازمت ہوا و مانند شاہزادوں کے ادائے مرتب عقیدت کیا گاہے جناب شاہ میں حاضر ہوتا وکبھی ماہ طلعت کو اپنے دیدار سے مسرور کرتا ولخط گلگشت بوستاں سے پژمردہ چمن خاطر کو آب دیتا وگاہے رجوع صید وشکار کرتا۔

جانا اس شہباز اوج جنوں کا واسطہ شکار کے وحرارت آفتاب سے پناہ لینی نیچے درخت سایہ دار کے دو چار ہونا دل افروز آوارہ۔بے چارہ سے

شہسوار عرصہ افسانہ واسماء کمیت داستان کو تازیانہ زبان سے دشت بیاں میں اس طریق کرم جولان کرتا ہے کہ شاہزادہ نے شبدیز تیز رفتار پر سوار ہو کے وسمند خوش عناں والا تہمت کو طرف شکار گاہ کے پاشنہ کوب کیا جو صید جانوراں و نخچیرِ وحشیانِ صحرا سے فراغت پا کے روئے توجہ طرف مشکوئے دولت رکھا اس وقت بسکہ آفتاب گرتا و غایت حرارت سے مرغ ہوا پر کباب ہوتا و بہ نہایت سوزش ماہیِ آب میں بیتاب وہ سایہ پروردہ عیش ونشاط قطع راہ ہوا گرم میں دشوار سمجھ کے زیرِ سایہ درخت پناہ لی اور اس دم اتفاقاً ناگاہ نگاہ اس کی ایک جوان پر پڑی کہ سرو قد اس کا بار پریشانی سے مانند بید مجنوں خمیدہ وخیال گیا کہ صورت سے جوان کی دل افروز سے مشابہت تمام رکھتی ہے واللہ کہ نقاش دو آفریدہ ایک صورت پر کھینچا و باغبانِ تقدیر نے گلِ عارض کو ان کے یکرنگ پر آب ورنگ بخشا از بسکہ تغیر ان نے اس کے عذار پر راہ پایا تھا شک وشبہ میں رہا شاید دل افروز یا کوئی درویش متند ہے اس جوان نے کہ فی الحقیقت دل افروز تھا بمجرد مشاہدہ شاہزادہ کو پہچانا ور کہا اے یار غمگسار حیف تو نے مجھکو نہ جانا و آشنا سے بیگانہ ہوا شاہزادہ کو بہ استماع کلمات دل افروز یقین آیا اور یہ مضمون زبان پر لایا۔

## غزل

اُٹھتے اور بیٹھتے ہم کو تو ترا دھیان رہا — خواب میں بھی تو نہ آیا یہی ارمان رہا

ہم نے اے جان ترے عشق میں دی جان تلک — حیف صد حیف ولے تو بھی تو انجان رہا

عقل و صبر و دل و دین نذر محبت کے کیا — قیس کی طرح سے میں بے سر و سامان رہا

پیرہن چاک کیا ہجر میں تیرے یاں تک — نہ گریبان رہا اور نہ دامان رہا

آرزو فراسو کی بنی روح اللہ — یہ دعا مانگتا ہر روز ثنا خوان رہا

## تصویر ماہ روز یر درخت و ملاقات ہونی دل افروز سے حالتِ تباہ میں

دل افروز سپاس ساماں حضرت سبحان اللہ کا بجا لایا دونوں یار دمساز جوش محبت سے ہم آغوش ہوئے ودریا دریا گوہر اشک جاری کئے شاہزادہ نے کہا اے غمگسار قدیم واے غمخوارِ صمیم گرم وسرد روزگار کیا دیکھا و تلخ شیریں زمانہ کیا چکھا دل افروز نے بہ آہ وفریاد کہا اے رفیق غمخوار واے شفیق دلدار تیرے فراق میں از بسکہ زار ونزار ہوں طاقت گفتار نہیں واستماع میرے حال پرسوز سے تیری خاطر نازک پر ملال و بلکہ دل نازنیں تیرا باستماع میرے حال بے حال ہوشاہزادہ نے بہ مبالغہ استفسار فرمایا دل افروز نے لاچار زبان کھول کر برنگِ شمع ماجرائے پرسوز وگداز ادا کیا الغرض جس وقت تجھ سے جدا ہو کے واسطہ تلاش پانی کی گیا و ہر طرف رواں ہوا سوائے سراب کچھ نہ پایا و ہر سمت جو قصد کیا سوائے اشک دیدہ قطرہ آب نہ آیا بچشمِ چشمہ آب آگے قدم رکھا یکا یک دلوِ زریں رسن آفتاب چاہ مغرب میں گیا میں نے چاہا کہ اپنی تئیں پاس تیری پہنچاؤں پانو نے ناطاقتی سے دستگیری نہ کی تمام رات اندیشہ میں رہا کہ حال تیرا تشنگی سے کیا ہوگا و میرے نہ ہونے سے آتش اندوہ تیرے سینہ میں مشتعل ہو کے اس شب تاریک تیرے خیال ماہ جمال میں بسر کی جس دم روز روشن ہوا ہجوم طیور ایک سمت نظر آیا جانا کہ اس طرف چشمۂ آب ہے بہ سرعت تمام مانند رشک عاشقاں قطرہ زن ہو کے برسرِ تالاب پہنچا دیکھا چشمۂ آب ہے مثال چشمۂ خورشید پاکیزہ ومصفا و برنگِ حوض کوثر غدونیت میں تھمنا آبِ زلال بسان شربت نبات شیریں و مانند چشمۂ آب حیواں لطافت آگیں ہر حباب اس کا مثال پرتوِ قمر نور افزاء دیدہ نظر و بر امواج خط شعاع آفتاب سے روشن تر فی الحال قدرے آب پی کے وابریق پُر کر کے تیری طرف رواں ہوا اور تجھ کو اس مکان پر نہ پایا پانی کو خاک پر گرایا اور گریہ وزاری کناں ایک سمت کو راہی ہوا بعد چند روز قطع مراحل کر کے ایک سرزمین شگفتہ آئین پر پہنچا کہ لطافت ونزہت اس کی لاف مساوات کے جنت سے مارے اشجار پر بار بسان نہال طوبیٰ سیراب وخوش نما وگلہائے سراسر بہار رنگ عذار خوباں شاداب ودلربا سبزہ اس کا دل سبز خطوں سے دود آہ اٹھاوے لالہ اس کا داغِ حسرت گل رخوں کے سینہ میں کھلاوے بادِ مشکبار اس کی مانند دمِ عیسیٰ روح افزا و آبِ جوئبار اس کا تازگی بخش دلہا۔

اژدہا سیاہ نے کہ برگِ زلفِ محبوباں دام بلا تھا نشیب چاہ سے رو طرف فراز کر کے کیا۔

## تصویر چشمۂ آب وہجوم جانوراں و پہنچنا دل افروز کا، تصویر باغ و چاہ و اژدہا و شیر

میں بلا گرفتار زندگی سے بیزار اسی دم اس کی دُم سے لپٹ کر سوار ہوا نصیب میرا مددگار اور طالع سزاوار تھا اژدہائے خونخوار نے توجہ میرے حال پر نہ کی اور چاہ سے نکل راہِ صحرا لی فی الفور اس کی دُم سے جدا ہوا اور شکر خدا کا بجا لایا بطریق استعجال ایک طرف کو بھاگا کہ مبادا اس صحرائے پُر مخافت سے آفت دوسری پیدا ہو بعد چند روز اس بیابان اور راہِ پُر خطر میں حیران و پریشان پھر ایک بوستان نظر آیا کہ ہر طرف اس کے گلہائے یاقوت رنگ چمن چمن کھلے تھے اور اشجار زمرد پیرہن بھی مانند سبز پوشاں جنت کے لباس سرسبزی بر میں کیا رنگیں ادایانِ گلستان سرگرم بزم پیرائی اور دل کش نوایانِ بوستاں مقام نغمہ سرائی نزیک اس حدیقہ کے چشمہ مصفا کہ پانی اس کا بعینہ مثال آب آہنہ پر صفا اور عذوبت میں بسانِ گفتار نوشین لبوں کی حلاوت افزا اس جا دلفریب میں بارِ اقامت کھولا اور لب چشمہ پر چشم خواب سے آشنا کی جو روز گزرا خواب سے ہوشیار ہے کے بیٹھا اور آرزوئے خرم و احتیاط قبضہ آسا ہاتھ سر تیغ نہ اٹھایا جس وقت کہ نصف شب گزری دیکھا کہ ایک افعی سیاہ قعرِ حوض سے نکل کے متوجہ صحرائی اور مہرۂ تابناک کو وہاں سے زمین پر رکھ کر اس کی روشنی میں مشغول گرم بازاری ہوا وہ مہرہ برنگِ گوہر شب چراغ کے شب تار میں روشن تھا بلکہ مانند سہیل ظلمت لیل میں چمکتا تھا میں نے سرعتِ تمام سے اٹھ کے اس مہرہ کو اٹھایا اور اس مار خونخوار کو جلادستی شمشیر سے پارہ پارہ کیا پیشتر رواں ہوا دیکھا کہ درمیان اس باغ کے ایک میان پاکیزہ ہے اور فرش آراستہ سے پیراستہ اور او پر اس کے مسند جواہر نگار بچھی اور بالائے مسند ایک دختر سیم بر بیٹھی کہ لب اس کے یاقوت سے رنگین اور دندان سلک گوہر سے صفا آگیں بلکہ رشک لعل لب سے یاقوت غرق خوں اور خجالت گوہر دنداں سے لولو آبدار کا تمام تن آب اور زبوں اور اس کی چشم کی نرگس رعنا گیز نرگس نام اور اس کے ہلال ابرو کا ماہنو غلام یاقوت لباں روزگار اس کی شمع جمال پر پروانہ

وارکرم جاں بازی اور صدف دہانانِ عصر اس کے گوہرِ دنداں کی یاد میں لولوِ اشک سے نکالیں اور دست نگاریں اس کی بجائے حنا خونِ شفق سے رنگین اور ساعدِ سیمیں کا شانۂ حسن میں شمع نور آگیں اس تمام سرمایۂ حسن و جمال سے وہ سیمیں زیور مرصع سے آراستہ اور سراپا اس لباس میں زر باف سے پیراستہ۔

## اشعارِ سراپا

بکھرائے پری بال دھواں ناز و ادا گرم     چتون میں بھرا جادو نگہ اس سے بلا گرم

ابرو کی لچک سو خمِ شمشیر سے خوں ریز     پلکوں کی چھپک ہے بُتِ کافر کی سدا گرم

گالوں کی نزاکت پہ فدا کیجے گلِ سرخ     بالی کی چمک قہر ستم تس پہ چھڑا گرم

وہ مانگ کہ سو راہ سے دل مانگ [illegible]     لپٹا ہوا جوڑا وہ فتح پیچ گندھا گرم

وہ چینِ جبیں چھین لے وہ لعبتِ چیں کا     رخسار مہ و مہر سے بھی نام خدا گرم

وہ ناک کہ غم ناک رکھے ایک جہاں کو     نتھنوں کا پھڑکنا ہے غضب سحر بھرا گرم

وہ لب کہ کریں آتشِ یاقوت کو شیدا     تابش سے گہر کی ہے وہ دانتوں کی صفا گرم

اودی سی مسّی کی دھڑی نامِ خدا روز     اور سرخی پاں بستہ ہے کیا جلوہ نما گرم

وہ سلک گہر قہر وہ پھولوں کا ستم ہار     اور گردنِ مینا سے دو چنداں وہ گلا گرم

چھب تختی تراشی ہوئی اور گات بھبوکا     کرتی وہ پڑی جالی کی اور چاک کھلا گرم

وہ ابھری ہوئی سخت کچیں آفتِ جاں ہے     مخمل سے ملائم وہ پری پیٹ ترا گرم

ململ کی وہ انگیا وہ بُنت کی پھبن آفت     ........... ........... ........... ...........

اختر کا بھی جی دھکدھگی سے کرتا ہے دھک دھک     کولی سے ...... ...... .... ......

بازو وہ بھرے گول وہ دارئی کی ہیٹی     یکدست وہ ہاتھ اچھے سے اور رنگِ حنا گرم

توڑے وہ طلسمات پری موکوں کے سمرن     اور قول کی چھیلی بھی وہ انگشت نما گرم

باریک رگِ گل سے کمر غنچہ سی وہ ناف     گوریں وہ سریں گول ستم ابھرے بھلا گرم

آ تھام لیا ہاتھ حنائی مرا آکے | تھا گرچہ مرا خانۂ پُر زور بلا گرم
شلوار وہ کم خواب کی مقیش کمر بند | ........... ............ ............ ............
وہ ساقِ بلوریں وہ سونے کے کڑے زور | وہ رنگِ حنا گرم وہ سنہری کفِ پا گرم
وہ کفش جھلا بور لگے جس پہ ستارہ | اور پستہ و اٹھکھیلی سے چلنے کی ادا گرم

## تصویر دختر جوہری میانِ باغ دل افروز

میں افسردہ وحرمان غم نے جو اس گلزار بہار آگیں میں نگارِ نازنیں کو دیکھا حسرت زدہ ہوا کہ آیا یہ کیا طلسم ہے رنگا رنگ یار ستخیر ہے پر نیرنگ کہ نزہت طراز قدرت نے قلم قضائے صفحہ ظہور پر نقش طرازی اور نقاش تقدیر نے رنگ آمیزی عجیب سے عجب سحر پردازی کی اس حیرت میں تھا کہ ناگاہ سا لعبت دلفریب کی میرے اوپر پڑی متحیر ہوئی اور کہا کہ اے جوان غریب کس سرزمیں سے آیا ہے اور اس گلستاں میں کہ نسیم صبا کا گزر دشوار ہے کس طرح وارد ہوا میں نے سرگزشت گزشتہ اپنی اور حقیقت مارنے مار کی اور ہاتھ ابھی مہرہ تابدار کی کا مفصل بیان کی اور پوچھا کہ اے نازنین پری چہرہ تو بتا کہ حسن و جمال نورانی ترا مہر جہاں افروز کس مشرقستان کی ہے اس نازنین گل رخسار نے گریہ وزاری سے کہا باپ میرا جوہر شناس تھا مالدار حاصل بدخشاں کا برابر اپنے کیسہ لعل و گوہر کے سمجھتا و محاصل ہفت کشور کو عشر عشیر خزائن اپنے سیم وزر کا جانتا اس کے خزینہ میں دُرہائے آبدار انجم نورانی سے فراواں تر و اس کے گنجینہ میں یاقوت لعل خورشید تاباں سے درخشاں تر جاہ وحشمت اس کے مقدار اندازہ سے زیادہ مگر برج اقبال میں سوا اس ترہ کوکب کے اختر نہ رکھتا و درج دولت میں بجز مجھ یتیم کے گوہر نہ تھا مدام بہ نشاط و کامرانی ایام زندگانی بسر کرتی تھی، ایک روز بہ ترغیب غمگساران و اتفاق ہوا داران ارادہ سیر گلزار کیا کہ باغبان بہار چمن آرائی اس بوستان ارم نشان سے سرفراز تھا نسیم دل کشا اس کی خاطر پژمردہ کو کھلاتی و ہوائے روح افزا اس کی جان قالب افسردہ میں لاتی اس وقت ہر گوشۂ باغ میں گلشت کرتی یکا یک باد تند چلی و گرد و غبار نے فضائے گلزار کو خس و خاشاک سے اپنا شستہ کیا ہوا خواہ میری کہ مانند شگوفہ مجتمع نہیں تیزیٔ ہوا سے مانند اوراق گلہائے خزاں

رسیدہ پریشان ومتفرق ہوئے وغایت خوف سے رنگ میرے منہ کا اُڑا مثال شاخ بید میرے دست و پا میں لرزہ پڑا ناگاہ اس گرد و غبار سے ایک جن قوی ہیکل گر مفتون میرے حسن و جمال کا ہوا و یکا یک مجھ کو اس باغ سے اٹھایا اور اس مکان میں لایا اب چند روز سے شب و روز زانو بہ زانو میرے رہتا تھا و تماشائی میرے گل و عارض سے اپنی چشم کو آب دیتا میں بہ غم و اندوہ یاقوت خونِ جگر کھاتی تھی یہ مار خونخوار بحسبِ تقدیر تیرے دستِ تدبیر سے ہلاک ہوا وہی جن اژدہا پیکر تھا کہ جس نے مجھ کو خانماں سے دور ڈال کے کمندِ بلا میں پابند و مقید کیا اب مو بہ مو بندی تیرے احسان کی ہوں میرے تنِ مردہ میں اس مژدہ سے جان تازہ ڈالی وظلمت غم کو نور شادی سے روشن کیا میں جو اس نازنین کے حال سے مطلع ہوا دل میرا اس کی تنہائی پر جلا اس پری چہرہ نے مجھ کو غمخوار اپنا سمجھ کر کہا تیری ہمت کریمانہ سے امید رکھتی ہوں کہ اس زندانِ بلا سے بدر کر کے بہ خانۂ پدر پہنچا و میرے کاشانۂ دل کو نور جمال غمگساروں منور کر میں نے کہا غمگین نہ ہو وسعی تمام تجھ کو کامیاب کروں۔

تصویر دختر جوہری میان باغ ورسیدن بادِ تند و نکلنا دیو کا ہوا سے
ومتفرق ہونا نازنینوں کا اس کے پاس سے اٹھا کے لے جانا دیو کا دختر جوہری کا

سماء وصحن بازار کمال مصفی وصدمہ رفت و روب سے میرا دکاکیں باکمال زیبائی خوشنما و ہر دوکان میں انواعِ اغذیہ و اقسام اطعمہ مہیا لیکن اس دیارِ لطافت آثار میں نشانِ انسان ہویدا نہ تھا وہ خانہ ویراں جنوں سودا معائنہ ایسے شہر عالی بنیاد وعدم وجود ساکنات سے حیران ہوا و اس خانماں برباد سے پوچھا یہ کیا طلسم سے غریب وسحر عجیب کہ باوجود اسباب و اشیاء متنفس و جاندار اس جگہ نہیں مہ جبین نے بہ گریہ وزاری کہا کہ یہ شہر پدر اس حرماں نصیب کا ہے کہ اس دیو بد بخت نے ویران کیا اور مجھ کو یہاں سے اٹھا کے اس دشت میں لے گیا شاہزادہ نے بہ دریافت ماجرا اشک آنکھوں سے رواں کر کے اس کی تسلی خاطر کی اور کہا اے نازنیں غمگیں نہ ہو کہ دستِ بقدر سے کسی کو گزر نہیں اور درماں اس درد کا بدست عقل تدبیر نہیں بصبر شکیبائی چندے اس جگہ قیام کرتا بر دیار و امصار سے انسان کہ ہر اس دیو سے ہراسان ہر سو آوارہ و

پریشان ہوئے جمع کروں القصہ شاہزادہ بہ کوشش بسیار وسعی بے شمار عرصہ قلیل میں مردم کثیر فراہم کر کے ویرانہ اس کنجِ حسن و جمال کا طلسم آباد کیا مہ جبین نے بہ دل شاہ شاہزادہ سے کہا کہ جو زمانہ ستمگار نے گر یتیمی و خاک ناکامی میرے سر پر اُڑائی و عرصہ گیتی میں بے کسی مجھ کو دکھائی اب تمنا یہ ہے کہ بدولت و اقبال تختِ خلافت پر جلوس فرما اور اس بے دست و پا کو اپنے پرستارانِ حرم میں لا ماہ رو نے کہا جانتی ہے کہ مجھ کو امر بزرگ در پیش بالفعل چندے جہت نظم و نسق امور مرجوعہ اس جگہ رہوں اور جس دم کہ مقصود سے کامیاب ہوئے، مراجعت کروں اس وقت جو کہے تو بجا لاؤں مہ جبین نے کہا میرا دل و جان فدائی تیرے الطاف و محبت کا و کام و زبان میرا لبریز شکر اعطاف و شفقت کا در بارہ اس غم نصیب کے جو کچھ مہربانی مبذول کرے گا زیادہ مقدار اس کم مقدور سے ہوگی ماہ رو نے بہ پاسِ خاطر مہ جبین بروز ہمایوں سریرِ سلطنت پر جلوس فرمایا و تمامی ملک کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لایا آئینۂ زنگ آلود مملکت مصقلہ خلافت سے مصفا و منور ہوا و نہال خزاں رسیدہ خلافت بآب یاری خسرہ جہانگیر سرسبز و جلوہ گر شہزادہ تمام روز اجزائے امورِ جہانداری و امضائے مہم شہریاری کرتا دشت کو موافق استرضائی ماہ جبیں بادہ انبساط و نشاط جام سرخوشی میں بھرتا۔

## تصویر شاہزادہ بر تخت و حاضر ہونا تمام ارکانِ سلطنت کا

بظاہر ہمراہ اس رونق افزا کے یہ بزم کامرانی مانند لب ساغر خنداں رہتا لیکن باطن میں ہر دم مثال تیشہ سرنگوں فراق پری رخسار میں اشک ریز ہوتا اور کہتا۔

## غزل

یا الٰہی ملے صنم اپنا ورنہ جاتا ہے آج دم اپنا
کیسی ہم کو خوشی فراسو ہو گر وہ دلدار ہو بہم اپنا

اس کی بزمِ محفل طرب بے شمع دیدار جاناں نظر میں تیرہ تھی و رواح روح افزائی نقل لعل دلستاں کار زہر ہلاہل کرتی گاہے آتش غم سے کباب ہوتا ہو گداز الم سے مانند شمع یہ غزل پڑھ کر روتا۔

## غزل

غم سے تیرے مجھ کو ہے اب ناتوانی اس قدر
بلبلہ ہرگز نہ ہو گا یارِ جانی اس قدر

کچھ تو کر تدبیر دیوانہ کی اے پیرِ فلک
مفت میں جاتی ہے اس کی نوجوانی اس قدر

گریہ و زاری کرے گاہے کہے آہ و فغاں
آپ کی دوری میں گزری زندگانی اس قدر

اشک لخت دل سدا دیتے رہے ہیں ماحضر
غم کی ہم کرتے رہے ہیں میہمانی اس قدر

جس طرح پُر درد کہتا ہے فراسو شعر تو
کب ہو نالاں عندلیبِ بوستانی اس قدر

گاہے دریائے اضطراب میں غوطہ کھاتا اور نایابی گوہرِ مقصود سے مانندِ موج بے قرار ہو کے یہ غزل زبان پر لاتا:

## غزل

چشمِ بیمار ستمگر سے ہے بیماریٔ دل
دام میں زلف سیہ کے ہے گرفتاریٔ دل

زلف مشکیں سے ہے موجبہ گرفتاریٔ دل
خوف سے مارسیہ کے ہے یہ بیماریٔ دل

کیونکہ ہمسایہ اب آرام سے سوویں شب کو
آہ سوزاں سے ہے حد گرمی بازاریٔ دل

ہمدم اپنا شبِ ہجراں میں یہ رہتا ہے مدام
غمِ دلدار سدا کرتا ہے غمخواریٔ دل

گریہ سے کام ہے یا نالہ سے ہے کام سدا
شبِ ہجراں کی کہوں کیسے میں بیداریٔ دل

کوہِ غم دلبرِ شیریں کا اُٹھایا اس نے
کیا بیاں کیجئے فرہاد سبکساریٔ دل

دوستو کیا میں بیاں اس کی کروں کیفیت
چشمِ میگوں کے سبب سے ہی ہے سرشاریٔ دل

گزری اک عمر تمہیں روتے فراسو صاحب
کان تک یار کی پہنچی نہ کبھی زاریٔ دل

رخصت ہونا ماہ رو کا ماہ جبیں سے پہنچنا نواحی دیار دلکشا میں وآنا ملک زادہ اس ولایت کا برائے شکار و صید ہونا پنجۂ شیر سے اس آہوئے مرغزار خلافت کو وقتل ہونا شیر کا دستِ ماہ رو سے وگرفتار کرنا بہ تہمت ماہ رو کو اور لانا آگے دلاور شاہ والی اس دیار کے وحکم کرنا قتل کا اس دل فگار کو

بزم آرائے داستان شبستان مدعا کو اس طرح شمع بیاں سے روشن کرتا ہے کہ ایک شاہزادہ بسترِ ناز پر آرام فرما تھا کہ ناگہاں وقت نصف شب یا دمہر نگار ہلال ابرو نے ناخن شوق اس کے دل میں مارا و بے اختیار فریاد برلایا وچشم دریا اشک گہربار سے سیلاب طوفاں خیز بہایا اور کہا۔

## غزل

عشق نہیں ہے بھلا عشق بری چیز ہے دل نہ کسی سے لگا عشق بری چیز ہے
خلق میں اس نے مجھے کردیا بدنام آہ عشق کا ہووے برا عشق بری چیز ہے
دل ہی نہیں مانتا کیجئے کیا ورنہ آہ کہتا ہے ناصح بجا عشق بری چیز ہے
درد و الم کے سوا اس میں نہیں کچھ حصول دیجے منادی پھرا عشق بری چیز ہے
عشق میں جب بحرِ اشک اُمڈے ہیں آنکھوں سے آہ دے ہے جہاں کو ڈُبا عشق بری چیز ہے
عشق میں جو آہِ گرم سینہ سے نکلے تو دے ارض و سما کو جلا عشق بری چیز ہے

مہ جبین کہ متصل اس دیوانہ کے خوابِ ناز میں تھی اس کے نالہ وفغاں سے مانندِ پری زدہ بیدار ہو کے پوچھا کہ آیا قرین اندوہ ملال کے کون ہوا اور کس لئے شیشۂ دل اپنا سنگِ غم پر توڑا ماہ رو نے کہا قربانت شوم تر غمزہ ترک چشمِ سفاک کا میں نے جو سینہ میں کھایا اب اس کا درد زخم بے اختیار دل کو بر فغاں لایا و حنظلِ فراق کا جو کام جاں میں مزا ہے اس نے جان شیریں کو تلخ کام کیا چاہتا ہوں برنگ باد صبا بہ خواہش بوئے گل جاناں پارا پُر خارتر دد پر رکھوں کہ زیادہ تاب دوری والم جدائی سے دل بیتاب کو صبوری نہیں مہ جبین نے باصغائے کلمات آہِ سرد دل سے نکالے اور کہا۔

فرد

تم بن نہیں خوش آتی اے یار زندگانی ہے جسم ناتواں سے بیزار زندگانی

اگر تجھ کو طاقت دوری محبوب نہیں مجھ سے دل جلے کو تیرے مفارقت میں زیست خوب نہیں خود منصفی کر کس طور تیری جدائی میں زندگی کروں و خیال وصال و وصالِ خیال میں دل بھروں۔

مصرع:

بر کسے پسند آنچہ بر خود آید ناپسند

کیا مشکل امر ہے اگر اجازت سفر سے دل تیرا ہاتھ میں لوں تو درد فراق سے دل اپنا ہاتھ سے دوں اگر راحت و آرام اپنا پیشِ نہاد خاطر کرتی ہوں تو رنج مزاج نازنین و اندیشہ تیرے چین جبیں سے مرتی ہوں۔

## غزل

مجھ سے بیزار الٰہی وہ دلارام نہ ہو اور ملوں بھی تو یہ ڈر ہے کہ وہ بدنام نہ ہو

جی میں ہی رکھوں ملاقات اب ایسے تم سے بیچ میں خط نہ قاصد نہ ہو پیغام نہ ہو

آتشِ دل کا بیاں کیونکہ فراسو لکھوں یہ کبھی خامۂ چوبین سے ارقام نہ ہو

ماہ رو نے اس کی تسلی خاطر منظور رکھ کے کہا اے مہ جبیں نہیں چاہتا کہ ایک لحظہ تیری دوری قبول کروں لیکن جو ضروری ہے مجبور ہوں۔

## غزل

ہوجائیں ہم پری سے جدا حور سے الگ　　پر رہ سکیں نہ اس بُتِ مغرور سے الگ
قاصد یہ کہیو اس بُتِ مغرور سے الگ　　کب تک رہو گے عاشقِ رنجور سے الگ
آتی ہے واں خدائی کی صورت ہمیں نظر　　ہے حُسن اُس کا نار سے اور نُور سے الگ
بستی ہوئی نہ بستی کو ویران کیجئے　　رہیے سدا نہ اس دلِ معمور سے الگ
جی تو فراسو دیتے ہیں پر دل نہ دیں گے ہم　　یہ بات تو ہمارے ہے مقدور سے الگ

ملول نہ ہو دل خوش رکھ با خدا کہ تجھ کو ایک دم اپنے دم سے جدا نہیں چاہتا و بلائے ہجراں میں مبتلا نہ رکھوں مہ جبین نے کہا اے آرام بخش دلِ بیتاب و اے تسکین وہ دلِ پُر اضطراب گل زندگانی تیری بے زلال دیدار طراوت نہیں بخشتا و نخل کامرانی بے بزم وصال پری کیفیت نہیں دیتا۔

## غزل

ہے دیدۂ تر میں مرے لخت جگر آتش　　اور دل میں تو رہتی ہے مرے بیشتر آتش
دریافت کرو میرے جلے دل کا تم احوال　　گر دل کی کرے دل میں تمہارے اثر آتش
ناصح تجھے ہے آہ کی شعلہ کی خبر کیا　　ہے آتشِ دل اس کو نہ پہنچے گی ہر آتش

مگر تیری خوشی خاطر سے غمِ مہاجرت میں مرتی ہوں اور داغِ غمِ ہجراں سینۂ جاں پر دھرتی ہوں جو شاہ سیمیں قبائے صبح نے تاج زریں خورشید سر پر رکھ کے سریرِ آسماں پر جلوس فرمایا تو طلعتِ نورانی سے ساحتِ جہاں کو منور کیا اس شاہِ کشورِ عاشقی نے خواب گاہ سے برآمد ہو کے تختِ سلطنت کو جلوس سے مزین کیا تمامی حضار و ارکان واعیانِ شہریاری کو حکم متابعتِ مہ جبیں کا دیا جو تمام وزرائے عظام و امرائے ذوالاحترام درگاہ ملکِ احتشام میں شرف اندوز ہوئے اس گروہ میں ایک کو بہ مشورت دور اندیش وفا کیش سمجھ کے جہت اجرائے مہماتِ سلطنت و امضائے امورِ خلافت سرفراز کر کے کہ فرمانِ مہ جبیں سے سرِ مو سرتابی نہ کرنا و بہ استرضائے ورضامندی اس کی معاملاتِ ملکی و مالی میں آگاہی و ہشیاری بجالانا و ایکدم دقیقہ و......۔

☆☆☆☆☆☆☆

سماں وصحن بازار کمال مصفی وصدمہ رفت و روب سے مبرا دکاکین بکمال
زیبائی خوشنما و ہر دوکان میں انواع اغذیہ واقسام اطعمہ مہیا لیکن اوس دیار
لطافت آثار میں نشان انسان ہویدا نہ تھا وہ خانہ ویران جنون سودائیہ معاینہ
ایسے شہر عالی بنیاد وعدم وجود سکنات سے حیران ہوا اوس
خانمان برباد سے پوچھا یہ کیا طلسم ہے غریب و سحر عجیب کہ باوجود موجود
اسباب واشیا متنفس و جاندار آنکھ نہیں آتا مہ جبین نے بگریہ وزاری
کہا کہ یہ شہر بدبر اوس حرمان نصیب کا ہی کہ اوس دیو بدبخت نے
ویران کیا اور مجکو یہاں سے اوٹھا کے اوس دشت میں لے گیا شاہزادہ
نے مدبر یافت ماجرا اشک آنکھوں سے روان کرکی اوسکی تسلی خاطر کی
اور کہا اے نازنین غمگین نہو کہ دست بقدر سے کسیکو گریز نہیں اور
درمان اوس درد کا بدست عقل تدبیر نہیں بصبر وشکیبائی چندے آنکھ
قیام کرتا ہر دیار و امصار سے انسان کہ مارے اوس دیو سے ہراسان
ہرسو آوارہ و پریشان ہوئے جمع کرون القصہ شاہزادہ بہ کوشش
بسیار وسعی بیشمار عرصہ قلیل میں ہر دم کثیر فراہم کرکی ویرانہ
اوس کنج حسن وجمال کا طلسم آباد کیا مہ جبین نے بدل شاد

علمی نسخہ قصہ عشق افزا (نسخہ الف)

وارے تسکین دہ دل پر اضطراب کل زندگانی تیری بی زار دل دیدار مرادت
ہائیں بخت بنا وصل کامرانی بی بزم وصال بری کیفیت بنیں دیتا یا غزل
ہاے دیدہ تر ہیں میری لخت جگر آتش ॥ ابعد دل میں نور نہاں ہے میری سینہ پر آتش
دریافت کرو میری جلی دل کا تم احوال ॥ ہم کو دل کی کری دلمیں تمہاری اثر آتش
ناصح نہ بجھی ہے آہ کی شعلہ کی خبر کیا ॥ ہی آتش دل اسکو نہ پہنچی ہی پر آتش
مگر تیری خوشی ہے خاطر سے غم مہاجرت میں مرتی ہوں اور درد غم ہجران سے
جان بر ہو رہی ہوں جو شاہ سکین قبا نے تاج زرین خورشید سر پر
رکھکی سریر آسمان پر جلوس فرمایا [illegible] نو طلعت نورانی سے سطح جہان کو
منور کیا اوس شاہ کشور عاشقی نے خوابگاہ سے برآمد ہوکی تخت سلطنت کو
جلوس سے مشرف کیا تمامی حضار و ارکان و اعیان شہریاری کو حکم متابعت
ماہ جبین کا دیا جو تمام وزرای عظام و امرای ذوالاحترام درگاہ ملک احتشام
میں شرف اندوز ہوی اوس گروہ میں ایک کو بہ مشورت دوراندیش و کاردانی
سمجھکی بجہت اجرای مہمات سلطنت و امضای امور خلافت سرفراز
کرکی فرمایا کہ فرمان ماہ جبین سے سر مو سرتابی نہ کرنا و بہ استرضای و رضامندی
اوسکی معاملات ملکی و مالی میں آگاہی و ہوشیاری بجالانا و ایکدم و دقیقہ و

دقایق

عکس قلمی نسخہ قصہ عشق افزا (نسخہ باقر)

# فرہنگ

آب وتابِ عناصرِ اضداد: تضادات کی روشنی، رونق، آرائش، زیبائش۔

اشعہ آفتاب: سورج کی کرنیں۔

آبیاریٔ تقدیر: تقدیر کی یاوری۔قسمت کی عنایت اور فضل و کرم۔

اورنگ آراء: تخت نشیں۔

الحاح وزاری: رونا دھونا۔

انشراحِ صدر: اطمینانِ قلب۔

انواع انواع: اقسام،اقسام (نوع کی جمع انواع)۔

اندکِ فرصت: کم فرصت۔

انواعِ طیبات: خوشیوں کی اقسام۔

آئینہ محاذِ آئینہ یا ماہ بمقابل ماہ: آئینہ کے روبرو آئینہ یا چاند کے بالمقابل چاند۔

استعجال: جلدی کرنا۔دوسروں سے جلدی چاہنا۔

اصغائے کلمات: بات کو توجہ سے سُننا۔

آشفتہ گیوں: تنومند دیوانہ۔

استماع: کان لگا کر سُننا۔غور سے سُننا۔

اُعجوبہ: حیران کُن۔عجیب وغریب۔انوکھی چیز۔

اشجار طوبیٰ آسا: بہشت کے درختوں کی مانند۔

اسیرِ زنجیرِ اضطراب: بے چینی کی زنجیر کا قیدی۔

آشنایانِ لہجہ بلا: مصیبت کی جُھریوں (تھکن) سے واقف۔

اسمار: رات۔رات کی تاریکی۔

آتشِ عطش: تشنگی کی آگ۔

اِنتعاش: عیش وعشرت۔

آتشِ فجارت: ہوس کی آگ۔

اخترنگوں: اُلٹا ستارا۔

ایمن: مبارک۔دائیں طرف۔راحت۔

اسد: آسمان میں پانچویں برج کا نام نیز علامت شیر۔

امصار: سرحدیں۔

ارغواں: نہایت سُرخ رنگ یا نارنجی رنگ۔

آبِ زلال: نہایت میٹھا،ٹھنڈا،خوشگوار،صحت بخش پانی۔

اعطاف: مائل بہ اکرام۔

آصفِ فراست: ذہانت کا خزینہ۔

اجزائے امورِ جہانداری: لوازماتِ کارِ دنیا۔

امضائے مہمِ شہر یاری: اپنوں کی مہمات کے لئے زحمت اُٹھانا۔

استرضائی: رضامندی چاہنا (رضامندی)۔

اجرائے مہماتِ سلطنت: سلطنت کی مہمات جاری ہونا۔

امضائے امورِ خلافت: حکمرانی کے کاموں (میں ذمہ داری اُٹھانا) کی مشکلات۔

اسیرِ دامِ کثرت: علائقِ دنیا کے جال میں پھنسا ہوا (قیدی)

ایستادگانِ پایۂ سریرِ سلطنت: وہ بہت بڑی جاگیر جو بادشاہ کی طرف سے بطور تحفہ کسی (خصوصاً علماء اور صوفیا) کو دی جائے۔

امرِ خطیر مخطور: دل میں بہت زیادہ وسوسے اور اندیشے پیدا کرنے کی صورتحال۔

## ب

بادشاہِ حسن وعشق: حسن اور عشق کا بادشاہ (خداوندِ تعالیٰ)۔

بزمِ سلیماں: سلیمانؑ کی محفل۔

بسانِ نیساں: بہار کے مہینے کی مانند (اس مہینے کی بارش کو بھی نیساں کہتے ہیں اور اسی بارش کے قطرات سیپ میں موتی بنتے ہیں)۔

بیت الحزن: غم کدہ۔

برنگِ عناب لبِ محبوبانِ مہہ جبیں: عناب کی طرح (سُرخ) حسین وخوبصورت معشوقوں کے لب۔

بہ ساعت خجستہ: مبارک گھڑی (ساعت) میں۔

باہتزاز: خوشی سے۔خوشگواری سے۔

برنگِ سمن: چنبیلی کے پھول کی طرح۔

برگشتہ بخت: جس کے برے دن آجائیں۔

بمجرد: جونہی۔

بدرقہ: حفاظتی دستہ۔

بالیں: سرہانہ۔

برِ پُر خطر: خطرناک وسعت۔

بہ استیلائے جوعِ صحرا: صحرا میں بھوک کی شدت (غلبہ) سے۔

برنگِ طبقِ زمردیں: سبز رنگ کی سینی (ٹرے) کی طرح۔

بمجردِ صدور: جونہی تدبیریں۔

بادِ عصیاں: گناہ (نافرمانی، سرکشی) کی ہوا۔

بغایت متالم: رنجیدہ (دُکھیا) کے غرض سے۔

بمجرد استماع: جونہی سُنا۔

بمجرد اصغائے مقال: جونہی گفتگو سُنی۔

بوالعجبی ہائے روزگار: دنیا (زمانہ) کی حماقتیں۔

باج خواہ: خراج دہندہ۔

بساطِ شب: رات کا بچھونا۔

بایں روزِ سیاہ: اتنا تاریک دن۔

بادام چشم: بادامی آنکھوں والا۔

بسانِ کباب سیخِ آہ پر جلا: کباب کی طرح آہ کی سیخ پر جلا۔

بیخ: جڑ۔اصل۔

بسانِ نہالِ طوبیٰ: بہشت کے درخت کی قلم (نہال ایسا پودا جسے ایک جگہ سے دوسرے جگہ لگایا جائے) کی طرح۔

بعث ونشر: جگانا اور پراگندہ ہونا۔

بدنہاد: بری سرشت۔

بارِ اقامت کھولا: قیام کرنے کو (بوجھ کھولا) ٹھہرا۔

برنگِ گوہر سب چراغ: رات کو چمکنے والے موتی کی طرح۔

بندی: قیدی۔

## پ

پاشکستگانِ وادیٔ معصیت: گناہ کی وادی میں تھکے ماندے۔

پیل مات: پیل شطرنج کے ایک مہرہ کا نام ہے جس کے معنی ہاتھی کے ہیں۔

پستہ دہاں: تنگ دہن۔ کنایتہ معشوق۔

پیراموں: گرداگرد۔ نزدیک ودور۔

پاشنہ: ایڑی۔ بندوق کا گھوڑا۔ لبلبی۔

پیشوائے مرسلاں: انبیاء کے رہنما۔

پاشنہ زن: ایڑی والی۔

پیش گارانِ خرد ور: عقلمند۔ ذہین لوگ۔

پژماں: مرجھایا ہوا۔ پژمردہ۔

پرتوِ جمال: خوبصورت۔

تگاپوئے بسیار: بہت دوڑ دھوپ، کوشش یا سعی کرنا۔

تفسیدہ: بہت گرم۔ جلا ہوا۔

تفتہ جگر: دل سوختہ، عاشق زار۔

تشنگی وگرسنگی: پیاس اور بھوک۔

تفرُّس: قیافہ سے پہچان لینا۔ عقل۔ سمجھ۔ دانائی۔

ناوک ہائے جگر دوز: حوصلوں کے تیر۔

تااندک: لمحہ بھر۔

تیغِ قصاص: خون بہا کی تلوار۔

تضرع: زاری کرنا۔ گڑگڑانا۔ منت کرنا۔

تیغِ دودم: دودھاری تلوار۔

تیرہ کوکب: بدبخت۔ بدنصیب۔

تحریرِ موسیٰ: موسیٰ کی تحریر۔

تختۂ فلکِ لاجورد: نیلگوں آسمان (نیلے رنگ کا آسمان)۔

## ت

تمکینِ دارا: دارا کا سا وقار، دارا کی سی عزت۔

تنویرِ خرد ورانِ نکتہ رس: صاحبانِ دانش کی جھلک۔

تعشق اندیش: عاشق کے سوچنے کا انداز۔

توسنِ تندخرام: تیز رفتار سرکش گھوڑا (الھڑ بچھیرا)۔

ترشح: بوندا باندی۔

رشحات: برتن سے ٹپکنے والا پانی۔ قطرات۔

تصویب: کسی کی رائے کو صحیح یا صائب قرار دینا۔

## ٹ

ٹکٹکی: تاک۔ نظر۔ آنکھیں انتظار میں کھلی رہنا۔

## ج

جانورانِ صید افگن: شکار کرنے والے جانور۔

جنت نموں: جنت نظیر۔

جلباب: چادر۔

جامِ رحیقی: خالص شراب (شرابِ معرفت) کا جام۔

جیغہ ہائے بے بہا: نادر انعام واکرام۔

جامِ فغفور: شاہی جام (چین کے ایک حکمران کا نام نیز شاہانِ چین کا لقب)۔

جویائے پری دہاں: خوبصورت چہرے کا متلاشی۔

جعد: گھونگریالے بال۔

جوعِ عطش: بھوک پیاس۔

جوزا: آسمان میں تیسرے بُرج کا نام۔ نیز علامتِ ڈول۔

## چ

چرخِ مدوّر: گول آسمان۔

چاہِ گمنامی: گمنامی کا کنواں۔

چشمۂ زلال: میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ۔

چنگ: ساز کا نام۔

چھماں چھماں: ناز وادا یا اٹھلا اٹھلا کر چلتے ہوئے۔

چنگِ ناخن: تدبیر کی بازی۔

چشمۂ آبِ حیواں: آبِ حیات یا آبِ بقا کا چشمہ۔

چرخ گرداں: چکر باندھنا۔ گردگھومنا۔

چتون: نظر۔ نگاہ۔

چھب: نازوادا۔

چشمِ میگوں: سُرخ آنکھ (نشیلی آنکھ)۔

## ح

حور نژادانِ شمع رو: پریوں کا روشن چہرہ۔

حبابِ نور آگیں: روشنی کا بلبلہ (ہنڈا)۔

حدائقِ روایات: روایات کے باغ (روایتی باغ)۔

حدیقۂ رعنائی: رعنائی کا باغ۔

حضار: دیار۔ شہر (بودوباش)۔

حسب الامر: حکم کے مطابق۔

حصر: حصار۔

حدیقۂ خاطر: دل کا باغ۔

حنظلِ فراق: فراق کی کڑواہٹ۔ کنایتہً ناقابلِ برداشت جدائی۔

حضار وارکان واعیان: سلطنت اور کارپرداز ساتھی۔

حباب نمط: بلبلہ کی طرح۔

## خ

خدنگ: تیر۔

خاتمِ اقلیم پر مثالِ نگیں: ولایت (ملک) کی انگوٹھی پر نگینہ کی مانند۔

خورشیدِ سعادت برجِ حمل سے طلوع ہوا: موسمِ بہار کا آغاز ہوا۔

خوبانِ خوش آواز: سُریلے معشوقان۔

خارِ وسوسہ: اندیشے کا کانٹا۔

خورشید شپہر جمال: خوبصورت آسمان پر سورج۔

خیالاتِ دوشینہ: کل رات کے خیالات۔

خاطرِ ناشکیب: دل کا بے صبرا پن۔

خلخال: پازیب۔

خنیاگرانِ خوش آواز: سُریلے گویّے (گانے والے یا والیاں)۔

خاکِ شقاوت: سنگدل سرزمین۔

خورشید طلعت: روشن چہرہ۔

خارِ مغیلاں: ببول کے کانٹے۔

خان ومانِ آوارہ: آوارہ کا گھر بار (دودمان)۔

خدنگِ غم: غم کا تیر۔

خوابِ نوشینِ سحر: صبح کی گہری اور میٹھی نیند کا خواب۔

خورش: سالن۔

د

دارالملکِ ہستی: خداوندِ تعالیٰ (ہستی کا داروغہ)

درویشِ صداقت کیش: سچائی پر گامزن درویش۔

دشنۂ خار: خنجر کی نوک۔

درگاہِ واہب العطیات: بارگاہِ خداوندی۔

دغدغہ: فکر۔ اندیشہ۔ خوف۔

دُرۃ التاج: تاج کا موتی۔

دنبال: دُم۔ پیچھا۔

دلقِ گدائی: لباسِ فقر۔

دودمانِ شہریاری: شاہی خانوادہ۔

دودِ دوام: ابدی اندھیرا۔ رنج۔

دیدۂ سرمہ اکسنت: سیاہ پتلی والی آنکھ (سیاہ چشم)

دیدہ نہ دیدہ: بینا نابینا۔ دیکھا ان دیکھا۔

دیو نافرجام: ظالم۔ شقی القلب دیو (جن، بھوت)۔

دل خستہ: شکستہ دل۔

دارو گیر: پکڑ دھکڑ۔

دل ریش: دلفگار۔ زخمی دل۔

دود نہاد: تاریک سرشت۔

درماں: علاج۔

درباره: بابت۔

داؤدی: پھول کا نام۔

دلا: محبوب۔

دلسوز: خیراتی خاں دلسوز (شاگردِ شاہ نصیر)۔

ذ

ذرہ: ذرا۔

ر

رزمِ زہرہ: ستارا (ناہید) کی لڑائی۔

روائح معطر: خوشبوؤں سے معطر۔

رنجِ محاق: اندھیری رات (چاند کے چھپنے کی تاریخیں) کا غم۔

رقعہ رقعہ کرنا: پرزے پرزے کرنا۔ پھاڑنا۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

رباب: ساز کا نام

رعد: بادل کر گرج۔ بجلی کی کڑک۔ ایک عاشق کا نام۔

رسن: رسی۔ پھانسی کا پھندا۔

رحیق مدعا جام: جام کا مدعا خالص شراب۔

رازق فراقِ جاناں: محبوب کی جدائی میں رزق عطا کرنیوالا۔

رواح روح افزائی: سرِ شام (عصر کا وقت) تسکین کا ساماں۔

رواقِ رنگیں: رنگین چھجہ۔

رقاصانِ زنگلہ نواز: مخصوص ساز پر رقص کرنے والے۔

رسول: پیغام رساں۔

## ز

زورقِ تمنا: تمنا کی کشتی۔

زورق: کشتی۔

زمامِ بازگشت: مہار۔ نکیل کی واپسی (ہمت کی واپسی)۔

زنخدانِ گلعذاراں: محبوب کی ٹھوڑیوں کے نیچے گڑھے۔

زبانِ تملق بیاں: خوش آمدیوں کی چرب زبانی۔

زنجیرِ زلفِ سنبلیں مو: خوشبودار اور خوبصورت بالوں کی چٹیا۔

زمینِ مینونشاں: جنت نظیر سرزمین۔

زیبا مقال: شائستہ گفتگو۔

زنبق: پھول دار پودا۔ پھول۔ خوشبو۔

زہرہ: ستارا (ناہید)۔

زنہار: ہرگز۔

زشت: بدشکل۔

زقندزنی: کودنا۔ پھاندنا۔ چھلانگیں لگانا۔

## س

ساحتِ جہاں: دنیا کی کشادگی۔

سراپا مہہ جبیں: سر سے پاؤں تک حسین وخوبصورت۔

سوادِ دل نشینِ رنگارنگ: قرب وجوار رنگ برنگ کے دل پذیر۔

سریرِ عطارد: سریرِ عطارد۔

سمندِ تیزگام: زردی مائل تیز رفتار گھوڑا۔

سمومِ عشق: عشق کا زہر۔

سریرِ ہوادار: اُڑن تخت۔

سوفار: سوئی کا ناکہ۔

سائر: باقی۔ تمام۔ سیر کرنے والا۔

سمن سیما: خوبصورت پیشانی والا۔

سپہرِ لاجوردی: نیلے رنگ کا آسمان۔

سخافت: غلیظ۔ پست۔ غیر معیاری۔

سیمیں مہرہ: سانپ کا روشن (چاندی جیسا) منکا۔

سقف: چھت۔

سرکوب: کچلا ہوا۔

سہیلِ ظلمت: اندھیرے کا ستارا۔ بدبختی۔

سلکِ گہر: موتیوں کی لڑی۔

ساعدِ سیمیں: خوبصورت اور نرم و نازک بازو۔

سبلیاں: سب۔ کُل۔ تمام۔

سمرن: مالا۔ تسبیح۔

سمِ ہلاہلِ فراق: فراق کا مہلک زہر۔

## ش

شیفتہ: فریفتہ۔

شتاب: جلدی۔

شگافِ کوہ: غار۔

شعابِ جبال: پہاڑوں کی گھاٹیاں۔

شرزہ: بپھرا ہوا۔

شہرِ مینو سواد: جنت کے آس پاس شہر (جنت نشان شہر)۔

شب دیز: سیاہ رنگ کا گھوڑا۔

شعلہ نمط: شعلہ کی طرح۔

شوخ ترسا: نڈر، بے باک عیسائی۔

## ص

صدائے زیر و بم: آواز کا اُتار چڑھاؤ۔

صائب آوردے: درست پہنچنے والا۔ (یا ٹھیک وقت پر)

صغار و کبار: چھوٹے اور بڑے۔

صہبائے مروق: صاف کی ہوئی ایک قسم کی لال شراب (سفید انگوروں کی شراب)۔

صفا آگیں: پاکیزگی سے بھرا ہوا (یا قناعت، مسرت سے)۔

صداع: دردِ سر۔

## ض

ضیغمِ خونیں چنگ: شیر کا خون سے بھرا ہوا پنجہ۔

## ع

عاشقانِ لاابالی: بے فکر عاشق۔

علیٰ ہذا القیاس: اسی طرح۔ اسی قیاس پر۔

عنانِ عزیمت: ارادہ کرنے کا فیصلہ۔ (اولوالعزمی)

عیشِ مواصلت: وصل کا لطف۔

عود: ایک قسم کی لکڑی جسے خوشبو کے لئے جلاتے ہیں۔ اور یہ لکڑی پانی میں ڈوب جاتی ہے۔

عمامِ چشم: بلند نگاہی۔

عناب گوں: عناب کے رنگ کا سیاہی مائل سُرخ۔

عجز و الحاح: منت سماجت کرنا۔ گڑگڑانا۔

عتبۂ فلک: آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہلیز۔

عسیر: دشوار مشکل۔ تنگ۔ قیامت کے دن کو بھی کہتے ہیں۔

عالمیاں: عالمیان جمع عالمی کی بمعنی انسان، لوگ۔

## غ

غوغائے فریاد وفغاں: فریاد کرنے کی آواز۔

غنچۂ مقبوض: قبضہ کیا ہوا پھول۔ کنایۃً دہنِ معشوق۔

## ط

طرفۃ العین: آنکھ کا جھپکنا۔ چشم زدن۔

طبیباں: طبیب کی جمع۔

طوعاً وکرہاً: چار و ناچار۔ جبراً۔

طوبیٰ لقا: خوشبو کی صورت۔

طرۂ پُر پیچ، کافر کیش: عجیب انوکھا، مشکل۔ کافر جیسی خصلت رکھنا۔

طالع واژگوں: منحوس قسمت۔ قسمت یا بخت کی خرابی۔

## ظ

ظلمتِ غم کو نورِ شادی سے روشن کیا: مصائب کی دنیا کو شادی کی خوشی سے روشن کیا۔

## ف

فرق: فاصلہ دوری۔ خلل یا کمی۔ مختلف۔

فواکہ گوناگوں: مختلف اقسام کے پھل۔

فرخ: مبارک سفید۔ خوبصورت۔

فلک... بسجہ گردانیٔ انجم: آسمان پر ستاروں کی گردش۔

فرخار: ترکی کا ایک مشہور شہر جو اپنے باشندوں کی خوبصورتی کے لئے مشہور تھا۔

فرسنگ: (فرسخ کا مفرّس) فاصلے کا ایک ماپ جو ۱۸ ہزار فٹ ہوتا ہے۔

فراق: حکیم ثناء اللہ فراق دہلوی۔

## ق

قیل وقال: گفتگو۔ بات چیت۔ بحث ومباحثہ۔

قلّاب: مچھلی پکڑنے کا آلہ یا کانٹا۔ کنڈی۔

قربانت شوم: ترے واری جاؤں۔ صدقے جاؤں۔

قم باذن اللہ: خدا کے حکم سے جی اُٹھ۔ حضرت عیسیٰ مُردوں کو یہ حکم سُنا کر زندہ کیا کرتے تھے۔

## ک

کیسہ صد طمع: لالچ کی پوٹلی یا تھیلی۔

کلبۂ کلفت: مصیبت کا گھر، جگہ۔

کدام: (کلمۂ استفہام) کون۔ کونسا

کاؤ کاؤ: کوشش۔ کھوج۔ تلاش۔ کرید۔

کلبۂ احزاں: غم کدہ۔ ماتم کا گھر۔

کماینبغی: جیسا کہ چاہیے۔ حسبِ اطمینان۔ بخوبی۔

کلیدِ فتح البابِ زنداں: قید سے رہا ہونے کی کلید۔

کحل الجواہر: وہ سرمہ جس میں آنکھوں کی تقویت کے لئے
مروارید ناسفتہ اور دوسرے جواہر ڈالے جاتے ہیں۔
کلفت: پریشانی۔مصیبت۔
کاوِگرددں: نہایت کوشش۔
کافۂ انام: آدمیوں کا گروہ۔کل نسلِ انسانی۔
کمندِ بلا: مصیبت کا پھندا یا رسی۔
کیوڑا: ایک درخت اور اس کے پھول کا نام جس کی
خوشبو نہایت عمدہ ہوتی ہے۔
کفل: آدمی یا حیوان کے چوتڑ۔
کھجوری: پھل کا نام۔خرما۔
کرن پھول: کان کا زیور۔گوشوارہ۔
کواکبِ سپہرِ خجالت: شرمندہ آسمان کے سیارے۔
کیفی: متوالا۔مدہوش۔مخمور۔سرشار۔
کیواں: زحل

## گ

گلہائے گونا گوں: مختلف باتیں۔
گل گونِ عزم: گھوڑے کی مانند مضبوط ارادہ۔
گلِ نیلوفر: کنول کا پھول۔
گلہائے الواں: پھولوں کی روش۔
گرگ پذیر: بھیڑیے کی سی چالاکی۔
گردشِ چرخ کام: آسمان کی گردش۔
گلگشتِ بوستاں: باغ کی سیر۔سیرِ چمن
گنجینہ: خزانہ۔دفینہ۔
گردنِ مینا: صراحی کی گردن۔
گلِ اورنگ: اودے سفید یا سرخ رنگ کا پھول۔

## ل

لآلی متلالی: بمعنی موتی کی جمع۔
لبِ جوئبارِ زندگانی: بہت بڑی نہر کے کنارے۔
لالہ نمط داغِ جگر: جگر کے داغ کا چمکنا۔
لولوِ دندانِ صدف دہاں: منہ میں موتی جیسے دانت۔
لعبتانِ چین و چگل: چین و چگل کی گڑیاں (چگل ترکستان کا
ایک شہر جو حسن خیزی کے لئے مشہور ہے۔)
لطمۂ باد: ہوا کا تھپیڑا۔
لہجۂ اضطراب: پریشانی کے الفاظ۔اندازِ گفتگو سے پریشانی
ٹپکنا۔
لنگ لنگاں، افتاں وخیزاں: جیسے تیسے بن پڑا۔
لاتزلزل: حرکت نہ کرنا۔بے حرکت۔
لاجوردی فلک: نیلا آسمان
لعبتِ دلفریب: نہایت خوبصورت گڑیا۔
لولوئے گوش: کانوں کے موتی۔

م

ماہِ سریع السیر: بہت تیز حرکت کرنے والا چاند۔

مجمر: وہ برتن جس میں خوشبودار چیزیں جلاتے ہیں۔عوددان۔

ملتِ بیضا ضیائی: روشن قسمت والی قوم۔

مہارِ انصاف: انصاف کی باگ ڈور۔

مرات کف دعا: آئینہ کی طرح دعا کے لئے اُٹھا ہوا ہاتھ۔

معلمانِ خرد سگال: عقل سکھانے والے معلم۔

مزرع: کھیتی۔

مرغانِ خوش منقار: خوبصورت چونچوں والے پرندے۔

محضرِ جمال: حاضر ہونے کی خوبصورت جگہ۔

مانندِ ماہِ نخشب: نخشب (ترکستان کا وہ شہر جسکے قریب سے حکیم ابن مصنع نے کنوئیں سے مصنوعی چاند نکالا تھا) کی طرح۔

منزلِ بہشت آمین: جنت کی مانند جگہ۔

مقنعۂ زرتار: سونے کے تاروں سے بنایا ہوا وہ باریک کپڑا جو دلہن کے سہرے کے نیچے باندھا جاتا ہے۔

مستِ خوابِ تنعم: امن وچین کے خواب میں مست ہونا۔

مہدِ دولت: دولت کا گہوارہ۔

محاذی پلنگ: سامنے والا پلنگ۔

مقنعہ وزرباف: تاروں سے بنا ہوا کمخواب اور وہ باریک کپڑا جو دلہن کے سہرے کے نیچے باندھا جاتا ہے۔

منہانِ کارگزار: کارآگاہ

معاودتِ مصوراں: مصوروں کی واپسی۔

مرخص: رخصت کیا گیا۔اجازت دیا گیا۔

مردنگ: ایک قسم کی ڈھولک جو طبلہ کی طرح ایک طرف سے بجائی جاتی ہے۔

مانندِ اخگر: انگارے کی مانند۔

معہود: عہد کیا گیا۔

مغلول: جس کی گردن میں طوق ڈالا گیا ہو۔

مانندِ رودِ نیل: نیل کے دریا کی طرح

مشکیں مو: خوشبودار بال۔

متواصل: جڑا ہوا۔ملا ہوا۔

مومیائی: ایک دوا جو موم کی طرح نرم ہوتی ہے اور زخم وضرب کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔

مستامعوں: سماعت کرنے والا۔

میانِ برگ وکاہ: گھانس پھونس کے درمیان۔

مضیق: قیدی۔

مہام: مہم کی جمع۔

مغاک: غار۔گڑھا۔پہاڑ کی کھوہ۔

معدلت پناہ: انصاف کرنے والا۔

مشتری: ایک ستارہ کا نام ہے جو چھٹے آسمان پر ہے اور سعد سمجھا جاتا ہے۔

محک: وہ پتھر جس پر سونے کو گھس کر دیکھتے ہیں۔کسوٹی۔

مرام: مراد۔مطلب۔مقصد۔

مخافت: جائے خوف۔خطرہ۔اندیشہ۔

مہرۂ تابناک: سانپ کا چمکدار منکا۔

مدام: ہمیشہ۔

مفتون: فریفتہ۔عاشق۔

مراجعت: واپسی۔لوٹنا۔رجوع کرنا۔

متابعت: پیروی فرمانبرداری اطاعت۔

مُلِ کامرانی: کامیابی کی شراب۔

مشبک: وہ جالی دار شے جس میں سوراخ ہوں۔

مرتبۂ ہرمور: ہرادنیٰ کا مرتبہ۔

موگرا: موتیا، بڑا بیلا۔

مشک وعنبر: خوشبو، ہرن کی ناف سے نکلنے والا سیاہ رنگ کا خوشبو دار مادہ۔کنایتہً معشوق کی زلف۔

مدور: دائرہ نما گول۔

منقوطہ: نقطہ دار۔

مہملہ: بے کار۔

معدنِ ملاحت: خوبصورتی کی کان۔

مسّی کی دھڑی: مسّی کی تہہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں۔

## ن

نادک ہائے جگر دوز: جگر میں اتر جانے والا تیر۔

نگینِ فریدوں: بے مثال نگ یا پتھر۔

ناحنِ ستم: ظلم

نادرِ آفاق: قیمتی بہت زیادہ۔

ناہیدِ فلک: آسمان کا زہرہ ستارہ۔

نخچیر افگن: جانور کا شکار کرنا۔شکار کے لئے جانور مارنا۔

ناحنِ فکر: بہت سوچنا۔غور وفکر کرنا۔

نزہت: پاکیزگی۔

نسرین ونسترن: ایک قسم کا پودا جسکے پھول نہایت خوشبودار اور سفید ہوتے ہیں۔یہ گلاب کی ایک قسم ہوتی ہے۔(سیوتی)

نازنینِ سہی بالا: لانبے قد والا معشوق

نیلگوں خانہ سپہر: آسمان

نظرِ استحسان: اچھا جاننا۔پسند کرنا۔

نزہت طرازِ قدرت: بے عیبی سے سجانا۔

نصیر: شاہ نصیر دہلوی (استادِ فراسو)

نویلی: نویلا کی تانیث۔نئی۔تازی۔انوکھی۔

## و

وجودِ فائض الجود: سب سے زیادہ ضروری وجود۔

ورطۂ نامیدی: ناامیدی کا بھنور۔

واہیٰ: یا خدا۔

وے: وہ کی جمع (متروک)۔

وو ہیں: وہیں۔

واللہ: خدا کی قسم۔بے شک۔

## ہ

ہواداری تدبیرِ صائب: درست اقدام کا فائدہ۔

ہیہات ہیہات: غضب ہوا۔ افسوس افسوس۔

ہبوبِ باد: ہوا کا چلنا۔

ہبوبِ ریاح: ریاح خارج ہونا۔

ہژبر: (ہزبر) شیر ببَر۔ پھاڑ ڈالنے والا۔

ہمقرآں: یار۔ مصاحب۔

ہفت کشور: ہفتِ اقلیم، سات ولایتیں۔ سات دنیائیں۔

## ی

یمین و یسار: دائیں اور بائیں طرف۔ چپ و راست۔

# کتابیات


| | | |
|---|---|---|
| ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ | رشید حسن خان | ایجوکیشنل ہاؤس، علیگڑھ، ۱۹۷۸ء |
| اربابِ نثرِ اردو | مولوی سید محمد صاحب | مکتبۂ معین الادب، ۱۹۵۰ء |
| اردو ادب کی تحریکیں | ڈاکٹر انور سدید | انجمنِ ترقی اردو، پاکستان (طبع اول) ۱۹۸۵ء |
| اردو پاکستان کی قومی زبان | میاں بشیر احمد | انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء |
| اردو داستان تحقیق و تنقید | قمر الہدیٰ فریدی | لیتھو کلر پرنٹرس، علیگڑھ، ۱۹۹۱ء |
| اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ | ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد | مکتبۂ خیابانِ ادب لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء |
| اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری | ڈاکٹر فرمان فتح پوری | انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۸ء |
| اردو کی ادبی تاریخیں | گیان چند جین | انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۰ء |
| اردو کی نثری داستانیں | گیان چند جین | انجمن ترقی اردو پاکستان، (طبع اول) ۱۹۵۴ء |
| اردو کے یورپین شعراء | شفقت رضوی | موڈرن پبلشرز صدر، کراچی، ۱۹۸۱ء |
| اردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں | ڈاکٹر محمد باقر | مجلسِ ترقی ادب لاہور (طبع اول) اگست ۱۹۷۲ء |
| المنجد (جدید عربی اردو لغات) | | کتب خانہ دار الاشاعت، جولائی ۱۹۸۵ء |
| انتخابِ دواوین | امام بخش صہبائی | |
| انتخابِ سخن (فراسو فرنگی) | حسرت موہانی | اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء |
| انتخابِ یادگار | امیر مینائی | تاج المطابع رام پور، ۱۸۸۰ء |
| انسائیکلو پیڈیا تاریخِ عالم (جلد دوم) | تالیف: ولیم ایل لینگر، ترجمہ: غلام رسول مہر | |

| | | |
|---|---|---|
| انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ | عبداللہ یوسف علی | دوست ایسوسی ایٹس پبلشرز لاہور، مئی ۱۹۹۴ء |
| اُصولِ تحقیق وترتیبِ متن | ڈاکٹر تنویر احمد علوی | شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء |
| آبِ حیات | محمد حسین آزاد | الائیڈ بک کمپنی جامعہ کراچی، کراچی، مئی ۱۹۹۱ء |
| آبِ کوثر | شیخ محمد اکرام | فیروز سنز |
| آثار الصنادید | سر سید احمد خان | |
| آخری مضامین | سر سید احمد خان | ۱۳۱۵ھ |
| باغ و بہار | میر امن دہلوی | ولیم واٹسن |
| پیرس میں اردو مخطوطات | آغا افتخار حسین | ترقی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء |
| تاریخ ادبِ ہندوستانی | گارسیں دتاسی، مترجم وتنقید وحاشیہ: لیلیان سکستین نذرو (مقالہ برائے پی ایچ ڈی) | ۱۹۶۰ء |
| تاریخِ ادب اردو (جلد اول تا پنجم) | پروفیسر سیدہ جعفر- پروفیسر گیان چند جین | قومی کونسل برائے اردو زبان دہلی، ۱۹۹۸ء |
| تاریخِ ادب اردو | ڈاکٹر جمیل جالبی | مجلس ترقی ادب لاہور، (طبع سوم) ۱۹۹۴ء |
| تاریخِ ادب اردو | رام بابو سکسینہ | مطبع منشی نول کشور لکھنؤ |
| تاریخِ اودھ | نجم الغنی رامپوری | |
| تاریخِ نظم ونثرِ اردو | تالیف: آغا باقر | لاہور ۱۹۳۳ء |
| تحریکِ علی گڑھ اور حیدر آباد دکن | محمد حسام الدین خاں غوری | دارالادب پاکستان کراچی، جنوری ۱۹۷۹ء |
| تحقیق وتنقید | ڈاکٹر فرمان فتحپوری | ماڈرن پبلشرز کراچی، ۱۹۶۳ء |
| تحقیقی مطالعے | پروفیسر عطا کاکوی | |
| تذکرہ اہلِ دہلی | قاضی احمد میاں جونا گڑھی | |
| تذکرہ بزمِ سخن | سید علی حسن خاں | مطبع مفید عام آگرہ، ۱۸۸۱ء |

| | | |
|---|---|---|
| تذکرہ بہارِ بے خزاں | احمد حسین سحر | علمی مجلس دلّی، ۱۹۶۸ء |
| تذکرہ بہارستانِ ناز | فصیح الدین رنج، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی | مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء |
| تذکرہ بہاروخزاں | میر بہاءالدین حسین خان عروج | ۱۱۸۳ھ |
| تذکرہ تحفۃ الشعراء | افضل بیگ قاقشال، مرتبہ: ڈاکٹر حفیظ قتیل | حیدرآباد دکن، ۱۹۶۱ء |
| تذکرہ چمن انداز | درگاہ پرشاد نادر | ۱۸۷۸ء |
| تذکرہ چمنستانِ شعراء | لچھمی نرائن شفیق، مرتبہ: مولوی عبدالحق | مطبوعہ انجمن ترقی اردو، (طبع اول) ۱۹۲۶ء |
| تذکرہ خزینۃ العلوم | درگاہ پرشاد نادر | مطبوعہ مطبعِ عام مفید، لاہور (مملوکہ انجمن ترقی اردو، کراچی) ۱۸۷۹ء |
| تذکرہ دستور الفصاحت | احمد علی خاں یکتا، مرتبہ: عرشی | مطبوعہ رام پور، ۱۹۴۳ء |
| تذکرہ دیوانِ جہاں | بینی نرائن جہاں | مطبوعہ پٹنہ، ۱۹۵۹ء |
| تذکرہ ریاض الفصحا | غلام حامد ہمدانی مصحفی، مرتبہ: مولوی عبدالحق | مطبوعہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۴ء |
| تذکرہ ریاضِ حسنی | عنایت اللہ فتوت | |
| تذکرہ سخن الشعراء | عبدالغفور خاں نساخ | اتر پردیش، ۱۹۸۲ء |
| تذکرہ سراپا سخن | سید محسن علی | ۱۸۵۲ء |
| تذکرہ شمیمِ سخن (حصہ اول) | عبدالحیٔ صفا | مطبع امدادالہند و عین الاخبار، مرادآباد |
| تذکرہ شمیمِ سخن (حصہ دوم) | عبدالحیٔ صفا | مطبع نول کشور، لکھنؤ، (طبع دوم) ۱۸۹۱ء |
| تذکرہ شوکتِ نادری | کلب حسین خاں نادر | ۱۲۴۷ھ |
| تذکرہ طبقاتِ سخن | غلام محی الدین مبتلا میرٹھی | ۱۸۱۵ء |
| تذکرہ طورِ کلیم | نورالحسن خان | مطبوعہ مطبعِ عام آگرہ، ۱۲۹۸ء |
| تذکرہ عروس الاذکار | نصیر الدین احمد نقش، مرتبہ: افسر امروہوی | انجمن ترقی اردو، کراچی |
| تذکرہ عمدۂ منتخبہ | نواب عظیم الدولہ سرور، مقدمہ: ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی | شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء |

| | | |
|---|---|---|
| تذکرہ عیار الشعراء | خوب چند ذکاء | ۱۸۳۲ء |
| تذکرہ فرح بخش | نواب یار محمد خاں شوکت | مطبع نظامی کانپور، ۱۲۸۸ھ (مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی) |
| تذکرہ قطعہ منتخب | عبدالغفور خاں نساخ، مرتبہ: ڈاکٹر | مطبع نول کشور لکھنؤ، جولائی ۱۸۷۴ء |
| تذکرہ گل عجائب | اسد علی خاں تمنا، مرتبہ: مولوی عبدالحق | مطبوعہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۶ء |
| تذکرہ گلدستۂ ناز نیناں | کریم الدین | فروری ۱۸۴۵ء |
| تذکرہ گلزار ابراہیم | علی ابراہیم خلیل، مرتبہ: مولانا عرشی | مطبع مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، ۱۹۳۴ء |
| تذکرہ گلستانِ بے خزاں | قطب الدین باطن | مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۸۵۷ء |
| تذکرہ مسرت افزاء | ابوالحسن، مرتبہ: سید شاہ عطا الرحمٰن کاکوی | مطبوعہ عظیم الشان بک ڈپو پٹنہ، اپریل ۱۹۶۹ء |
| تذکرہ نسخۂ دلکشا | جنم جی مترا رمان | گنیش پریس، (طبع اول) ۱۸۷۰ء |
| تذکرۂ اردو مخطوطات | ڈاکٹر محی الدین قادری زور | |
| تذکرۂ ارمغانِ گوکل پرشاد | گوکل پرشاد | شیخ نبی بخش پرنٹرز کانپور |
| تذکرۂ آبِ بقا | خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی، مرتبہ: جعفر علی صاحب نشتر | مطبوعہ امالی پریس لکھنؤ، ۱۹۱۸ء |
| تذکرۂ آزردہ | صدر الدین خان آزردہ | |
| تذکرۂ بے جگر | خیراتی لعل بے جگر | |
| تذکرۂ حیدری (گلشنِ ہند) | حیدر بخش حیدری | علمی مجلس، دلی، ۱۹۲۷ء |
| تذکرۂ ریاض الفردوس | محمد حسین خاں جہاں پوری | علمی پریس لاہور، اپریل ۱۹۶۸ء |
| تذکرۂ ریختہ گویاں | فتح علی حسین گردیزی، مرتبہ: عبدالحق | انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء |
| تذکرۂ شعرائے اردو | میر حسن | مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، ۱۹۲۱ء |
| تذکرۂ شعرائے رامپور | جارج نیٹم (صاحب وجر جیس) | معاصر پٹنہ، جنوری ۱۹۵۲ء |

| | | |
|---|---|---|
| تذکرۂ شعرائے میرٹھ | نور احمد میرٹھی | ۲۰۰۳ء |
| تذکرۂ شعراء | ابنِ امین طوفان، مرتبہ: قاضی عبدالودود | ادارۂ تحقیقاتِ اردو پٹنہ ۱۹۵۴ء |
| تذکرۂ شورش | غلام حسین شورش، مرتبہ: کلیم الدین احمد | لیبل لیتھو پریس پٹنہ، ۱۹۵۹ء |
| تذکرۂ طبقاتِ شعراء (طبقۂ چہارم) | ایف فیلن و کریم الدین، مرتبہ: عطا کاکوی | دائرۂ ادب پٹنہ ۱۹۶۳ء |
| تذکرۂ طبقاتِ شعراء (طبقۂ سوم) | ایف فیلن و کریم الدین، مرتبہ: عطا کاکوی | رئیس ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ ۱۹۶۷ء |
| تذکرۂ عشقی | محمد وجیہہ الدین عشقی، مرتبہ: کلیم الدین احمد | ۱۲۱۱ھ |
| تذکرۂ گلستانِ سخن | قادر بخش صابر، مرتب: خلیل الرحمٰن داؤدی | مجلسِ ترقیٔ اردو لاہور، ۱۹۶۶ء |
| تذکرۂ گلشنِ بے خار | نواب مصطفٰے علی خاں شیفتہ، مرتب: کلب علی فائق | نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۳ء |
| تذکرۂ نادری | کلب حسین خاں نادر، مرتبہ: پروفیسر مسعود حسین رضوی | لکھنؤ، ۱۹۵۷ء |
| تذکرۂ ہندی گویاں | غلام احمد ہمدانی مصحفی، مرتبہ: نور الحسن نقوی | مجلسِ ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۸ء |
| تذکرۃ الشعراء | مولانا حسرت موہانی، مرتب: شفقت رضوی | ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۹ء |
| تمدنِ ہند | ڈاکٹر گستاؤلی بان | ۱۸۶۲ء |
| تین تذکرے | نثار احمد فاروقی | |
| جامع القواعد (حصہ صرف) | ڈاکٹر ابواللیث صدیقی | مرکزی اردو بورڈ کراچی، ۱۹۷۱ء |
| چند نئے اور پرانے شاعر | سید محمد عبداللہ | اردو مرکز لاہور، (طبع اول) ۱۹۶۵ء |
| خطباتِ گارساں دتاسی مع مقدمہ عبدالحق (حصہ اول و دوم) | گارساں دتاسی | انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۹ء |
| خطی نسخہ قصۂ عشق افزاء (نسخۂ باقر) | فرانسوگاٹلیب کوین فراسو | |

| | | |
|---|---|---|
| خمخانۂ جاوید (جلد پنجم) | لالہ سری رام | مطبوعہ دہلی، ۱۹۴۰ء (مملوکہ کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو، کراچی) |
| خمخانۂ جاوید (جلد اول تا جلد چہارم) | لالہ سری رام | |
| خوش معرکۂ زیبا | مشفق خواجہ، مرتبہ: سعادت خاں نصیر | مطبوعہ عظیم الشان بک ڈپو، پٹنہ، ۱۹۶۸ء |
| داستانِ اردو | احتشام حسین | |
| داستانِ تاریخ اردو | حامد حسن قادری | اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۶ء |
| دو تذکرے (جلد اول ودوم) | کلیم الدین احمد، مرتبہ: غلام حسین شورش | لیبل لیتھو پریس، پٹنہ، ۱۹۵۹ء |
| دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر | ڈاکٹر محمد حسن | اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء |
| دیوانِ شور | شورؔ میرٹھی | مطبع مجتبائی پریس میرٹھ، ۱۸۸۴ء |
| رانی کیتکی کی کہانی | انشاءاللہ خاں انشاء | انجمن ترقی اردو، پاکستان (طبع اول) ۱۹۳۳ء |
| رسالۂ تذکرات | گارسیں دتاسی | |
| رودِ کوثر | شیخ محمد اکرام | فیروز سنز |
| زبان اور اردو زبان | ڈاکٹر فرمان فتحپوری | قمر کتاب گھر اردو بازار، کراچی، (طبعِ اول) ۱۹۷۳ء |
| زبانِ ریختہ | عبدالغفور نساخ | |
| سب رس | ملاؔ وجہی، مرتبہ: مولوی عبدالحق | انجمن ترقی اردو، پاکستان، (طبعِ اول) ۱۹۳۲ء |
| سخن ور (جلد اول) | سید محمد عبداللہ | ۱۹۷۶ء |
| سیر المصنفین | محمد یحییٰ تنہا | عالمگیر الیکٹرک پریس، لاہور، ستمبر ۱۹۴۸ء |
| شاہی محل | ڈاکٹر مبارک علی | فکشن ہاؤس لاہور، ۱۹۹۲ء |

| | | |
|---|---|---|
| شعر الہند | مولانا عبدالسلام ندوی | اعظم گڑھ،۱۹۴۲ء |
| شعرائے اردو کے تذکرے | ڈاکٹر سید عبداللہ | |
| شعرائے اردو کے تذکرے | ڈاکٹر حنیف نقوی | |
| طبقاتِ شعرائے ہند | مقدمہ:محمود الٰہی۔تالیف:منشی کریم الدین | اتر پردیش،۱۹۸۳ء |
| عجائب القصص | شاہ عالم ثانی،مرتبہ:خاور جمیل | مجلس ترقی ادب لاہور،(طبعِ اول) ۱۹۶۵ء |
| عصری ہندوستانی کہانیاں | ساہتیہ اکیڈمی بھارت | |
| فرنگیوں کا جال | امداد صابری | پبلشرز چوٹی والا،دہلی،۱۹۴۹ء |
| فرہنگِ آصفیہ(جلد اول تا چہارم) | سید احمد دہلوی،طبع سوم مرتب خورشید احمد خان | مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ |
| فسانۂ عجائب | رجب علی بیگ سرور،مرتبہ:رشید حسن خاں | نقوش اردو بازار،لاہور،اپریل ۱۹۹۰ء |
| فنِ داستان گوئی | کلیم الدین احمد | دائرۂ ادب بانکی پور،پٹنہ |
| فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات | ڈاکٹر عبیدہ اعظم | لکھنؤ نصرت پبلشرز،۱۹۸۳ء |
| فہرستِ مخطوطاتِ اردو | ڈاکٹر ظفر اقبال | ادارۂ کتابیات پاکستان،۱۹۹۱ء |
| کلکتہ کے قدیم مطابع اور انکی مطبوعات ایک تذکرہ | سید مقیت الحسن | عثمانیہ بک ڈپو،کلکتہ،۱۹۸۰ء |
| کلیاتِ شاہ نصیر دہلوی | ڈاکٹر تنویر احمد علوی | مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۷۱ء |
| گارساں دتاسی اردو خدمات علمی کارنامے | پروفیسر ثریا حسین | اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ،۱۹۸۴ء |
| گلشنِ سخن | مردان علی خاں مبتلا | مجلس ترقی اردو پاکستان،لاہور،۱۹۷۳ء |
| گلشنِ گفتار | حمید اورنگ آبادی،مترجمہ و مرتبہ:ایم کے ناظمی | مطبوعہ دانش محل لکھنؤ،۱۹۶۳ء |
| گلشنِ ہمیشہ بہار | نصر اللہ خاں خیشگی | مطبع فتح الاخبار کول،۱۸۵۳ء |

| | | |
|---|---|---|
| گلشنِ ہند | میرزا علی لطف | اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۶ء |
| گلکرسٹ اور اس کا عہد | عتیق صدیقی | |
| لسانی مسائل | ڈاکٹر شوکت سبزواری | مکتبۂ اسلوب، ۱۹۶۲ء |
| مباحث | سید محمد عبداللہ | مجلس ترقی ادب لاہور، (طبع اول) ۱۹۶۵ء |
| مجمع الانتخاب | شاہ محمد کمال، | انجمن ترقی اردو علیگڑھ، ۱۲۹۱ھ |
| مجموعۂ نغز | حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ قاسم | محمود شیرانی لیکچرر پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۳۳ء |
| مجموعۂ واسوخت | منشی فدا علی عیش | مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۲۸۵ھ |
| مخزنِ شعراء | فیاض نورالدین فائق | مطبوعہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء |
| مخزنِ نکات (اردو ترجمہ) | سید محسن علی | |
| مخزنِ نکات | قیام الدین قائم، مرتبہ: اقتدا حسن | مجلس ترقی ادب لاہور |
| مخطوط انجمن ترقیٔ اردو | | انجمن ترقیٔ اردو کراچی |
| مدائح الشعراء | عنایت حسین خاں مہجور | غیر مطبوعہ (تفصیلات سالنامہ ''نگار'' ۱۹۶۴ء) |
| مرحوم دہلی کالج | مولوی عبدالحق | |
| مسلم ثقافت ہندوستان میں | عبدالمجید سالک | ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۷ء |
| مقالاتِ حالی | خواجہ الطاف حسین حالی | انجمن ترقی اردو پاکستان |
| مقالاتِ سرسید | سر سید احمد خاں | مجلس ترقی ادب لاہور، (طبع اول) ۱۹۶۲ء |
| مقالاتِ شبلی | شبلی نعمانی | مطبع عارف اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء |
| مقالاتِ گارساں دتاسی (جلد اول و دوم) | مرتب: مولوی عبدالحق | انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۴ء |

| | | |
|---|---|---|
| مقالاتِ ماجد | عبدالماجد دریا آبادی | |
| منتخب التذکرہ | جنم جی مترارمان | |
| موجِ کوثر | شیخ محمد اکرام | ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور |
| نشانات (تنقیدی مضامین) | محمد علی صدیقی | ادارہ عصرِ نو کراچی، مارچ ۱۹۸۱ء |
| نکات الشعراء | میر تقی میر | ف---۹۳ |
| نکاتِ سخن | حسرت موہانی | انتظامی پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۴ء |
| نگارستانِ بشیر | شاہ بہاالدین بشیر | ۱۹۵۷ء--ف۵۲۴ |
| نوطرزِ مرصّع | عطا حسین خاں تحسین، مرتبہ: نورالحسن ہاشمی | ہندوستانی اکیڈمی اترپردیش الہ آباد، ۱۹۵۸ء |
| نئی پرانی قدریں | ڈاکٹر شوکت سبزواری | مکتبۂ اسلوب کراچی، ۱۹۶۱ء |
| واقعاتِ دارالحکومت دہلی (جلد اول تا سوئم) | مولوی بشیرالدین | |
| یادگارِ شعراء | اشپرنگر، مرتبہ: طفیل احمد | اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۵ء |
| یادگارِ شعراء | اشپرنگر الہ آباد | ۱۹۴۳ء |
| یادگارِ ضیغم | منشی عبداللہ خاں ضیغم | |
| یورپ میں اردو | آغا افتخار حسین | مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء |
| یورپ میں تحقیقی مقالے | آغا افتخار حسین | مجلسِ ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء |
| ۱۸۵۷ء پہلی جنگِ آزادی واقعات و حقائق | میاں محمد شفیع | اشرف پریس لااہور، ۱۹۵۷ء |

The European & Indo-European poets of Urdu and Persian

by Ram Babu Saksena

Account of the European Military Adventurers of Hindustan by Herbert Compton

The History of the Indian Mutiny by various writers

European Adventurers in Northern India by C.C.Grey and H.L.O.Garett

Begum Sumru by B.Bannerji

Hand book of Oriental History by C.H.Phillips

Encyclopedia of Indian Events and dates by Bhattacherje. 2nd ed. New Delhi,

Sterling, 1987 VI 477P

Rulers townsmen and Bazaars by Bayly

History of Culture of Indian People by R.C.Majumdar

vol:6 The Delhi Sultanate 1300-1526 A.D.

vol:7 The Mughal Empire 1526-1707 A.D.

vol:8 The Maratha Supermacy 1707-1818 A.D.

vol:9 The British Domination 1818-1918 A.D.

Study in Maratha diplomacy:(Anglo-Maratha relations)

by Shanti Prasad Varma

Anglo Maratha relations during the administration of Warren Hastings

by Sailendra Nath Sen, Calcutta ,Firma K.M.Mukho Padhyay, 1961

A Great estate and its Laudlords in Colonial India: Darbhanga 1860-1942

Delhi, Oxford University Press, 1990

Recollection of a Vetran of days of the great Indian Mutiny

by Arthur Owen, 1857, Lahore, George Mission Printing works, 1915.

History of the military transactions of the British Nation in Indostan

**by** R. Orme, London, John Nourse, 1763-1861, Vol I & Vol II

The British Crown & the Indian States compiled **by** chamber of Princes, New

Delhi: Gian Publishing 1988

French in India: First establishment and struggle with a foreward

**by** S.N.Sen, Calcutta, university of Calcutta 1947

Transactions in India, from the commencement of the French war in 1750 to

the conclusion of the late peace, in 1783; containing a history of the British

Interest in Indostan; during a period of near thirty years. London by J.Debrett,1786

History of the Mao College Aligarh **by** S.K. Bhatnagarh, April 1969

The Fall of the Moghul Empire of Hindostan **by** H.G. Keene (part I, chap 2, 3 & 4 )

Jetwings-Travelogue.(www.jetways.com/jetwings_dec_02/travel/link7.html)

## رسائل و جرائد


رسالہ افکار (برطانیہ میں اردو) صہبا لکھنوی اپریل ۱۹۸۱ء

رسالہ ساقی (سلور جوبلی نمبر) ۱۹۵۵ء

رسالہ مشرب (مقالات نمبر) ۱۹۵۷ء

رسالہ نگار (اصنافِ سخن نمبر) فروری ۱۹۵۷ء

مجلّہ علم و آگہی (خصوصی شمارہ- جلد اول و دوم) برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے ۱۹۷۴-۷۵ء

نیرنگِ خیال، لاہور — سویرا، لاہور — معاصر، پٹنہ

معاصر، لاہور — اوراق، لاہور — ہمایوں، لاہور

تحقیق، جامعہ سندھ — معارف، اعظم گڑھ — ساقی، دہلی

سوغات، بنگلور — افکار، کراچی — اردو، کراچی

قومی زبان، کراچی — نقوش، لاہور — ادبی دنیا، لاہور

صحیفہ، لاہور — ماہِ نو، لاہور — آج کل، دہلی

فنون، لاہور — شعور، کراچی — العلم، کراچی

جرنل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال — آج کل ''اردو تحقیق'' نمبر — دہلی


☆☆☆☆☆☆